

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224495

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۷۳.۵
معارف

Accession No. ۷۷ ۱۳۰۸

Author

Title

معارف جلد سوم
۵۱۹۱۹
۱۲

This book should be returned on or before the date last marked below

عدد و سقم

ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق جنوری ۱۹۱۹ء

مجلد سوم

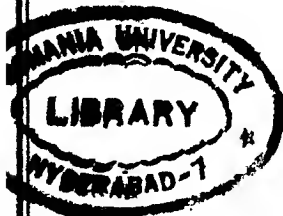
مضامین

- (۱) شذرات ۳۳۸ - ۳۴۰
- (۲) نظر بنان اسلام ۳۴۱ - ۳۵۳
- (۳) قرآن مجید میں بابل کے حوالے ۳۵۴ - ۳۶۲
- (۴) فلسفہ لیبان ۳۶۳ - ۳۶۹
- (۵) مسلمانان تاتار اور عربی تعلیم ۳۷۰ - ۳۷۶
- (۶) ایک آیت کی تفسیر ۳۷۷ - ۳۸۲
- (۷) اساس التعلیم ۳۸۳ - ۳۸۹
- (۸) ادبیات ۳۹۰ - ۳۹۱
- (۹) مطبوعات جدیدہ ۳۹۲ -

شعراجم حصہ پنجم

از

علامہ شبلی نعمانی



شعراجم کا پانچواں حصہ چھپکے تیار ہو گیا اس حصہ میں بقیہ اصناف سخن، تصنیف، غزل اور عاشقانہ، صوفیانہ، فنی اور فلسفیانہ شاعری پر تقریظ و تبصرہ، خود مصنف مروجہ کے بیان کے مطابق یہ شعراجم کی متعدد ضخیم جلدوں کا طرز و نظام ہے۔
ت ۲۰ صفحہ قیمت مفید دینی کاغذ کا قیمت سفید دہاتی کاغذی شعراجم کی چار پہلی جلدوں کی قیمتیں یہ ہیں: جلد اول ۸ روپے، جلد دوم ۸ روپے، جلد سوم ۸ روپے، جلد چہارم ۸ روپے، جلد پنجم ۸ روپے۔
غیر تہم خریدار کو غلہ بین پانچوں جلدوں کی بجائے ایک نامزدون کو نصف فیصد کی پیش

شہنشاہ

دسمبر کے قومی ہنگامے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے، کانگریس سے لیکر اردو پریس کانفرنس تک ہر ایک مجلس کی روداد عمل ہر شخص کے سامنے آگئی، اس سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے بولنا تو سیکھ لیا ہے، آہستہ آہستہ زبان سے منتقل ہو کر ایک دن ہاتھوں تک قوت پہنچ جائیگی، لیکن دعا کیجیے کہ یہ قوت باہم دست و گریبان ہونے میں نہیں بلکہ دامن مقصود کے چھونے میں صرف ہو،

اللہ اکبر! چند سالوں میں کتنا تفاوت ہو گیا، کانگریس میں ایک مدت سے دو فریق ہو گئے ہیں اور باب اعتدال (ماؤریٹ) اور راباب استعجال (ایکسپریسٹ) سورت کانگریس میں جب یہ دونوں فریق باہم پھنکر لگ ہو گئے تو استعجالیوں کو کانگریس کے احاطہ سے نکل جانا پڑا، اور اعتدالی چوبہ برس تک کانگریس کے تحت پر بلا شرکت غیرے مالک رہے، لکھنؤ کی کانگریس نے پھر مردوں کو پھر بلایا، لیکن اس میل ملاپ پر دو برس بھی گزرنے پناے کہ دلی کی کانگریس نے پھر نزاع قائم کر دی لیکن زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ اب استعجالی کانگریس کی عنان حکومت کے مالک ہیں اور اعتدالیوں کو کانگریس کے احاطہ سے باہر نکل جانا پڑا، تلاح الا یا ہند اولہا بین الناس،

مسلم لیگ نے اپنے بارہ برس کی تاریخ میں سب سے پہلی بار اپنے نمایاں شان و وجود کا ثبوت دیا، سچ یہ ہے کہ دلی کے زیرِ خاک زندوں کی ہندوستان کے روئے زمین کے مردوں نے آبرور کھ لی، آئزبل فضل حق اور ڈاکٹر انصاری نے صدارت کے خطے نہیں پڑے بلکہ ایک نئے

ہندوستان کا دل اور دوسرے نے اسلام کا جگر دنیا کے سامنے دکھ دیا

شدقت آن کہ دیدہ چو دل غرق خون کنم خون نابہ گره شدہ از دل برون کنم
آن غصہ کہ پیش خوردم کنون خورم وان نالہ کہ پیش نکردم کنون کنم
گویند غافلان کہ رہ صبر اختیار کن چون اختیار در کف من نیست چون کنم

— ❦ —

دلی کی سلم لیگ بھی نزاع باہمی سے پاک نہیں رہی، لیکن لیگ اور کانگریس کی نزاعوں میں ایک دقیق فرق ہے، کانگریس میں مایہ اختلاف رفتار کی تیزی اور سستی ہے، اور لیگ میں نفس رفتار کا عدم یا وجود!

— ❦ —

یادش بخیر! ایجنیشنل کانفرنس تو اس سال بچکر سورت نکل گئی، ”دکن کی بجلی“ صرف سلم لیگ اور کانگریس، اسکے اجلاس میں علماء کرام بھی تشریف فرما تھے، ایک گوشہ سے آواز آئی!

یارب تو نگہ دار دلِ خلوتیان را کان منچہ مست است و در صومعہ باہت
معاصر لکھنؤ کی روایت ہے کہ ان چند لہجوں میں اربابِ وق و قبیح دعائے ”رؤ بلا“ کی ”قرارت“ میں مصروف

— ❦ —

ایجنیشنل کانفرنس نے کلکتہ کے تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا کہ تعلیم اور سیاست ایک ساتھ نہیں جمع ہو سکتیں، چنانچہ لیگ دلی آئی تو کانفرنس پر سے ہنگر سورت چلی گئی، کانفرنس کا یہ اجلاس متعدد حقیقتوں سے کامیاب رہا، چودہ ہزار روپیہ کانفرنس کو وظائف کے لئے ملا، ایک دارالافتاء کے لئے ۵۰ ہزار کاچندہ ہوا، دارالافتاء تعمیر ہونے تک ایک باہت اپنی عالی شان عمارت طلبہ کے رہنے کے لئے دیدی،

دوبیس کے بعد اردو کا لفرنس کا اجلاس دلی میں ہوا، تقریریں پڑھیں، تجویزیں دیکھیں، شاعر کی غزلیں سنیں، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ وہاں توں سے تحصیل اسکون سے، کچرپون سے، ڈاکٹرنون سے جس اردو کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، اور سلمان طلبہ اور معاملہ دارون کو ہندی قبل کرنے پر مختلف تدبیروں اور جیلوں سے مجبور کیا جا رہا ہے اسکی روک کی کیا صورت ہے؟ اس دفعہ وقت کی تنگی کے باعث صرف ڈہانچ کھرا کر دیا گیا ہے امید ہے کہ آئندہ کچھ ہو رہے گا، حکیم ناصر الدین صاحب ابن شفاء الملک مرحوم دہلوی کی سبجائی اس ڈہانچہ میں شاید روح چھوٹ سکے۔

۱۹ء میں دارالمصنفین کی طرف سے حسب ذیل کتابیں شائع ہوئی، سیرۃ عمر بن عبد العزیزؓ از مولانا عبدالسلام ندوی، روح الاجتماع، لیدبان، از مولانا محمد یونس انصاری فرنگی علی، کلمات بر از مسٹر عبدالمجیدی، اے، سیرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، از سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبویؐ جلد ثانی کی کتابت ۱۰۰ صفحہ تک ہو چکی، کاغذ کے لئے اہتمام کیا جا رہا ہے، کوشش ہوگی کہ سال کے اندر اندر یہ حصہ چھپ کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے، و لا مرید الا للہ

مقالات

نظر بندانِ اسلام

بتقریب رہائی سید الاحرار سید فضل الحسن حسرت موہانی

تا چند بزنجیر خرد بند تو ان بود

سرستی و آشوبِ جنون چند تو ان بود

دنیا چار برس کی عالمگیر جنگ سے گھبرا اٹھی، لیکن بغور دیکھو تو نظر آجیگا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ

ایک مسلسل اور غیر منقطع سلسلہ جنگ میں مبتلا ہے، صبح اور شام، دن اور رات، چاندنی اور اندھیری

بہار اور خزاں، جاڑا اور گرمی یہ کیا ہیں؟ اس رزمگاہ عالم کے نیرو آزمات حریف ہیں!

ہوا اور مٹی، آگ اور پانی، دریا اور پہاڑ، زمین اور آسمان کیا ہیں؟ عناصر کی باہمی جنگ کے

مظاہر ہیں بلکہ یہ ساری کائنات انہیں عناصر کی فتح و شکست کے نتائج ہیں،

ہمادت اور بنات، نباتات اور حیوانات، حیوانات اور انسان غور کرو کیا ان میں

موت و حیات کی لکشمش کے لئے ایک دائمی جنگ برپا نہیں ہے، آگے بڑھو اشرف المخلوقات کی

دنیا میں آؤ، یہاں قوت سے قوت، جماعت سے جماعت، قوم سے قوم دست و گریبان ہے،

غرض کائنات سراسر جنگ، صلح اور شکست ہے!!

لیکن سب تعجب خیز، سب سے حیرت انگیز، اور سب سے زیادہ تعجیز افزا وہ جنگ اور صلح ہو

جو اس عالم مادی سے ماوراء و حایات کے عالم میں برپا ہے، صدق اور کذب، حق اور باطل،

صواب اور خطا میں دنیا جسے قائم ہے، ایک غیر فانی نزاع قائم ہے،

لیکن یہ تعجب، یہ حیرت، اور یہ استعجاب اس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے جب کمزوری قوت سے شخص، جماعت سے، جماعت قوم سے، اور قوم دنیا سے لڑنے کو آمادہ ہو جاتی ہے، ذرہ بہاڑ کو، قطرہ سمندر کو، اور چیونٹی سلیمان کو اعلان جنگ دیتی ہے، اور صرف ایک حق اور صداقت کی قوت کو اپنے دست و بازو کا سہارا جانتی ہے،

کمن سال دنیا کے سوانح زندگی کا جتنا تحریری سرمایہ اس وقت موجود ہے، اس کے اکثر اوراق انہیں خونین داستانوں سے رنگین ہیں، اس وقت کرہ زمین کی ہر قوم سرتاپا آواز ہے کہ اس ضخیم کتاب میں سے میری زندگی کا باب نکال کر پڑھو، لیکن سامان عبرت جواب دیتا ہے کہ مجھ کو دنیا کی صرف آخری قوم کی تاریخ کا جائزہ لینا ہے،

اس قوم کی تاریخ میں وہ شہدائے ملت بھی ہیں، جنھوں نے میدان حق میں لڑ کر جانیں دیں، وہ بھی ہیں جنکی گردنیں تلواروں کا استحا نگاہ بنیں، وہ بھی ہیں جنکے سر سولی پر رکھکے گئے، وہ بھی ہیں جنکے پہلوئیں نیزے چھوئے گئے، وہ بھی ہیں، جنکی زبانیں خنکھوئی کے جرم میں تالو سے کہنچ لی گئیں، وہ بھی ہیں جنکا ایک ایک عضو کا ٹکڑا الگ کر دیا گیا،

پھر ان میں ایسے امن پسند تیغ زنوں کی بھی کمی نہیں جنکے جو پڑوں کی ناندان آواز برق و صاعقہ بنکر محلوں اور پوانوں کو ہلائی، جنکے ہاتھوں کی ایک کمزور جنبش نے بھی قبائے حکومت کو تار تار الگ کر دیئے، جنکے چشم وابد کے ایک اشارہ نے انکے جاہ و جلال کے اوراق پارہ پارہ کر دیئے لیکن اس وقت انکی یاد تازہ کرنا ہے جنکے کارنامے خونین اوراق میں نہیں بلکہ خانہ ویرانی کی گرد باد اور حلقہ سے زنجیر کے شور میں الفاظ بکرسالی دیتے ہیں کہ اب یہی درس عبرت مستقبل کی درس گاہ میں بکوبار بار دہرانا ہے،

درسہ اسلام کی سب سے پہلی کتاب لاؤ اور وہ باب کھولو جسکا عنوان احسن نقص ہے،

قرآن پاک کی ہر تفسیل، اور حکایت، حیات انسانی کے مختلف مدارج کے اسباق ہیں، سورہ یوسف ہمارے سامنے اس نمونہ کو پیش کرتا ہے، جب دوائی حق طوق و زنجیر سے گرا بنا اپنے کو گوشہ زندان میں پاتا ہے، پیر کنگان کا ”نورالعین“ مہر کے قید خانہ بن سربراہ فوسے، یاران زندانی حلقہ مغل ہیں، معصوم قیدی اس چہار دیواری کے اندر بھی اپنے کاروبار سے غافل نہیں، کیونکہ اس کو جو کام کرنا ہے اس کے لئے صرف انسانوں کا مجمع درکار ہے، محدود و نامحدود و رقبہ زمین نہیں، وہ گویا ہے،

ذَلِكُمَا مَعًا عَلَيَّ رَبِّي ط تَوَكَّلْ مِلَّةَ قَوْمِ
لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
كَفِرُونَ ه وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي
ابْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ
نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ
اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُونَ ه يَصَاحِبِي الْجَنَّةِ آدَابُكَ
مُتَقَرَّرٌ قَدْ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدَ الْقَهَّارُ مَا
تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءٌ يَتَّبِعُهُمُ الْغَوْ أُولَئِكَ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْهُم مِّنْ سُلْطٰنٍ ط إِنَّهُمْ لَكَاغِبٌ لِّمَا
كَانُوا لَا يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَلَكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ،

یہ دو چیز ہے جسکی تعلیم میرے پروردگار نے مجھے دی ہے
میں نے اس قوم کا مذہب پیڑھا دیا جسکا اللہ پر ایمان نہیں
اور جو دوبارہ زندگی سے منکر ہے اور اپنے باب دادوں
ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوا، ہمارے
سزاوار نہیں کہ ہم خدا کا یکو شرک بنا دیں، یہ خدا کا ہم پر
اور لوگوں پر احسان ہے، لیکن اکثر لوگ کے شکر گند نہیں
ای ایمان زندان، کیا چن لاک الگ خدا اچھے ہیں یا ایک
ذوالجلال خدا، اسکو چھو کر تم ان چند ناموں کی پرستش
کرتے ہو جنکو خود تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے کہہ لیا،
اور جسکی کوئی دلیل خدا نے نہیں اتاری، حکومت، بجز
خدا کے کیسی نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ ہم صرف اُسکو
پوجیں، یہی سید مذہب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے،

اسلام کی تاریخ کا آغاز ایک فطرت کے وجود گرامی کے ساتھ وابستہ ہے، شب ابی طالب کا مہر

علیہ الوفا لیتیمہ والسلام اپنی ہم کڑورامت کو یہ تعلیم دے گیا ہے کہ اعلان حق کی راہ میں قید و محبس کی دیوار بن تماری نافذ الاثر آوازوں کو نہیں ربک سیکتن، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین برس تک اس گمانی مین مع خاندان بنی ہاشم کے محصور رہ کر اس طرح گزارے ہیں کہ مکہ کی کارفرما قوتوں کی طرف سے یہ تدغنی تھی کہ کوئی کمانے پینے کی چیز تک اُنکے پاس جانے نہ پائے، قبائل نے باہم ایک تخریری معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا، نہ اُنکے ہاتھ خرید و فروخت کریگا نہ اُن سے ملیگا، نہ اُن کے پاس کمانے پینے کا سامان جانے دیگا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں،

یہ تین سال استدرخت گذرے کہ طلع کے پتے کما کما گزدارے، اس ہصار مین آپ تنہا نہ تھے بلکہ ام اسادات والمؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ بھی آپکے ساتھ تھیں، کس صاحبزادی ان بھی مان کے آغوش مین بہتیں، ننھے ننھے بچے جب بھوک سے روتے تو سنگدل انکی آواز سن سن کر بہتے کہ انکی چشم ترکی بوندین گویا اُنکے کشت آرزو کا ابر باران بہتیں، ایک دن حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکم بن حزام نے تھوڑا سا غلہ اپنی بھوپي کے پاس بھیجا - ابو جہل نے دیکھا تو چہین لینا چاہا،

اسلام کی تبلیغ حق دولت و نعمت مین بہنیں ہوئی ہے، زور و قوت مین بہنیں ہوئی ہے، جاہ و جلال مین بہنیں ہوئی ہے، بلکہ مصائب و خطرات، مظلومیت و بیکسی، فقر و فاقہ مین اور بس آخر قید و بند کی بیڑیوں اور زندان و حصار کی چار دیواریوں مین، لیکن ان مین سے کوئی چیز داعی اسلام اور مبلغ رسالت کو اپنے فرائض سے باز نہ رکھ سکی، آفتاب کا نور گرد و غبار کے دامن سے نہیں چھپتا، اور آسمان کا ابر باران زمین کے بخارات سے نہیں تھمتا،

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گمانی مین مع خاندان بنی ہاشم کے تین برس تک محصور رہے تھے، لے سیرت زبانی صفحہ ۱۹

مسیح الاسلام حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص تھے جنکی نسبت حضور قدس
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آسمان نے اپنا سایہ ابوذر سے زیادہ کسی مخلوق آدمی پر نہیں ڈالا، اور نہ
 زمین نے ان سے کسی زیادہ مخلوق آدمی کا بار کبھی اٹھایا، یہ مکہ میں اس وقت ایمان لائے جب اس سرزمین
 میں "ایمان" کا لفظ قانونی جرم تھا، چنانچہ اپنے وطن سے چل کر جب یہ مکہ پہنچے اور مخفی مسلمان ہوئے
 اپنے فرمایا کہ تم اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاؤ، اور اس وقت کے منتظر رہو جب اسلام کو ملک میں
 اس و امان نصیب ہو، لیکن انکے لئے انتظار مشکل تھا، وہ اب سرتاپا آواز حق تھے، انکار و کٹاؤنگٹا
 اعلان حق کے لئے بیچیں تھا، چنانچہ وہ سیدہ خاند کعبہ میں آئے، اس خانہ کعبہ میں جو اس وقت
 ۳۶۰ بتوں کا مسکن تھا، اور اگر لا الہ الا اللہ کا اس زور سے نعرہ مارا کہ اس پاس کی پہاڑیاں
 گونج اٹھیں، یہ آواز سن کر قریش چاروں طرف سے دوڑ پڑے، حضرت عباس نے اگر پچایا، لیکن
 یہ جہانی تکلیف انکے روحانی عزم و استقلال کی مضبوطی میں ایک ذرہ انقلاب نہ پیدا کر سکی، دوسرے
 دن وہی ابوذر غفاری تھے، وہی ۳۶۰ بتوں کا کعبہ تھا، اور وہی نعرہ توحید کی زلزلہ، انداز تکبیر حق
 قریش کی طرف سے وہی کل کی طرح آج بھی جواب ملا، تاہم یہ سرزمین انکو فرض تبلیغ سے باز نہ رکھی،
 حضرت ابوذر نے تین خلافتوں کا زمانہ دیکھا، زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا، فتوحات نے
 مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے جو پڑے کو رشک ایوان کسریٰ، اور غیرت کا شنانہ نغور بنا دیا، لیکن
 ایک ذات حق جو سونے اور چاندی کا ایک ٹکڑا بھی اپنے گھر کرنا حرام سمجھتی تھی حضرت عثمان کے
 زمانہ میں وہ سرزمین شام میں تھے، جہاں رومیوں کے اثر سے مسلمان امراء اسلام کی سادگی کو
 چھوڑ کر دولت اور تنعم کے خوگر ہو چلے تھے، امیر معاویہ کا دربار قیصر و کسریٰ کی بارگاہ بن رہا تھا، انکے
 جاہ و جلال کے رعب و داب نے بڑے بڑوں کی زبانیں گنگ کر دی تھیں، لیکن جرأت آزادی
 کی وہ بے نیام تلوار جو ابوذر غفاری کے کام و دہن میں تھی ایک لمحہ کے لئے ڈھکی اور عیشہ پھر دوبار

اعلان حق کے لئے چمکتی رہی، آخر انکو آستانہ خلافت سے انکے بلوائینے کی درخواست کرنی پڑی چنانچہ یہ مدینہ بلوائے گئے، اور بہان سے ربذہ ایک چوٹے سے گاؤں میں بھیج دیے گئے، یا خود اپنے لئے وہیں رہنا مناسب سمجھا،

ربذہ کا نظر بنڈایک کلمی غیہ میں چند اونٹ اور بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ تمام دنیا سے گوشہ گیر ہو کر بیٹھ گیا، حضرت عثمان نے بیت المال سے انکے اسباب راحت کا سامان کرنا چاہا لیکن قبول نہ کیا،

لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ اس سلطان حق نے اسکے بدلتوار نیام میں کر لی، وہ اس زمانہ میں فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے، لیکن اسی حالت میں اُنہی نے ایک شخص نے فتویٰ پوچھا، انھوں نے جواب دیا، ایک قریشی نے ٹوکا کہ تم فتویٰ دینے کے مجاز نہیں ہو، کیون دیتے ہو، تو نہایت جوش کے ساتھ فرمایا ”خدا کی قسم اگر تم میری اس گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور میں اس لمحہ میں سمجھوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ایک لفظ بھی ادا کر سکتا ہوں تو ادا کر دیتا“

آخر اسی مسافرت اور غربت میں اس طرح جان دی کہ حب وصیت اور پیشگوئی نبوی جنازہ لاکر سہرا رکھ دیا گیا کہ نو دار و اس رہگذر عام سے کوچ کر جانے والے مسافر کی نماز پڑھیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، عبداللہ بن شحوک گذر ہوا اور انھوں نے نماز پڑھائی،

سر یہ راجع کے دو زندانیوں کی داستان بھی ہلکوسانی ہے، حضرت خلیفہ ابو حضرت زیدؓ یہ دونوں بزرگوار اصحاب صفہ میں سے ہیں، یعنی ان لوگوں میں سے جو میدان جنگ کے لئے نہیں بلکہ منبر و محراب کے لئے تعلیم پا رہے تھے، ایک قبیلہ کی دعوت پر درس و غیلین اسلام جنہیں یہ دو صاحب بھی تھے، بھیجے گئے، راجع کے مقام پر پہنچ کر کافروں نے بدعہدی کی اور دوسو آدمیوں کا دستہ انکی گرفتاری کے لئے بھیج دیا، اکثر نے قید و اسیری کے تنگ کو گوارا نہ کیا، اور لڑ کر جاں بحق ہوئے،

خلیبت اور زیند و صاجون نے کفار کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو ان کے حوالہ کر دیا، انھوں نے خلاف معاہدہ انکی شکنجہ میں اور مکہ میں لاکر بیچ ڈالا، قریش نے بدر کے انتقام کے لئے انکو خرید لیا اور تین ہجیرے تک قیدی رکھا، ان دونوں قیدیوں نے زمانہ قید میں اسلام کی تعلیم کا جو نوہ پیش کیا وہ مذاہب کی تاریخ میں عظیم الشان ہے،

حضرت خلیبت جس گھر میں قید تھے، اسلام کے بعد اس گھر نے کی ایک خاتون نے علی الاعلان گواہی دی کہ خلیبت سے بڑھ کر کسی قیدی کو ہم نے نیک و سعادتمند نہیں پایا، ایک دفعہ اسی خاندان کا ایک بچہ کھلتا ہوا انکے پاس چلا گیا، انکو معلوم ہوا کہ یہ اس خاندان کا چشم و چراغ ہے جو چند روز قبل سولی کی لکڑی پر انکی لاش کو لٹکانے والا ہے، لیکن انھوں نے پیار سے اس بچہ کو زانو پر بٹھالیا، انکے ہاتھ میں ایک ضرورت سے استرہ تھا، بچہ کی مان کی نگاہ جب اس قیدی پر پڑی تو یہ منظر دیکھ کر کہ بچہ قیدی کے زانو پر بٹھا ہے اور کھلا استرہ اس کے ہاتھ میں ہے، گم گئی، حضرت خلیبت نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے خون کا انتقام تمہارے بچہ سے لوں گا، ہمارا یہ کام نہیں، حضرت خلیبت نے کافروں سے زمانہ قید میں جو رعایتیں چاہیں وہ صرف تین تھیں، بیٹھ پانی، حرام کھانا، جھکونڈیا جائے، قتل کی پہلے سے اطلاع دی جائے،

چند روز کے بعد حضرت خلیبت نے حرم کے میدان میں جس بہادری، اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ مظلومیت کی سولی پر جان دی، وہ تاریخ اسلام کا معروف واقعہ ہے، اخلاق کے اس معجزانہ منظر نے آخر اس خاندان کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا،

دوسرے قیدی حضرت زید بن دثنہ انصاری تین جینے کی قی کے بعد قتل میں لائے گئے، کفار کا پڑا احاطہ کئے، جلا دیا، تلوار لٹکانے کے ساتھ قتل، سولی کی لکڑی پہلو میں نصب تھی، ابوسفیان نے آگے بڑھ کر پوچھا، "زید! کیا تم پسند کرتے اگر آج تمہارے بجائے محمد کی لاش اس سولی پر

لشکی ہوتی، سرشار غمناہ محمدی نے جواب دیا کہ ”خدا کی قسم میں یہ پسند کر دینگا کہ میری لاش سولی پر لٹکائی جائے اور محمد صلعم کے تلوں میں کاٹا بھی نہ چھینے پائے“

حضرت ابو جندلؓ وہ اس جرم پر کہ اسلام لائے تھے مکہ میں پابزنجیر تھے طح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ اس نے مذہب سے توبہ کرو، لیکن وہ ان تمام سختیوں کو خوشی سے جھیلتے رہے، سترہ میں عمرہ کی غرض سے جب چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ آپ نے مقام حدیبیہ میں قیام کیا اور کفار نے آگے بڑھنے سے روکا اور شرائط صلح طے ہونے لگے تو عین اسوقت جب معاہدہ کی شرطیں زیر تحریر تھیں، ابو جندل کسی طرح قریش کے مجلس سے نکل کر پادون بن بیڑیان پہنچے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے، قریش کے سفیر نے جو خود ابو جندل کا باپ تھا کہا کہ محمد یہ پہلا قیدی ہے جسکو تمہیں واپس دینا ہوگا، ابو جندل نے تمام مجمع کے سامنے اپنے زخم دکھائے جو قریش کے جوہر دھم کی یادگار تھے، اور کہا، برادران اسلام! میں اسلام لا چکا ہوں، کیا پھر مجھکو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو، کیا پھر مجھے انکا قیدی بناتے ہو، تمام مسلمان اس دردناک منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، چہروں پر تیوریاں چڑھ گئیں، اخوت اسلامی کی لہر برق بنکر چودہ سو ہزاروں کے دل جگمگ رہیں تیرگئی، کہ دفعۃً ہمارے مبارک بے اور ابو جندل کی طرف خطاب کر کے فرمایا،

”ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کیلئے

راہ نکالے گا، صلح ہو چکی، اور ہم ان لوگوں سے بداعدی نہیں کر سکتے“

اس فرمان کو سن کر ابو جندل نے اطاعت کی گردن جھکالی، اور مجلس کی قید و زنجیر کو اسلام کی بداعدی کے داغ پر ترجیح دی،

ضعف اور قوت، اور حق و باطل کی باہمی معرکہ آرائیوں میں انبیاء و العزم اور پوشش لشکریان آغوش نبوت، نسل مستقبل کے لئے اقتدار و پیروی کے جو نمونے چھوڑ گئے، انکے جانشینوں نے سرِ مو

ان سے تفاوت نہ کیا، تاہم ان واقعات سے بریز ہے، استیلاے باطل کے تاریک عہد نے جب کبھی دنیا کا احاطہ کیا، ائمہ اطہار اور علمائے صالحین اسی راستہ پر قدم مارنے چلے گئے، جمہین اسلاف کرام اپنے عمل اور کارناموں کے چراغ جلاتے چلے گئے تھے،

بنو امیہ کے عہد حکومت میں اکابر محدثین نے ہر قدم پر انکے جو رسوم کو روکا، برسرِ دربار انکی غلطیوں کا اظہار کیا، اور اس اعلان حق میں قید و زنجیر بے خانمانی، وجہ لاطنی کا باک نہ کیا، حضرت سعید بن مسیب جو تابعین میں سب سے بڑا مرتبہ رکھتے ہیں، انکے واقعات حریت طلب دنیا کیلئے نمونہ ہیں، انھوں نے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہ کیا، اور نہ کبھی سلطنت کا وظیفہ خواہ بننا پسند کیا، اسلئے انکی زبان اظہار حق میں ہمیشہ پیاب رہی، ایک دفعہ خلیفہ شام کا تاسد ان کے سامنے سے گزرا، بلا کر پوچھا کہ ”بنی مردان کی تم کس حال میں پھوڑ کر آئے، بولا، ”بحریت“ فرمایا تم نے اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کو کھلاتے ہیں“ قاصد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، لیکن انھوں نے کوئی پروا نہ کی، دو ستون نے عرض کی، اپنی جان کو روپے کیوں ہو؟ جواب دیا ”جب تک میں حق پر ہوں خدا مجھ کو بے یار و مددگار پھوڑے گا۔“

آخر ان آزاد گویوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ کڑا کے کی مروی میں انکے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈال کر انکو کوڑے لگائے گئے، قید کیا گیا، انکے قتل کا سامان ہوا، اور آخر میں یہ فرمان جاری ہوا کہ کوئی انکے پاس بیٹھے، اور نہ کوئی بات چیت کرے، لیکن اس حالت میں بھی انکی سیف زبانی کم نہوئی، ایک قاصد شہ شاہی لیکر انکے پاس آیا، شہ کو بکری کے منہ میں دیدیا وہ چبا گئی، فرمایا کہ یہی اسکا جواب ہے ابراہیم تیمی کو فہ کے ایک حلقہ عالم تھے، حجاج کے قید خانہ میں انھوں نے عمر بسر کر دی۔

یحییٰ بن عامر کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن میں نقطے لگائے، حجاج نے انکو عراق سے جلا وطن کر دیا، آوارہ گرد خراسان پہنچے، وہاں کے گورنر نے انکی بڑی تعلیم کی اور قضا کا منصب

پیش کیا، لیکن کچھ دن بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ میان سے بھی الگ ہونا پڑا،
امام منصور بن ہشام نے مجلس جانا اسلئے پسند کیا کہ وہ ایک جابر حکومت کی طرف سے
عدہ قضا قبول کرنا نہیں چاہتے تھے،

امام شعبی کی جلالت شان سے کون واقف نہیں، کوفہ وطن تھا، مختار کے زمانہ حکومت
میں کوفہ سے ہباگ کر انکو مدینہ آنا پڑا، حجاج کے زمانہ میں وہ کوفہ آکر دارالامارہ میں عزت و
تکریم کے ساتھ رہنے لگے، لیکن جب علمائے کوفہ نے حجاج کے مقابلہ میں فوج کشی کی تو امام
شعبی دونوں فوجوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر حجاج کے مظالم بیان کئے، اتفاق سے علماء کی
فوج کو شکست ہوئی، امام شعبی نے گھر پہنچ کر کوڑا بند کر لئے، اور نو چھینے اسی حال میں بسر کئے،
پھر ایک دن موقع پایا تو فوج میں بھرتی ہو کر خراسان چل دیئے، وہاں انکو ایک عدہ جگہ مل گئی، ابھی
پورا اطمینان بھی نہیں ہوا تھا کہ حجاج کے مجزوں نے جاسوسی کی، اور والی خراسان کے نام حکم آیا کہ
شعبی کو فوراً پکڑ لو، اگر وہ پکڑ نہ لیا گیا تو تہمتیں سزا دی جائیگی، والی جو امام موصوف کی شان جلالت سے
واقف تھا اس نے ہر چند چاہا کہ وہ کہیں نکل جائیں، لیکن انھوں نے کہا کہ اب بچنا مشکل ہے،
آخر پابزنجیر دارالامارہ کو روانہ کئے گئے، حجاج نے پھر انکو رہا کر دیا،

۳۲ھ میں جب زمانہ نے کروٹ لی اور شام آجڑا کو عراق آباد ہوا، یعنی ملک کی عنان
حکومت بنو امیہ سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھ میں آئی، اور سادات نے حجاز میں اپنا علم بلند کیا تو
دیگر علماء کے بار کے ساتھ امام عظم ابو حنیفہ النعمان نے فتویٰ دیا کہ منصور عباسی کی بیعت ناجائز ہے،
اور خلافت نفس زکیہ کا حق ہے، سادات کی ناکامی کے بعد جب منصور کے دوبارہ ملک پر تسلط
پایا تو امام کو دوبارہ میں طلب کیا اور منصب قضا کے قبول کرنے پر مجبور کیا، مگر انھوں نے صاف
انکار کیا، منصور نے حکم دیا کہ انکو قید کر دیا جائے، امام نے قید خانہ کے حیر و تنگ حجر کو منصب قضا کے

بلند و رفیع ایوان پر ترجیح دی، چار برس اسی قید خانہ میں گزارے، اور اس سے اس وقت چھوٹے جب روح نے قید مہتی سے رہائی پائی،

امام محدوح کے فضائل میں یہ امر بھی کچھ کم قابل ستائش نہیں کہ جس علم کی خدمت میں انھوں نے اپنی ساری عمر گزاری تھی، اس قید خانہ میں بھی اس فرض کی اداسے غافل نہ رہے، یہاں بھی سلسلہ تعلیم برابر قائم رکھا، امام محمدؒ کے فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں، امام کلید بھی قید خانہ انکی تعلیم کا مدرسہ تھا۔
 ۲۱۰ھ میں مامون نے علما کو اس اعتقاد کی تسلیم پر مجبور کرنا چاہا کہ ”قرآن مخلوق ہے،“ جن بزرگوں نے پامردی کے ساتھ مامون کی اطاعت سے سرکشی کی ان میں سے پہلا نام امام احمد بن حنبل کا ہے، والی بغداد کے نام اس نے فرمان جاری کیا کہ امام اور دیگر علما کے اس عقیدہ خاص کا امتحان لو، امام موصوف سے جب یہ پوچھا گیا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کی نسبت کیا کہتے ہو، فرمایا میں یہ صرف یہ کہتا ہوں کہ ”وہ خدا کا کلام ہے اور میں“ محمد صلعم نے اسلام کے تمام عقاید کی تعلیم کی، لیکن کبھی اسپر ایمان کا مطالبہ نہ کیا کہ قرآن کو مخلوق مانا جائے، امام کا یہ جواب مامون کو لگسکر بھجوا گیا، اس نے حکم دیا کہ وہ پابزنجیر دربار میں بھیجے جائیں، چنانچہ اسی حال میں انکو برقعہ روانہ کیا گیا، ابھی برقعہ پھینچے بھی نہ تھے کہ مامون نے رومی سرحد پروانات پائی اور اسکی جگہ معصوم باللہ سریر آرا سے خلافت ہوا،

اس سورا اعتقاد میں وہ بھی اپنے رہائی کی ضد پر قائم رہا، امام موصوف اس زمانہ میں برقعہ میں قید تھے، معصوم جب روم سے واپس پھر امام کو اپنے دربار میں طلب کیا، اور اپنے ہم عقیدہ علما سے مناظرہ کرایا، امام نے اپنے دلائل پیش کئے، لیکن معصوم کو محض ایک سپاہی آدمی تھانے تفسی نوئی امام کے سامنے دو باتیں پیش کیں، قید خانہ یا اپنی غلطی کا اعتراف، امام نے حق کی زنجیروں کو بطل کی آزمادی پر ترجیح دی، اور ۳۰۰ عینے مختلف قید خانوں میں گزارے، پاؤں زنجیروں سے بوجھل ہو جاتے تو

پاجامہ سے کمر بند نکال کر زنجیروں کو باندھ کر کمر سے ڈکالیتے تھے، نماز اور سونے کے اوقات میں بیڑیاں اٹھ کر دیجاتی تھیں، پھر بدستور ڈال دیجاتی تھیں،

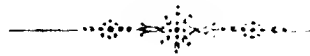
لیکن اس قید و زنجیر کے باوجود امام نے اپنا فرض کبھی فراموش نہ کیا، قیدیوں کے ساتھ نماز میں امام بن کر کھڑے ہوتے تھے اور انکو نماز پڑھاتے تھے طلبہ آتے تھے انکو درس دیتے تھے، مقسم نے ان پر دو نگبان مقرر کئے تھے جو روز آکر پوچھتے تھے کہو تمہاری رائے میں کچھ تبدیلی ہوئی، ہر روز جواب ملتا تھا کہ ”نہیں“ آخر ایک روز خفا ہو کر نگبانوں نے حکم دیا کہ ایک کے بجائے امام کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالی جائیں، امام نے اس تکلیف کو بھی صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، مقسم نے انکی اس پامردی و استقلال کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ قید و جبر کب تک؟ اب یا تسلیم یا تلوار، انکو پاب زنجیر قید خانہ سے اپنے دربار میں طلب کیا، امام موصوف فرماتے ہیں کہ مجھے دربار میں لے چنے کے لئے ایک سواری پر بٹھایا گیا، میرے دونوں پاؤں بیڑیوں سے اسقدر بوجھل تھے کہ قدم قدم پر مجھے ڈرتا کہ منہ کے بل اب گرا اور تب گرا، اسی حالت میں خلیفہ کے دربار تک پہنچایا جلا وطنی تلوار میں اور کوڑے لئے ہوئے سامنے کھڑے تھے، امام سے پوچھا گیا کہ اب بھی تم اپنی رائے بدلنے پر تیار ہو، فرمایا، کتاب اللہ اور سنت رسول کے سوا میں اور کوئی چیز نہیں قبول کر سکتا، جلا وطن کو حکم ہوا کہ کوڑے مارو، ہر کوڑے پر امام تسبیح و تہلیل فرماتے تھے، ۱۹ کوڑوں پر جا کر غش کما کر گر پڑے، پیٹھ اور شانوں سے خون جاری تھا،

مقسم جبکہ زور و قوت نے رویوں کے دل ہلا دیئے تھے، استقلال اور جرأت کے اس فرشتہ کو دیکھ کر لرز گیا، اور اسی حالت میں انکی آزادی کا پروانہ لکھ دیا، (طبقات سبکی)

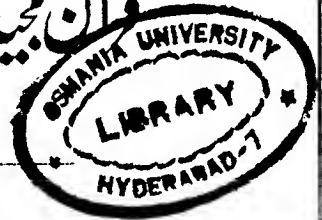
ذیل میں ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جو ہمارے لئے بہت کچھ سبق آموز ہے، ”ابن طولون دولت عباسیہ کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، خود سری نے اسکو خود مختاری پر آمادہ کیا، مصر کے

قاضی اس زمانہ میں حضرت بکار بن قتیہ حنفی تھے، ابن طویون انکی بڑی خاطر کرتا تھا، ہر سال ایک ہزار اشرفیوں کی پتیلی انکی نذر کیا کرتا تھا، مسئلہ ۷۰ میں جب خلیفہ سے اس نے بغاوت کا اعلان کیا، قاضی بکار سے درخواست کی کہ خلیفہ کی معزولی کا وہ فتویٰ دین، قاضی بکار نے اس حکم کے ماننے سے قطعاً انکار کیا، ابن طویون نے کہا اگر تم ہمارے حکم کو تسلیم نہیں کرتے تو ہماری اشرفیوں کی پتیلی واپس کر دو، دنیا یہ سن کر محو حیرت ہو جائیگی کہ قاضی نے امیر مصر کے ایک خرمہ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، اور اٹارہ سال کی اٹارہ ہتھیلیاں اسی طح سر بہرہ جہ سے باہر نکلا دین، اس حیرت افزا واقعہ کے مشاہدہ سے ابن طویون شرم سے پانی پانی ہو گیا، اور اسی وقت حکم دیا کہ قاضی کو قید خانہ میں ڈال دو، یہ گوارا کیا لیکن حق کے خلاف خلیفہ کی معزولی کے فتویٰ پر دستخط نہ کیا، قاضی بکار اسی قید کی حالت میں دو برس تک رہے، مصر کے علمائے آواز بلند کی کہ اگر قاضی موصوف اسی طح قید میں رہے تو انکے علم کا خزانہ بھی ہمیشہ کیلئے سر بہرہ جائیگا، ناچار ابن طویون نے قید خانہ میں ایک کھر کی کھلوادی، قاضی موصوف اسی کھر کی مین بیٹھ کر شافعیین علم کو درس دیتے تھے، اسی پنج پر عمر گزار دی اور محبس کی تنگ دتار کو ٹھری مین قول حق پر زندگی کی آخری سانس توڑی،

(باقی)



قرآن مجید میں بائبل کے حوالے



قرآن مجید نے جا بجا یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام انسانی کتابوں کا مصدق ہے، اس بنا پر وہ متعدد آیتوں میں ان احکام و مضامین کو بیان کرتا ہے جو تورات و انجیل میں مذکور ہیں لیکن کونساہ نظر عیسائیوں کا یہ اعتراض ہو کہ خداے اسلام بائبل سے تظلاًناً اقدس نہا، اس لئے اس نے جہاں جہاں انکے احکام و مضامین کا ذکر کیا ہے وہ انکے مطابق نہیں ہیں،

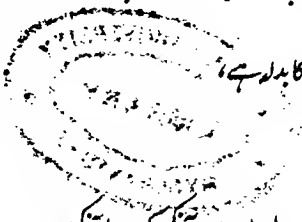
اسکا صاف جواب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے رُوسے بائبل خود محرف ہے اس بنا پر اگر اس میں یہ احکام و مضامین موجود نہیں تو یہ خود اسکا نقص ہے، لیکن ہم اس پہلو سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف اس قدر کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے معجزات میں ایک نہایت عجیب معجزہ یہ ہے کہ اس نے بائبل کی جن آیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تحریف کے گونا گون تغیرات کے بعد بھی اس میں موجود ہیں، اور یہ وہ صداقت ہے جسکی تردید میں ایک آواز بھی نہیں بلند کی جاسکتی،

اس مقدمہ کے واضح کر نیکیے لئے ہم نے قرآن مجید سے اس قسم کی تمام آیتیں جمع کی ہیں، اور بائبل کی آیتوں سے انکی تطبیق دی ہے، چنانچہ وہ آیتیں حسب ذیل ہیں،

۱۔ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے،

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والالفت بالالفت والاذن بالاذن والسن بالسن والجرج قصاص (مائعات)

اور چنے ان پر اس (توراہ میں لکھا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخمیوں کا بدلہ ہے،



تورات بتلاتی ہے،

” اور اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ

دانت کے بدلے دانت، اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے

جلانا، زخم کے بدلے زخم، اور چوٹ کے بدلے چوٹ، (خروج ۲۳ تا ۲۵)

عبارت مذکورہ میں جن فرقوں پر خط کھینچا ہوا ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہیں اور غالباً تورات

ان فرقوں کا اضافہ کیا ہے،

توراہ میں دوسری جگہ ہے،

” اور وہ جو انسان کو مار ڈالے سوار ڈالا جائیگا، اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے

سو جیسا کہ بیگا ویسا ہی پائیگا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت،

جیسا کہ کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے، (عبارت ۲۰، ۲۱، ۲۲)

۲۔ قرآن مجید میں ہے،

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ . (انعام)

اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے تھے ہر ناخن والا

جانور حرام کیا ہے،

تورات میں ہے،

” مگر ان میں سے جو جگائی کرتے ہیں یا کھراٹے کئے چرے ہوئے ہیں ان کو نہ کھاؤ، جیسے

اونٹ وہ جگالی تو کرتا ہے پر کھرا سکا چرا ہوا نہیں ہوتا، اسودہ تمہارے لئے ناپاک ہے،

(اجاربت - ۶۴)

”اور سب پرندے جو چار پاؤں پر چلتے ہیں وہ تمہارے لئے مکروہ ہیں، (اجاربت - ۲۰۰)

چونکہ ظفر کے معنی ناخن کے ہیں اور اسکا اطلاق عربی میں انسان پر ہوتا ہے، ہاتھی، اونٹ، اور بہائم کے ناخنوں اور پنجوں پر بھی ہوتا ہے، اسلئے قرآن مجید اور تورات میں کوئی تحالف نہیں،
سان العرب میں ہے،

وقوله تعالى وعلى الذين هادوا حرامنا
كل ذي ظفر دخل في ذى الظفر ذوات المنانم
من الابل والانعام لانها لا اظفار لها
خدا کے قول وعلى الذين هادوا حرامنا میں جو ذی ظفر کا لفظ
آیا ہے اس میں اونٹ اور بہائم بھی داخل ہیں، کیونکہ
انکے کھر گویا ناخن ہوتے ہیں،

۳۔ قرآن مجید میں ہے،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ..... (بقرہ)

تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح کہ تم سے
پہلوں پر فرض کئے گئے تھے،

تورات میں ہے،

”اور یہ تمہارے لئے قانون دیا ہوگا کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تا سچ نم میں سے ہر ایک

خواہ وہ تمہارے دین کا ہو خواہ پر دینی جسکی بودا باش تم میں ہے اپنی جان کو دکھ دے اور

کسی طرح کا کام نہ کرے“ (اجاربت - ۶۴)

”اور اس ساتویں مہینہ کی دسویں تا سچ مقدس جماعت ہوگی، اور تم اپنی جانوں کو

”دکھ دو اور کچھ کام نہ کرنا“ (گنتی ۲۹ - ۷۶)

”اور ساتویں مہینہ کی پندرہویں تاریخ تمہاری مقدس جماعت ہوگی، اس دن تم کو فیض کا

کا کام نہ کرو، اور سات دن تک خداوند کے لئے عید کرو،“ (گنتی ۲۱ - ۱۱)

ان آیتوں میں جہان جہان ”دلہ“ کا لفظ آیا ہے، اس سے روزہ مراد ہے، کیونکہ قدیم

صحیفوں میں روزہ کے لئے یہی لفظ استعمال کیا جاتا تھا، جدید صحیفوں میں روزہ کا لفظ صاف طور پر

نکود رہے، چنانچہ سموائل (۷ - ۶) میں ہے،

”سو وہ سب صفحہ میں فراہم ہوئے اور پانی بھر کے خداوند کے آگے، نڈیلا اور اُسدن مندر کیا

یرمیاہ (۳۴ - ۶) میں ہے،

”پرتوجا اور خداوند کی وہ باتیں چوتھوں نے میرے کئے سے اس طومار میں لکھی ہیں، خداوند کے

گھر میں روزہ کے دن لوگوں کے سامنے پڑھ سنا۔“

انجیل کی صحیفہ متی (۱۶ - ۱۷) میں ہے،

”پھر جب تم روزہ رکھو، ریاکاروں کے مانند اپنا چہرہ اُداس نہ بناؤ،“

”جب تو روزہ رکھے اپنے سر پر چکناک اور منہ ڈھو“ (متی ۲۳ - ۱۷)

”اور یوحنا اور فریسیوں کے شاگرد روزہ رکھتے تھے، انھوں نے اس سے کہا کہ یوحنا اور

فریسیوں کے شاگرد کیوں روزہ رکھتے ہیں، اور تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے، ایسے نے

ابنہیں کہا کہ کیا براتی جب تک کہ دولہا ان کے ساتھ ہے روزہ رکھ سکتے ہیں، وہ جب تک کہ

دولہا ان کے ساتھ ہے روزہ نہیں رکھ سکتے، لیکن وہ دن آئیں گے جب دولہا ان سے جدا

کیا جائیگا، تب ابنہیں دنوں میں وہ روزہ رکھیں گے۔“ (مرقس ۲ - ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱)

ب - ۳۴۳۳۴۳

”دو گس طرح کے دیوبند اور روزہ کے نہیں نکالے جاتے،“ (متی ۲۳ - ۲۱)

۴۔ قرآن مجید میں ہے،

الَّذِينَ يَخِشُونَ وَهَ مَكْتُوبًا عِنْدَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَالْأَنْجِيلِ (آل عمران)

(وہ پیغمبر) جسکو یہ لوگ اپنے ہاں تورہ و انجیل میں
لکھا ہوا پاتے ہیں،

تورات میں ہے،

”اور اس لئے کہ اُن کو خداوند سینا سے آیا، اور شہر سے اُن پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے
وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قد ہیوں کے ساتھ آیا اور اُسکے دہنے ہاتھ میں ایک آتشیں نیریت
انکے لئے تھی“ (استنباب ۳۳-۲۶)

”خدا یتیمان سے اور وہ جو قد و سب سے کم فاران سے آیا، اُنکی شکوت سے آسمان چھپ گیا
اور اُنکی حمد سے زمین مہر ہوئی“ (جبقوق بے - ۳۶)

”بہرا دوست نورانی گنم گون ہزار دن میں سردار ہے..... اور وہ بالکل محمد یعنی تعریف

کیا گیا ہے“ (غزل الغزلات بے - ۱۰۶ النہایت ۱۴)

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف کلمی ہوئی مدح بلکہ نام تک نکلتا ہوتا لیکن انوس کی
بعد میں بائبل کے جو ترجمے ہوئے ان میں ان الفاظ کو علم باقی رکھنے کے بجائے انکا ترجمہ کر دیا گیا

”سب قوموں کو بلا دنگا اور حدرب قوموں کا آئیگا“ (دجی بے - ۷۶)

میں انکے لئے انکے ہائیوں میں سے تمہا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اُسکے منہ میں

ڈالونگا، اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب اُن سے کہیگا، اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو

جھپن وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنے گا، تو میں اسکا حساب اس سے لوں گا، لیکن وہ نبی جیسی

گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور

میرا نام اس کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے“ (استنباب ۷۶-۱۰۵)

اس پیشینگوئی میں جن فرقوں پر خط کھینچا ہوا ہے وہ بعینہ کلام مجید میں موجود ہیں مثلاً:

اَنَا اَرْسَلْنَا الْيَكْمَ رَسُولًا شَاهِدًا ۱ ہمارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی

علیکم کما اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۲ دینا لاہی جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف بھیجا تھا،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحٰی ۳ اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا، وہ جو بولتا ہے

لَوْ قَوْلٍ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِلِ لَا خِذْنَا ۴ صرف وحی ہوتی ہے،

مَنْهٖ بِالْمِیْنِ ثُمَّ لَقَعْنَا مِنْهُ الْوَقِیْنَ ۵ اور اگر وہ اپنے نبی سے بعض باتیں بنائے تو ہم اسکا ہاتھ

کپڑے کے اسکی شہ رگ کاٹ دیں،

انجیل میں ہے،

”یہ امور میں نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہوں، لیکن پیپر پکلیطاس پاک روح

جسکو باپ بھیجے گا، میرے نام سے ہر بات تلو سکھا دیگا، اور یاد دلا دیگا تمکو تمام وہ باتیں جو کہ

میں نے تم سے کہی ہیں“ (یوحنا باب ۱۴-۲۵۲-۲۶)

”تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں یہ پہلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ

اگر میں نہ جاؤں تو پیپر پکلیطاس تمہارے پاس نہ آدیگا“ (یوحنا باب ۱۴-۶)

انجیل کے نئے ترجموں میں پیپر پکلیطاس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے، اور یہ بالکل

صحیح ہے، لیکن بحث اس میں ہے کہ خود حضرت عیسیٰ نے یہ لفظ بولا تھا یا نہیں، لیکن چونکہ یہ یونانی

لفظ ہے اور حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی تھی، اس لئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ انھوں نے یہ لفظ

استعمال کیا ہو، اسی بنا پر قدیم ترجموں میں یہ لفظ پیپر پکلیطاس ہے جو ٹیک عبرانی لفظ

فارقیط کا ترجمہ ہے، فارقیط کے صحیح معنی عربی میں ”احد“ کے ہیں، جسکا تذکرہ قرآن مجید نے

اس آیت میں کیا ہے،

واذ قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی
رسول اللہ الیکم مصداقاً لما بین یدی
من التورۃ وانبئہم برسول یمتہد
اسمہ احمد (صفت)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری
طرف خدا کا رسول ہوں، تصدیق کرتا ہوں تورات کی
جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک
رسول کی جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے،

آنحضرت صلی علیہ وسلم کے متعلق بائبل میں اور بھی بہت سی پیشینگوئیاں ہیں جنہیں سے بعض خود
صحابہ نے نکالی تھیں، بعض ابن تیمیہ نے، ابوالفتح مکی نے، باجی زادہ نے، الفاروق
بین الخلق الخالق میں، مولانا محمد حسن صاحب امر وہی نے تفسیر معالمانہ الاسرار میں، سر سید
احمد خان نے خطبات احمدیہ میں، اور مولانا غنائت رسول صاحب چربا کوٹلی نے البشری میں
انکو مستقل طور پر جمع کر دیا ہے، لیکن چونکہ ان میں صحیح طور پر پکا ذکر نہیں ہے، اس بنا پر ہم
انکو نقل کرنا نہیں چاہتے،

قرآن مجید میں ہے،

وَمَثَلُهُمْ فِي الْآيَاتِ كَذُرٍّ أَخْرَجَ شَطْرًا فَآذَنَهُ
فَاسْتَعْلَطَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوْقِهِ يُعْجَبُ
الزَّرَّاعُ ﴿۱۳﴾ (فتح)

اور انکی مثل انجیل میں مثل اس کہبتی کے ہے جس نے
اپنا ڈھلنگا لا پھر اسکو مضبوط کیا، پھر وہ ہوتا ہوا
پھر اپنے پیروں پر کھڑا ہوا کہ نوح کو تعجب کرنے لگا،

انجیل میں ہے،

”آسمان کی بادشاہت خدوں کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لیکے اپنے
کہبت میں بویا وہ سب بیجوں میں چومائے، پر جب اگتا تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا،
اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیاں آکے اسکی ڈالیوں پر بیٹھ کر تین“ (متی ۱۳ - ۳۱)

”خدا کی پادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوسے، اور رات دن وہ

سوسے اٹھے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانتے“ (مرقس ۴-۲۶)

”اور کچھ اچھی زمین میں گرا وہ اُگا اور بڑھ کے پہلا، بعض ۳۰ گنا، بعض ۶۰، اور بعض ۱۰۰ گنا،“

(مرقس ۴-۳۰)

۴۔ قرآن مجید میں ہے،

کل الطعام کان حلالاً لبني اسرائيل
ثم ما حرم اسرائيل على نفسه من قبل

ان تنزل التوراة..... (آل عمران)

”پر جو حرام کر لیا تھا،“

تورات میں ہے،

”تم بنو اسرائیل سے کہو سب چار پائیوں میں سے جو زمین پر ہیں، اور زمین اُٹکا کر،“

روا ہے یہ ہیں“ (بخاری ۱۱-۲)

اسکے بعد ان جانوروں اور اُن جانوروں کی جو حرام کئے گئے ہیں تفصیل ہے، اس سے

مناہت ہوتا ہے کہ تورات نازل ہونے سے پہلے وہ جانور حلال تھے، ورنہ اب انکے حرام ہونے کے

کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ حضرت اسرائیلؑ (حضرت یعقوبؑ) نے اپنے دو بیٹوں چیر کو حرام کیا تھا،

وہ بالکل مشتبہ ہے، اور ہم نے انکے حالات غور سے پڑھنے کے بعد بھی سخت ناکامی اٹھائی ہے،

تاہم ایک آیت میں یہ اشارہ موجود ہے جو ہماری مشک ثنوی کے لئے کافی ہے،

”اس سب سے بنی اسرائیل اس کو جو ان میں بھیتر دار ہے نہیں کھاتے، ایک نکلوس

(غدا) نے یعقوب کی ران کو جس کو بھیتر دار سے چڑھائی تھی چھو اٹھا“ (پیدائش ۳۱-۳۲)

۵۔ قرآن مجید میں ہے،

ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر ان الارض يرثها عبادي الصالحون (انبیاء)
اور البتہ ہے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے،

زبور میں ہے،

”وہ کوئی انسان ہے جو خداوند سے ڈرتا ہے وہ اسکو وہی راہ چلے دیتا ہے بتایگا، اسکا

جی چین سے رہے گا اور اسکی نسل زمین کی وارث ہوگی“ (۲۵ زبور ۱۲)

چونکہ قرآن مجید نے ہلکوتا بتایا ہے کہ زبور میں وہ عبارت ”ذکر“ کے بعد ہے، اسلئے ہلکوتا ذکر کا بیان تلاش کرنا چاہیے، لیکن سب سے پہلے خود ذکر کے معنی سمجھ لینا نہایت ضروری ہیں، مفسرین نے ذکر کے معنی میں سخت اختلاف کیا ہے، سید بن جبیر وغیرہ کے نزدیک لوح محفوظ، اور قنادہ اور شعبی کے نزدیک تورات مراد ہے، بعضوں نے کچھ اور سمجھا ہے، اور امام رازی نے لکھا ہے کہ ذکر کے معنی علم ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ الفین سے کوئی تاویل مناسب نہیں،

ہمارے نزدیک ذکر سے مراد ”وعظ و پند“ ہے، اور قرآن مجید عموماً اس لفظ سے یہی مراد لیتا ہے، اب یہ معنی ہوئے کہ ”ہم نے پند و وعظت کے بعد یہ لکھا ہے“ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ صحیح دوسری تفسیر نہیں ہو سکتی، چنانچہ یہ زبور سرتاپا پند و وعظت ہے، جسکا پہلا فقرہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

”بدکاروں کے سبب تو مت کڑھ، برے کام کرنے والوں سے تو حد نہ کر“

بہر حال زبور کی وہ آیتیں جو ذکر کے بعد ہیں، یہ ہیں،

”لیکن وہ جو خداوند کے منظر ہیں، زمین کو میراث میں دیں گے“ (۳۶ زبور ۹) ”لیکن وہ جو عظیم ہیں

زمین کے وارث ہوں گے“ (۱۱) کہ جن پر اسکی برکت ہے، زمین کے وارث ہوں گے“ (۲۲)

”صادق زمین کے وارث ہوں گے اور بدکار اسپر زمین گے“ (۲۹)

نمبر ۳ جلد ۳

فلسفہ لیبان

(۴)

از مولانا عبدالسلام ندوی

پیروان مذہب | مذہب نے ہمیشہ اپنے ابتدائی زمانہ میں اس حقیر گروہ کے ذریعہ سے فشو و سنا حاصل کی ہے جسکی نسبت ایک طرف تو دنیوی جاہ و غرور طائر آئینہ لہجہ میں کہتا تھا،
انومن لك واتبعت الامرا ذلون، کفار نے (نوح سے) کہا، کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں
حالانکہ رذیلوں نے ہماری پیروی کی ہے،

دوسری طرف الہامی زبان بشارت دیتی تھی،

والسابقون السابقون اولئک المقربون، جو لوگ پہلے ایمان لائے وہ مقدم اور مقرب بارگاہ الہی ہیں
اگر مذہبی حیثیت سے قطع نظر کر لیجائے تو دونوں آئین سادہ بانہ حیثیت رکھتی ہیں، اگر
مذہبی گروہ کے نزدیک زخارف دنیوی ایک ”دھوکا دینے والے سراب ہیں“ تو جو لوگ دیت
و ثروت کے نشہ میں چور ہیں، انکے نزدیک جنت کا خیال ایک ”امید مبہوم“ اور ایک دلخوش کن
خواب ہے، خود مذہب ان میں کبیکو ترجیح بہنیں دے سکتا کہ وہی مورد بحث و نظر ہے، البتہ دنیا کی
تمدنی تاج اس نزاع کا فیصلہ کر سکتی ہے، لیبان نے اس ”حقیر گروہ“ پر اسی حیثیت سے نظر
ڈالی ہے اور اسکو دنیا و آخرت دونوں کا بادشاہ تسلیم کیا ہے، محض وہی بادشاہت کا تاج تو
انجیل مقدس نے پہلے ہی اس گروہ کے سر پر رکھ دیا تھا، لیکن لیبان اس تاج میں ایک اور
مولیٰ کا اضافہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ،

”ضعیف العقل لوگوں کے لئے صرف آسانی ہی بادشاہت کا دروازہ کھلا ہوا نہیں ہو جیسا کہ انجیل نے بار بار بشارت دی ہے، بلکہ اگر وہ لوگ زلزلہ انگیز یقین رکھتے ہیں تو دنیوی سلطنت کا تاج بھی انکے سر پر نظر آسکتا ہے“

لیبان نے جن فلسفیانہ دلائل اور تاریخی شواہد کی بنا پر یہ دعویٰ کیا ہے، اسکی تفصیل یہ ہے کہ مذہب ایک عظیم الشان تمدنی اصول ہے، چنانچہ،

”قرون وسطیٰ کی زندگی صرف دو اصول پر قائم تھی، یعنی مذہب اور امر کی سیادت“

اس لئے، اُس کو تمدنی زندگی کے تمام مراحل طے کرنے پڑے ہیں، اور آخر میں وہ اس نقطہ تک پہنچ گیا ہے جسکے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں، ان اصول کی

”ترتیب اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے ان بلند خیال لوگوں کے دماغ سے جنہوں نے اسکو پیدا کیا ہے، اتر کر اسکے پیچھے کے طبقہ میں نمایاں ہوتے ہیں، پھر غالب بدلتا ہوا اُس سے کم درجہ کے لوگوں کو اتر کرتے ہیں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تمام قوم پر چھا جاتے ہیں، اب انکی کامیابی کا دور ختم ہو جاتا ہے، اور اس حالت میں اسکو نہایت مختصر الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات حرف ایک لفظ میں اسکی تشبیح کیجا سکتی ہے لیکن یہ لفظ اسقدر موثر ہوتا ہے کہ دفعۃً دونوں کو ہلا دیتا ہے، قرون وسطیٰ میں اس قسم کے الفاظ کی مثال کے لئے ”جنت“ اور ”دنخ“ سے بہتر لفظ نہیں مل سکتا،

ترتیب مدارج کے لحاظ سے اگرچہ یہ ایک تنزل ہے، لیکن تمدنی حیثیت سے درحقیقت یہ ایک عظیم الشان ترقی ہے، کیونکہ یہ اصول،

”جب ان سادہ لوح لوگوں کے قلوب میں مرکز ہو جاتے ہیں جو بغیر بحث و مباحثہ کے انکو قبول کر لیتے ہیں تو پہاڑ کی طرح اٹل ہو جاتے ہیں، اور سیلاب کی طرح بھوٹ بیٹھتے ہیں“

چنانچہ ہر قوم میں اس قسم کے لاکھون آدمی مل سکتے ہیں، جنہوں نے اپنے اصول راسخ کیئے
اپنی جانیں بیدار رہ کر زبان کی ہیں، یہی وہ عالم ہے جہیں وہ عظیم الشان واقعات ظہور پذیر
ہوتے ہیں جو تاریخ میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہیں، لیکن اس انقلاب کی سرخیل صرف
عوام ہی کی جماعت ہوتی ہے، دنیا میں آج تک انشا پر داز، صناعت، اور فلاسفہ کا گروہ
نہ کسی عالمگیر مذہب کا علمبردار ہوا نہ ان سلطنتوں کی بنیاد ملی جو کہ ارضی کے اس سر سے
اُس سر سے تک پھیل گئیں، نہ اس نے وہ مذہبی اور سیاسی شورشیں برپا کیں، جنہوں نے
یورپ کی کابایٹ دی بلکہ ان انقلابات کے بانی صرف وہ ان پڑھ لوگ ہوئے جنہوں نے
اصول کے، ایمان و اعتقاد اور انکی حمایت کے مقابل میں اپنی جانوں کو ایک متاع حیرت
خیال کیا، اسی گروہ کے بل پر باد یہ نشینان عرب نے یونان اور روم کے پرچم اڑا دیئے
اور دنیا میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جو تاریخ میں یادگار رہے۔“

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ہر موقع پر نہ خائف و نہ ہراسی کو ”فتنہ“ کا خطاب دیا ہے،

انما اموالکم واولادکم فتنہ، تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں،

کیونکہ مذہب کا سکہ صرف دلوں کی نگسالی میں ڈھلتا ہے، اور جنگی جیب درم و دینار سے پُر
ہوتی ہے، انکا پہلو دل سے خالی ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت پناہؐ نے جب
اس حقیر گروہ کے ایک فرد سے بے اعتنائی فرمائی تو خدا کی چشم عتاب کی گردش نے اشار دین کہا

عَمَسَ وَتَوَلَّى اَنْ جَاءَ لَا الْاَعْمٰی وَمَا
یَکْدِرُ یَکْدُ لَعَلَّہُ یَنْزَعُ، اس نے منہ بنا دیا اور پیٹھ پھیر لی اس بنا پر کہ اس کے پاس ایک
اندھا آیا، تنگ کیا مسلمان ہر شاہدہ پاکیزہ باطن ہو جائے،

کیونکہ یہ بے اعتنائی اس ”سلسلہ زرین“ کی ایک کڑی کو نظر انداز کر دیتی ہے جو مذہب کی ریزہ
کی ہڈی ہے،

تمدن جدید اور مذہب | لیڈان کا خیال ہے کہ

”کسی عقیدہ کی قوت و نفوذ کو صرف وہی عقیدہ ضعیف کر سکتا ہے جو قوت اور نفوذ میں
اسکے برابر ہوگا“

اس بنا پر اسکے نزدیک

”ایمان کا دشمن صرف ایمان ہی ہو سکتا ہے“

اس قدر مسلم ہے کہ اس زمانہ میں بہت دشمنان ایمان پیدا ہو گئے ہیں اور مذہب کی طاقت
بالکل زائل ہو گئی ہے، خود لیڈان کو یہ روزنامہ ہے کہ

”اب خدا، نظام حکومت، اور مذاہب سب کے سب گوشہ نشین ہو گئے ہیں، اس زمانہ کے

تمدن نے تقریباً ان تمام اصول کو فنا کر دیا ہے جن سے عادت اور عقیدہ کو مدد ملتی تھی،

اسلئے انکا اثر زائل ہو گیا ہے“

کوئی تمدن بغیر اصول کے قائم نہیں رہ سکتا، اسلئے سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں کونسا

اصول ہے جو مذہب کا قائم مقام ہو سکتا ہے، لیڈان کے نزدیک،

”قیم اصول جو تمدن کا ماخذ تھے اپنے نفوذ و قوت کو کھو چکے ہیں اور جدید اصول کے اب تک

ثبات و استحکام حاصل نہیں ہوا ہے“

اسلئے موجودہ دنیا جن ستونوں پر قائم ہے وہ خود متزلزل ہیں اور اسلئے،

”جب تک ان اصول کی جگہ جدید اصول نہ قائم ہو جائیں، ان خیالات میں طوائف الملوکی

قائم رہیگی“

موجودہ تمدنی اصول میں صرف ایک اصول سب سے زیادہ متحکم اور راسخ ہو گیا ہے، یہاں تک کہ

وہ اپنی کامیابی کے اس دور کو پہنچ گیا ہے، جس میں اصول کی تشریح صرف ایک لفظ میں کیجا سکتی ہے،

”تزون وسطیٰ میں اس قسم کے افغانا کی مثال کے لئے ”جنت اور دوزخ“ سے بہتر لفظ نہیں مل سکتا، اور مزدوری پیشہ جماعت کے لئے اس زمانہ میں ”شتر اکیٹ“ کا لفظ بھی اسی قسم کا عجیب و غریب اثر رکھتا ہے،“

موجودہ تمدن نے جو مختلف فرقے پیدا کر دیئے ہیں، ان میں قوت ایمان کے لحاظ سے صرف سوشیا لسٹ ہی لوگ قدیم مذہبی گروہ کے حریف مقابل ہو سکتے ہیں، اس لئے اس اصول کی بنا پر کہ

”فتح پیشہ ایمانداروں ہی کو ہوتی ہے“

اگر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ

”مستقبل صرف اُنکے ہاتھ میں رہیگا تو اسکی صرف یہ وجہ ہے کہ اس زمانہ میں سوشیا لسٹ

فرقہ کے سوا کسی گروہ کا عقیدہ پختہ اور صحیح نہیں ہے،

اس گروہ کی راہ میں صرف مابراں سیاست کا گروہ حائل ہے، لیکن،

”وہ اپنی قوت یقین کو اس بیدردی کے ساتھ ضائع کر چکا ہے کہ ان برابرہ کے

سیلاب کو بھی بہن روک سکتا جو ہر طرف سے اُمتدائد کے اُسکا محاصرہ کر لینا چاہتا ہے“

اسلئے اس گروہ کی شکست، اور سوشیا لسٹ فرقہ کی فتح یقینی ہے، لیکن کیا ایسا راسخ عقیدہ، ایسا

مستحکم مذہب، ایسا قوی گروہ دنیا کے لئے اُغنی برکات کا خزانہ کھول سکتا ہے، جسکو مذہب نے

تزون وسطیٰ میں وقف عام کر دیا تھا؟ ایسا ان کے نزدیک مذہب ایک مرفع امید ہے کیونکہ،

”مذہب خوف سے نہیں بلکہ اُمید سے پیدا ہوتا ہے“

اور اشتراکیت اور فوضویت ہمہ تن لباس و حرمان میں اسلئے

جن لوگوں نے ایمان کی قوت کو کو دیا ہے اور لباس و حرمان نے اُنکے قلب کا

”احاطہ کر لیا ہے وہ انہیں دونوں الفاظ کا فہم بند کرتے رہے ہیں“

پھر ایسی حالت میں کیا

”ایک یورپین جو ایک دائمی اضطراب میں مبتلا رہتا ہے اور جس کے اعصاب دماغی متوازن ہو گئے ہیں، جو اپنی تقدیر پر قانع نہیں ہے، اس مشرقی آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جو راضی برضا سے لگی ہے؟“

مذہب نے ہمیشہ دنیا کی ہر طاقت کو زندہ رکھا تھا، لیکن اشتراکیت موجودہ دور کی سب سے بڑی طاقت کو فنا کرنا چاہتی ہے، اس زمانہ کی تمدن قوموں نے ”براعظم یورپ میں سلاویوں کی ایک ظلمت لکھڑی کر دی ہے“ اور یہی انکی سب سے بڑی طاقت ہے لیکن لیڈان پوچھتا ہے

”کہ اسکا نتیجہ افلاس کے سوا اور کیا ہو گا؟ اور اگر بالفرض اس فوج گران نے اپنی دولت، اتحاد، اور قوت کا کچھ حصہ محفوظ بھی رکھا تو اشتراکیت جو شخصی حکومتوں کو مٹا کر انکی جگہ ایک عام قومی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے اسکو ایک نہ ایک دن ضرور فنا کر دیگی“ اور اسکا آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ

اقتصادی لڑائیوں کے بعد اشتراکیت وحشی قوموں کے لئے راستہ صاف کر دیگی اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر یورپین قوموں پر گرے گی اور انکے تمدن کو ٹکڑی جائیگی

پس موجودہ زمانہ میں کوئی تمدنی اصول صحیح طور پر مذہب کا قائم مقام نہیں ہے اور اگر دینا نے اس اصول کو ہمیشہ بادر کہا ہے تو اب اسکو اور بھی زیادہ بادر کہنا چاہیے کہ ”مرنے والے سمجھوں سے زیادہ کوئی چیز زیادہ بادر کرنے والی نہیں ہے“

موجودہ دور میں مذہبی جذبات بالکل پر غمرہ ہو گئے ہیں، اور اب تک جدید اصول کا خمیر پختہ

نہیں ہوا ہے اسلئے تمدنی ترقی کا سنگ بنیاد بالکل متزلزل ہے، اور خیالات میں ایک عام طوائف الملوک کی پائی جاتی ہے،

البتہ اس طوائف الملوک کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ بحث و مناظرہ کی عقل ہوسکتی ہو
اس بنا پر ہر دانش پر واز، ہر فلسفی، اور ہر غور و فکر کرنے والے دماغ کو شکرگذاری کے ساتھ
اس دور سے مرمت کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہیئے، اس دور کو اگرچہ انحطاط و تنزل کا دور
خیال کیا جاتا ہے تاہم اس میں عقل کو کامل آزادی سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے،
اسلئے ہر شخص کو اس آزادی سے جلد فائدہ اٹھا لینا چاہیئے، کیونکہ،

”یورپین قومیں ایسے دور کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں جو بحث و مباحثہ اور حریت آزادی
تعلیم نہیں ہو سکتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی جدید مذہب اس وقت تک استحکام حاصل نہیں کر سکتا
جب تک اس میں نقد و بحث کا سد باب ہو جائے، اور قدیم مذاہب کی طرح وہ معارضہ کا
تعلیم ہو سکے“

لیکن درحقیقت یہ بحث،

”منایت خطرناک ہے کیونکہ قومی زندگی پر بہت زیادہ اساسی اصول کی تغیر و تبدل کا
اثر پڑتا ہے، شورش اور جنگ بہت زیادہ موثر چیز نہیں، انکی بیداری ہوئی خرابیوں کی
صہلاح ہو سکتی ہے، لیکن ان اصول کے بدلنے سے تمام تمدنی شاخوں میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے
اسلئے جس شورش سے تمام قوموں کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائیگی، وہ صرف وہ شورش ہو
جو خیالات و افکار میں پیدا ہوگی۔“

اسوقت دنیا اسی قسم کی تجربہ گاہ بنی ہوئی ہے، اسلئے ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
موجودہ تمدن نے مذہب سے آزاد ہو کر دنیا کو ایک عظیم الشان خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے،

بَابُ التَّوْبِيكِ لِتَعْلِيمِ

تاتاری مسلمان

اور تعلیم عربی

از مولانا عبد السلام ندوی

۴۲ جکل ہندوستان میں اصلاح نصاب و اصلاح مدارس عربیہ کی تحریک جاری ہے صرف علمائے ندوہ ہی اس بدعت کے موید نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے علمائے بھی عملاً اس تحریک کی تائید کی ہے، اور جن اسباب نے علمائے ندوہ کو اس پر آمادہ کیا ہے انہیں نے دوسرے ممالک کے علماء کو بھی اس طرف توجہ دلائی ہے،

اس وقت ہمارے سامنے تاتاری مسلمان ہیں جو ہندوستان کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ جامد، متعصب، اور تقلید پرست ہیں، لیکن زمانہ نے انکو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیا ہے، جس میں ہم ڈھلنا چاہتے ہیں،

تاتاری مسلمانوں میں تعلیم عربی کا نظام نہایت فیاضی اور نہایت وسعت کے ساتھ قائم ہے، اور وہ اس میں حکومت کی سرپرستی و اعانت کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ جب کبھی حکومت نے انکے نظام تعلیم میں مداخلت کرنا چاہا ہے تو انھوں نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا ہے، انھوں نے اپنے بچوں اور اپنے فوجیوں کے لئے جو سکا تب و مدارس قائم کئے ہیں،

کیتھرائن کے زمانہ سے پہلے غالباً ان سکا تب و مدارس کی تعداد کم تھی، لیکن جب اس نے تعمیر مساجد و قیام مدارس کی عام آزادی دی تو اس میں تدریجی ترقی ہوئی، اور رفتہ رفتہ ہر گاؤں،

ہر محلہ اور ہر مسجد کے پبلک مکتب و مدارس قائم ہو گئے، چنانچہ چھوٹے چھوٹے گاؤں جہاں روسی قوانین کے رُوسے مسجد تعمیر نہیں کیجا سکتی تھی، وہاں اگرچہ مکتب قائم نہ ہو سکتے تھے خود وہاں کے امام کے متعلق یہ خدمت کی گئی کہ وہ وہاں کے بچوں کو خود اگلے گھرون پر جا کر تعلیم دے، عیسائی پادریوں نے جب نظام تعلیم میں تغیرات کر کے عیسائیت کو پھیلانا چاہا تو بعض صوبوں کے مکتب کی ایک فہرست مرتب کی جو حسب ذیل ہے،

قازان ۷۳۰ اودا ۱۰۰۰

ان مکتب میں جو طلباء تعلیم پاتے تھے انکی تعداد ۴۰۰۰۰ تھی، اگر ان صوبوں کی مردم شماری کے لحاظ سے ان مکتب کی تقسیم اشخاص پر کیجائے تو صوبہ قازان میں ۷۸۰ آدمیوں کے حصہ میں ایک مکتب پڑتا ہے اور ان میں ۴۴ آدمی تعلیم پاتے ہیں، اسی طرح صوبہ اودا میں ۷۴ آدمیوں کے مقابل میں ایک مکتب پڑتا ہے، اور ۲۰ آدمی تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ مکتب اڑتالیس علماء میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ان میں صرف اخلاقی اور مذہبی تعلیم دی جاتی ہے،

ان مکتب کے علاوہ بڑے بڑے مدارس ہیں جن میں ۱۶ برس کے سن کے لڑکے داخل کئے جاتے ہیں، اور انکو بھی مسلمانوں نے خالص اپنے مصارف سے قائم کیا ہے، سلطنت کی طرف سے جب انتہائی مداخلت ہوئی تو اس ضد سے روسی مسلمانوں میں ساجد کی تعمیر اور مکتب و مدارس کے قیام کا اور بھی شوق پیدا ہوا، اور وہ قسطنطینوپول میں اسکے متعلق باہم ساقبت پیدا ہوئی، اور ان لوگوں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بکثرت مدارس و مکتب قائم کئے اور انکے تمام ضروری مصارف کا بار اپنے سر لیا، پہلے مسلمانوں کی تنخواہیں صدقہ کے مال سے دی جاتی تھیں، اب ان امرائے انکی تنخواہیں خود بنا شروع کیں جو مدارس

شہروں میں قائم تھے، انکا انتظام بھی انہیں امراء کے ہاتھ میں تھا، البتہ گاؤں کے مدارس و کتاب کا انتظام خود طلبہ کرتے تھے، لیکن ان مدارس میں طلباء کے قیام کا کوئی انتظام نہ تھا چھوٹے بچوں میں بعض لڑکے خود مکتب ہی میں قیام کرتے تھے، اور بعض اپنے گھروں پر رہتے تھے، لیکن بڑے طلباء عموماً کتاب و مدارس ہی میں قیام کرتے تھے، سال میں سات مہینے تعلیم دی جاتی تھی جو اکتوبر سے شروع ہو کر اپریل میں ختم ہو جاتی تھی،

ان بچوں کو امام یا مدرس تعلیم دیتا تھا، اور جن مدارس میں اوپر کے درجے کے طلباء ہوتے ان میں چھوٹے بچے ان پر تعلیم کر دیے جاتے تھے اور وہی انکو تعلیم دیتے تھے،

بچوں کا نصاب اور طریقہ تعلیم یہ تھا کہ دو سال تک صرف استدلال تعلیم دی جاتی تھی کہ طلباء میں حروف شناسی اور الفاظ کے صحیح تلفظ کی قابلیت پیدا ہو جائے، اسکے بعد قرآن مجید اور قرآن مجید کے بعد بعض ترکی رسالے پڑھائے جاتے تھے جو خرافات کا مجموعہ ہوتے تھے۔ پھر اسکے بعد بعض فارسی اور عربی رسالے مثلاً شروط الصلۃ، چل حدیث، باب ایک حکایت تعلیم الصلۃ اور تحفۃ الملوک کی تعلیم دی جاتی تھی، اسکے بعد صرف و نحو شروع کر لی جاتی تھی اور اس میں دو کتابیں مبی بدایہ، اور شرح عبد اللہ فارسی پڑھائی جاتی تھی اور اس میں تقریباً دو برس کی مدت صرف ہوتی تھی،

اسکے بعد نحو میں عدل جرجانی، المنوذج زرخشری، کافیه، شرح جامی مع حاشیہ، عبدالغفور و عصام و لیب پڑھائی جاتی تھی، اور اوپر نحو کی تعلیم کا خاتمہ ہو جاتا تھا، اب منطق کی باریقی غر اور اس فن میں شرح ایساغوجی مع حواشی ملا نقان، ملا صادق، محی الدین بردعی اور حاشیہ سیالکوٹی، قطبی مع حاشیہ میر سیالکوٹی اور معنی زاوہ پڑھائی جاتی تھیں، اسکے بعد علم کلام شروع کرایا جاتا تھا، اور اس میں شرح عقاید نسفی، مع حاشیہ خیالی، سیالکوٹی، اور ملا احمد غفرہ کی تعلیم دی جاتی تھی،

اُسکے بعد پھر منطق کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، اور اسمین سلم، قاضی مبارک، حمد اللہ، ملا حسن، ملا جلال، میرزا ہدیہ پڑھائی جاتی تھیں،

فلسفہ میں صرف الہیات شرح حکمۃ العین، اور اصول فقہ میں توضیح و تلخیص، اور علم کلام میں شرح سواف کی تعلیم دی جاتی تھی، بعض مدارس میں عقاید نسفی کے بعد شریعت الاسلام، طریقہ محمدیہ، اور عین العلم کی تعلیم بھی ہوتی تھی اور انکو فن حدیث کی کتاب خیال کیا جاتا تھا، بعض مدارس میں مختصر الوقاہ اور ہدایہ بھی داخل درس نہیں، تفسیر و حدیث کی کوئی کتاب داخل درس نہ تھی، بعض اساتذہ مشکوٰۃ اور بیضاوی البتہ پڑھاتے تھے،

یہ نصاب تعلیم بالکل مدارس بخارا کے طرز پر قائم کیا گیا تھا، اور اس نصاب کے ختم کر لینے کے بعد ہر شخص عالم جید کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا، اور سب سے بڑا عالم وہی خیال کیا جاتا تھا جو ان کتابوں کو پڑھ کر دوسرے کو پڑھا دے،

ان فارغ التحصیل طلباء کے نزدیک بخارا ہی سب سے بڑا عالم کا مرکز تھا، اسلئے تعلیم سے فارغ ہو کر کم از کم ہر مستعد طالب علم سمرقند اور بخارا کا سفر لازمی طور پر کرتا تھا، اور وہاں کم از کم دو تین برس قیام کرتا تھا، بخارا کا یہ علمی سفر اگرچہ نتائج کے لحاظ سے کچھ مفید نہ تھا، تاہم جس شوق سے طلباء اس سفر کا احرام باندھتے تھے، اس سے علمائے سلف کے قدیم علمی شوق کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، بہت سے طلباء سر پر اپنی کتابیں، اور پیٹھ پر اپنا اسباب لاؤ کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ بخارا کو روانہ ہو جاتے تھے، بخارا میں چونکہ مکانات کرایہ پر ملتے تھے، اور ان طلباء کا افلاس اسکو برداشت نہیں کر سکتا تھا، اسلئے بہت سے طلباء نفع آباد بن جہان طلباءے قازان کو مکانات مفت ملنے لگے، اور جو بخارا سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے قیام کرتے تھے، اور وہاں سے بخارا میں آکر درس حاصل کرتے تھے، اس طرح انکو

آئے جانے میں روزانہ دو تین میل پاپیادہ چلنا پڑتا تھا، جو طلباء ان تکالیف کی وجہ سے مبتلائے مرض ہو کر انتقال کر جاتے تھے، وہ اس خیال سے کہ انھوں نے شوقِ علم میں جان دی ہے اپنے آپ کو شہید خیال کرتے تھے،

حکومت نے بعض پولیٹیکل مصالح سے طلباء کو بخارا کے سفر سے روکنا چاہا، لیکن یہ روک ٹوک بھی ان کے علمی شوق میں خلل انداز نہ ہوئی، اور اب انھوں نے تجارت کے بہانے سے بخارا کا سفر شروع کیا،

جو طلباء بخارا میں اپنی تعلیم کی تکمیل کر چکے تھے، ان میں بعض کو امرائے بخارا وظیفہ دیکر خود درس و تدریس کے لئے روک لیتے تھے، اور بعض اپنے وطن میں اگر اپنی قوم کے طلباء کو تعلیم دیتے تھے، لیکن جب بخارا و سمرقند روس کے زیرِ اقتدار آ گئے تو روسی مسلمانوں کے دل سے ان کی علمی وقعت جاتی رہی، اور انھوں نے دوسرے ممالک کا رخ کیا، خوش قسمتی سے ریل اور جہاز نے راستہ کی مشکلات کو کم کر دیا تھا، اسلئے قسطنطنیہ، مصر، اور حرمین کا سفر ان کے لئے آسان ہو گیا، اور وہ ان کے طریقہ تعلیم و نصاب درس کو پڑھ کر اپنی معلوم ہوا کہ بخارا کو جو کچھ علمی فضیلت حاصل ہو وہ زمانہ گذشتہ کے لحاظ سے ہے، موجودہ حالت میں اس کا علمی پایہ کچھ بلند نہیں ہے، اسلئے اکثر طلباء نے بخارا کے سفر کو ترک کر دیا، اور یہ گویا ان کی تمام تر اصلاحات کا سنگ بنیاد تھا،

اب مختلف ممالک کے سفراء مختلف ممالک کے مسلمانوں کے میل جول سے ان کو معلوم ہوا کہ انھوں نے جو طریقہ تعلیم اختیار کیا تھا، اس کے ذریعہ سے نہ سلف کی طرح، حدیث، تفسیر، فقہ، اخلاق، اور معانی و بیان میں مہارت پیدا ہوتی، نہ ترقی یافتہ قوموں کی طرح علوم جدیدہ میں کمال حاصل ہوتا، اسلئے جبکہ تمام قومیں آگے بڑھ رہی ہیں، ہمارے اپنا قدم پیچھے ہٹا رہی ہیں،

اسی زمانہ میں ابتدائی تعلیم کے بعض جدید اصول کو جو قسطنطنیہ میں رائج تھے، اسمیل مرزا توپی نے اپنے ملک میں بھی رائج کیا اور اپنے اخبار ترجمان کے ذریعہ سے انکے فوائد کی اشاعت کی، جنکو وہاں کے برگزیدہ اصحاب نے قبول کر لیا، اور رفتہ رفتہ انکے مطابق بیان بھی تعلیم کا رواج ہو گیا، اسکے بعد ابتدائی تعلیم کے نصاب میں جو لغو و مزخرف رسالے داخل تھے وہ خارج کر دیے گئے اور اسکے بجائے ایسے رسالے داخل کئے گئے جو اعتقادات، عبادات اور معاملات کے مسائل پر مشتمل تھے، اسکے بعد صرف و نحو کی بعض ابتدائی کتابیں تاتاری زبان میں ترجمہ کی گئیں، تعلیم کیلئے تنخواہ دار معلمین مقرر کئے گئے، جنکا کام تعلیم کے سوا اور کچھ نہ تھا، تعلیم کے اوقات مقرر کئے گئے، نصاب سے غیر مفید کتابیں نکال ڈالی گئیں، اور ضروری علوم مثلاً معانی بیان، بدیع عروض، تفسیر، اور حدیث کی کتابیں داخل کی گئیں، بعض جدید علوم مثلاً حساب، جغرافیہ، اور تاریخ کی کتابیں بھی داخل نصاب کی گئیں،

اصلاح نصاب کے علاوہ اور مختلف قسم کی اصلاحات عمل میں آئیں، پہلے مدرسہ میں طلباء کے آنے جانے کا وقت مقرر نہ تھا، اب وقت مقرر کیا گیا، پہلے طلباء اپنا کمانا خود پکاتے تھے، اب کمانا پکانے کے لئے باورچی مقرر کئے گئے، اس طریقہ سے طریقہ تعلیم اور مدارس عربیہ کی حالت میں ایک محسوس اصلاح ہو گئی، اور یہ طریقہ تمام ملک میں اصول جدیدہ کے لقب سے مشہور ہوا، امرا کو اس طریقہ کے فوائد نظر آئے تو انھوں نے نہایت فیاضانہ طریقہ سے اسکی حوصلہ افزائی کی، اور خود اپنے مصارف سے متعدد مکاتب و مدارس قائم کئے، جن میں اسی اصول کے موافق تعلیم دی جانے لگی، لیکن موافقین کے ساتھ ساتھ علماء میں ایک گروہ مخالفین کا بھی پیدا ہوا، جنہیں دو قسم کے لوگ تھے، ایک تو محض رشک و حسد سے اس طریقہ کو بدعت، کفر، اور اصول سلف کے مخالف سمجھتے تھے، اور دوسرے لوگ حقیقتہً اپنی جہالت و نادانیت سے

اُسکو برا سمجھتے تھے، اور اس پر سخت لعن و لعن کرتے تھے، ان لوگوں کو مخالفت کا ایک اور موقع یہ ہاتھ آیا کہ فرقہ یزیدیہ کے چند متبعین نے اپنے آپ کو اصول جدیدہ کا پیرو مشہور کر کے بعض ایسی باتوں کی اشاعت کی جو شریعت کے مخالف تھیں، مثلاً یہ کہ اصول جدیدہ ہکو و اڑھی منڈانے مونچھ بڑھانے، راگ باجاسنے، عورتوں کو بے پردہ کرنے، تصویر بنگانے، اور کفار کی وضع اختیار کرینکی اجازت دیتا ہے،

اخبار شرق الروس انہیں لغویات کی اشاعت کے لئے نکالا گیا، اور اس نے ان لوگوں کے مضامین کو نمک مرچ لگا کر نہایت خوشی سے شائع کرنا شروع کیا، مخالفین کے ہاتھ یہ حربہ لگا تو انھوں نے ہر موقع پر اس سے کام لیا، اور عوام میں اس طریقہ تعلیم کے متعلق سخت برہمی پیدا دی، اس کے مقابلہ میں موافقین نے یہ غلطی کی کہ ان لغویات کا جواب شائع کرنا تصنیع و دقت سمجھا، اسلئے جن لوگوں پر ان مضامین کا اثر پڑ چکا تھا وہ اور راسخ ہو گئے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ خاموشی رضا و تسلیم کے مرادف ہے،

جو لوگ مصر، قسطنطنیہ، اور حرمین شریفین کا سفر کر کے آئے اور جن طلباء نے جدید اصول کے موافق تعلیم پائی، ان میں بعض نے حقیقت بہت سی باتوں میں تو لاؤ عملاً شریعت کی مخالفت کی اسلئے اُنکے قول و عمل کے ذریعہ سے مخالفین نے عوام کو اور بھڑکایا، اور ہندوستان میں آج جو حالت قائم ہے، بعینہ وہی تاتاریں بھی قائم ہو گئی،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ یوسف سے ایک واقعہ کی تفسیر

انجناب ڈاکٹر صادق علی صاحب کپورتھلہ

آیت ذیل کے بارہ بین علماء کرام اور افاضل علام سے نبوت ماہہ استفسار کیا جاتا ہے،
 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ یُسُوۡفُۙ فِی الْمَدَیْنَتَیْنِ اِمْرَاۃُ الْعَرَبِیْنَ تَرٰوۡاۡ دُخٰنًا هٰجِئًا عَنْ نَفْسِہٖۤ ط قَدْ شَکَفْنَا جَاۡطِاۡنًا لِّزَہَا
 فِی صَلَٰلٍ مُّبِیۡنٍ ط فَاِذَا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْھِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَھُنَّ مَنَکًا وَاَنْتَ کُلُوۡا وَاٰحِدَہٗ مِنْہُنَّ سَلٰمًا
 وَاَقَالَتْ اُخْرِجْ عَلَیْھِنَّ فَاِذَا سَمِعَتْ اَمْرَہٗ الْکُبْرٰۤیَہُ وَتَقَطَّعَۡنَ اَیْدِیْھُنَّ وَتُؤَلَّفُ لَھُنَّ مَا هٰذَا الْبَشَرُ ط اِنَّ
 هٰذَا اِلَّا مَلٰٓئِکَۃٌ کَرِیْمٰۃٌ

ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ مفسرین رحمہم اللہ نے لکھا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ زوجہ عزیز کا
 ایک غلام پر عاشق ہونے کا اور غلام کے نفرت کرنا چاہنے والے لگا، تو اُس نے چرچا کرنے والی
 عورتوں کی دعوت کی، ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دی، یوسف علیہ السلام کو اُنکے سامنے کیا
 سب نے اُنکے کمال حق کا اعتراف کیا اور ایسی مدہوش ہوئیں کہ اپنے ہات کاٹ ڈالے،

اس تفسیر کی نسبت ایک تو یہی معلوم نہیں کہ سنا گیا ہے، کتابوں میں چند قدامے مفسرین کے
 حوالے بیشک درج ہیں، لیکن قدامہ کا قول بھی جب تک اُسکے ساتھ روایت و روایت کی سند
 ہو بروئے اصول اسلامی مستبرہ نہیں، دوسرے اس تفسیر پر کئی طرح کا اشتباہ ہوتا ہے کیونکہ اگر
 چرچا کر نیوالی عورتوں کا بھی اعتراض ہوتا کہ زوجہ عزیز عبرانی غلام کے ساتھ ناجائز نقش کا جرم
 کیوں کرتی ہے، تو اُن کا یہ اعتراض بجا اور انکا خیال نہایت پاکیزہ ہوتا، مگر قرآن میں اُن کے

خیاں کو مکر سے تعبیر کیا گیا، مگر فرائض صلاح میں یا نون و ذریب کے مذموم ممنون میں مستقل ہے یا کسی پوشیدہ تدبیر کے ممنون میں، حالانکہ کسی فعل بد کے ارتکاب کا تذکرہ نہ نون و ذریب ہے نہ مخفی تدبیر، اسلئے عورتوں کے جس فعل کو مکر کہا گیا ہے وہ صرف زینحاک کے الزام ہی کا تذکرہ نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہوگا، خود مفسرین کو یہ اعتراض سوچا ہے اور وہ کئی طرح سے تادل کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ عورتوں نے اس بہانے سے یوسف علیہ السلام کو دیکھنا چاہا ہوگا، اور یہ کہ رہے لیکن جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پردہ نشین نہ تھے، شر کے گلی کو چون میں بے تکلف چلتے پھرتے ہونگے، انکو دیکھنا مشکل نہ تھا، اور مصر کی عورتوں میں ایسی پردہ نشینی کا بھی ثبوت نہیں کہ نہ گھر سے باہر نکلیں نہ کھڑکی دروازہ میں سے باہر جانا تک سہیں، اور بالفرض وہ ایسی پردہ نشین ہوتیں تو گھر میں بلا کہ یوسف علیہ السلام کو بے تکلف انکے سامنے بلایا بھی نہ جاتا بلکہ کسی جیلہ بہانہ جتن یا پردہ کے اندر سے انہیں دیکھنے کا موقع دیا جاتا، لیکن قرآن میں صاف کہا گیا ہے کہ اس نے یوسف کو انکے سامنے باہر نکالا،

پھر ہاتھوں کو کاٹ لینا اگر بے اختیاری اور شدت جبریت کا فعل ہو تو ایسے افعال دفعۃً سرزد ہوا کرتے ہیں اور پہلے سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص مختل الحواس ہو جائیگا تو اس سے کس قسم کی حرکت سرزد ہوگی، اگر زوجہ عزیز کو بغین ہوتا کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر یہ عورتیں از خود رفتہ ہو جائیں گی اور دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگیں گی تو اسکا خیال اس قسم کے کسی ایک فعل پر مرکوز نہیں ہو سکتا تھا، اور یہ بغین کرینکی کوئی وجہ نہ تھی کہ بدحواس ہو کر وہ ضرور اپنے ہاتھ ہی کاٹیں گی، بلکہ وہ گمان کر سکتی تھی کہ ممکن ہے بیہوش ہو کر گر پڑیں، ممکن ہے کہ چیخنے چلانے لگیں، ممکن ہے شدت اضطراب میں یوسف سے پیٹ جائیں اور انکے ہاتھ میں کوئی حربہ دیا جائے تو ممکن ہے ہاتھ کاٹ لیں، ممکن ہے کوئی اپنا گلا کاٹ لے، کوئی جسم کے

کسی اور حصہ کو نقصان پہنچاے اور جو عورت چھری ہاتھ میں لئے ہوئے یوسف کو چپٹ جاوے وہ چہینا چھٹی میں ممکن ہے یوسف ہی کو زخمی کر دے اور ممکن ایک طرف بلکہ ضرور ہے کہ بے اختیار ہی بین جب حربہ سے کام لیا جاوے تو سب سے ایک ہی قسم کا فعل سرزد ہو بلکہ کسی کا ہاتھ کٹے کسی کی ناک، کسی کا گلا، اور کسی کے ہاتھ سے کسی اور کو نقصان پہنچے، پس یوسف کے جمال کا اعجاز اور دیکھنے والوں کے بے اختیار ہو نیکام تا مشا مقصود ہوتا تو سب کے ہاتھ میں چھری دینے کی ضرورت نہ تھی، بیہوشی اور بدحواسی چھری کے بغیر بھی ثابت ہو سکتی تھی، اور چھری دینے پر اتنے مختلف لاشکال اور خوفناک حادثوں کا احتمال نہ تھا، اور بالخصوص خود یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچ جائیگا جسکو نہ بچا برداشت نہ کر سکتی، مگر لکھا یہ ہے کہ جس طرح انکے فرش و بستر کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی طرح سب کے لئے چھری بیتا کر نیکا خاص اہتمام کیا ہے، پس ضرور ہے کہ اسکی غرض بھی اہم باتشان اور نتیجہ خیز ہوگی، اگر کہا جائے کہ چھری کو کھانا کھانے میں استعمال کرنا مقصود تھا تو پھر یہ قرین قیاس نہیں کہ چھری کے ساتھ کھانے کی چیز سب سے ایک ہی وقت میں کھانی شروع کی ہو، بالخصوص اس وقت میں جب یوسف علیہ السلام انکے سامنے آئے اور پھر سب عورتوں پر جو مختلف طبایل اور مختلف الاحاس ہو گئی اثر بھی ایک ہی ہو کہ کھاتے کھاتے ہاتھ کاٹ لیں، نہ کوئی ان میں سے ضبط کر سکے، نہ کوئی زیادہ بیقرار ہو کر کسی اور حرکت کا ارتکاب کرے، نیز حسن و جمال کے نظارہ سے ایسا مدہوش ہونا کہ انسان اپنے تئیں زخمی کر لے ابتداء آفرینش سے آج تک ایسا کوئی واقعہ سننے میں بھی نہیں آیا اور خود زوہر عزیز جو یوسف علیہ السلام کی سب سے زیادہ عاشق تھی، خود اسپر بھی ایسا حادثہ نہیں گزرا، غرض اس تفسیر میں عورتوں کے الزام کو اور انکے ہاتھ کاٹنے کو جس شکل میں بیان کیا گیا ہے، غیر مخصوص اور خلاف سیاق و سباق ہو نیکے علاوہ سراسر خلاف عقل اور غیر مربوط ہے،

اس تفسیر سے قطع نظر الفاظ قرآن سے جو گمان غالب پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہو کہ زوجہ عزیز کی نسبت سھر کی چالاک عورتوں میں چرچا یہ ہوا ہوگا کہ عجب نادان ہے، غلام کو اپنی جانب راغب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور مفت میں بدنام ہوتی ہے، جو ان آدمی کا پہلا لینا کیا مشکل ہے، خود جو ان عورت ہے خود بصیرت ہے، اپنے غلام کے جسم و جان پر ہر طرح کا اختیار رکھتی ہے، ہم اگر اس کی جگہ ہوں تو دوم بھر میں سیدھا کر لین، ویسے نہ مانے تو ڈرا دھمکا کر راہ پر لگا لین، یہ عیاری اور بد معاشی کی باتیں ہیں جو لیجانے سنی ہو گئی، اور انکو بلا بھجیا ہوگا باتوا سئلہ کہ انکو یوسف علیہ السلام کی غیر معمولی عصمت کا قائل کر سے یا اس خیال سے کہ انکی تدبیر سے خود اسکا اپنا کام بھی بچا سے، چنانچہ وہ آئیں تو ضرور پہلے مشورہ ہوا ہوگا، اور ایک خاص مدعا کو مد نظر رکھ کر سب کے لئے بہتر اور چھری مہیا کر دی گئی ہوگی، پھر یوسف علیہ السلام کو انکے پاس بھیجا ہوگا اسہیں اپنے آنکلی بیوی کا حکم بجالانے میں کیا عذر متا مقرر ہوا، بیٹے ہو گئے، وہاں عورتوں نے پہلے اپنے ناز و کرشمہ سے کام لیا ہوگا، اسکا اثر نہ کیا ہوگا تو ڈرا دھمکایا ہوگا، اس سے عاجز آئی ہو گئی تو اپنے ہاتھوں پر ایسے زخم لگائے ہو گئے، جیسے کوئی ظالم چھری سے حملہ آور ہو اور منظم ہاتھوں پر اس کے وار کو روکے اور زخم کھائے، یہ اسلئے کہ لے ظالم تو ہمارا کتنا نہیں مانتا تو اب یہ زخم دکھا کر تجھ کو مجرم بنائینگے کہ تو نے ہماری عصمت پر حملہ کرنا چاہا اور ہنسنے نہ مانتا تو چھری سے حملہ آور ہوا جسکو ہم نے ہاتھوں پر روکا، اب بھی مان جاوے نہ مجرم بنکر سزا پائیگا، یوسف علیہ السلام ایک نہ سنی ہوگی تو بے ساختہ انکی زبان سے نکلا ہوگا مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

یہ آدمی نہیں یہ تو فرشتہ ہے،

یہ تفسیر لفظ مکرور ہاتھ کا ٹٹنے کے واقعہ سے بھی مربوط ہے، اور باقی قصہ میں بھی کئی جگہ سے یہی مطلب متبادر ہوتا ہے،

اول۔ یوسف علیہ السلام اس واقعہ کے بعد دعا کرتے ہیں دب السجی احب الی مہلین عوفنی الیہ ولا تفر عنی کیدھن اعسب الیہن واکن من الجاہلین، بیان حق کی ضمیر میں سب عورتوں کو شامل کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ جس کام کی طرف یہ سب عورتیں بلائی ہیں اُس سے تو قید ہو جانا بہتر، اور اگر تو مجھے انکی چالوں سے نہ بچائیکا تو میں انکی طرف مائل ہو جاؤنگا، اور اصعب الیہن نص ہے اس مطلب کی کہ سب عورتیں یوسف علیہ السلام کو اپنی اپنی طرف بلاتی ہیں ورنہ وہ کیوں فرمانے کہ میں انکی طرف مائل ہو جاؤنگا، اور جواب میں خلا فرماتا ہے فصرف عنہ کیدھن بیان وہی حج مونث کی ضمیر ہے اور سب کے کید سے یہی بہکانا اور اپنی جانب مائل کرنا مراد ہو سکتا ہو ورنہ دیکھو بیوش ہو جانا کوئی کید نہیں،

دوم۔ جن نغظون میں زینجا کے بہکانے کا ذکر ہے، انہیں نغظون میں تمام عورتوں کے فعل کا ذکر کیا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی درخواست پر بادشاہ نے عورتوں سے دریافت کیا ہے تو زینجا کہتی ہے الان حصص الحق انزل و دقہ عن نفسه باقی عورتوں سے بادشاہ پوچھتا ہے تو وہ بھی یہی کہتی ہیں ما خطبکین اذ سرا و دقہ یوسف عن نفسه جب زینجا کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ میں نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تو بادشاہ کے کلام کا بھی یہی مطلب ہوگا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تو اسے کید پایا، یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ یوسف کے فرمانے سے یا کسی اور طرح سے بادشاہ کو علم ہو گیا تھا کہ انہیں ان عورتوں نے اپنی جانب مائل کیا تھا، اور یہ وہی واقعہ ہے جبکہ عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے، کیونکہ حضرت یوسف بھی دریافت کرتے ہیں، ما بال الکاتی قطعن ایدھن (ان عورتوں کا واقعہ یہ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے) سوم۔ عورتوں نے بہکانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کا اعتراف کیا تو زینجا کہتی ہے، فذلک الذی ملنی فیہ و لقد ازل و دقہ عن نفسه فاستعصم بہان اگر

زیجا کا یہی مطلب ہوتا کہ عورتیں میرے محبوب کو فقط دیکھ لیں اور انکے جمال کا اعتراف کریں تو
 فذلک الذی ملتنی کنساکانی تھا، یعنی دیکھو ایسی چیز ہے جس پر مرنے کا تم مجھے طعنہ دیتی ہو اسکے
 بعد یہ بھی کنساکہ میں نے اسکو اپنی طرف راغب کیا مگر کامیاب نہ ہوئی بے محل ہے، کیونکہ یہ واقعہ
 عورتوں کو پہلے سے معلوم تھا اور اسی کا وہ طعنہ دیتی بہتیں، یہ فقرہ چسپان ہوتا ہے تو ایسی صورت
 میں کہ عورتیں بھی یوسف علیہ السلام کو اپنی جانب راغب کرنے میں ناکام رہی ہوں اور زیجا
 لکھے کہ دیکھو یہ وہ بہادر ہے جس پر قابو پانے کا تم طعنہ دیتی بہتیں، اب تم نے بھی اپنی جانب ہلا کر
 دیکھ لیا کہ وہ بس میں نہ آیا، اسی طرح میں اُسے بلاتی تھی اور وہ نہیں مانتا تھا تو مجھے نادان
 کیوں کہتی ہو،

چہارم - اس واقعہ کے بعد خدا فرماتا ہے تعبد الہوم بعد ما راؤ ولا یات یدعجنہ حتیٰ حین
 بیان محم کی ضمیر عزیز اور اُسکے کارپردازوں کی جانب راجع ہے اور کہا گیا ہے کہ
 انھوں نے نشانات دیکھنے کے بعد اُسے قید کرنا مناسب سمجھا، بیان نشانات سے مراد
 اگر معجزات ہوں تو اول تو قرآن میں یوسف علیہ السلام سے اس غلامی کے زمانہ کا کوئی معجزہ
 مروی نہیں، ایک شہادت دینے والی کا ذکر ہے جسکی نسبت قرآن کریم میں مذکور نہیں کہ وہ
 شیر خوار بچہ تھا، دوسرے اگر روایات کے بموجب اسکو شیر خوار بچہ بھی مان لیا جائے جب بھی
 یہ صرف ایک معجزہ ہوگا، اور بیان آیات حج کا لفظ ہے، اور معجزہ کے معنی لئے جائیں تو
 کئی معجزے ہونے چاہئیں، تیسرے اگر بہت سے معجزات فرض کر لئے جائیں تو معجزات کے
 دیکھنے کے بعد جب انکی عظمت سُلّم ہو چکی ہو، قید میں بھیجی کی تیاری کرنا ناقابل فہم بات ہے،
 معجزات کو دیکھ کر وہی فیصلہ ہونا چاہیے، تا جو عزیز نے شہادت سننے کے بعد کیا تھا کہ یوسف کو
 جدار ہننے کا حکم دیا اور زیجا کو ملامت کی، پس بیان آیات سے معجزات مراد نہ ہونگے بلکہ وہ

نشانات مراد ہونگے جو عورتوں نے سکاری سے حضرت یوسفؑ کو مجرم بنانے کیلئے بنائے تھے، اور ضرور عورتوں نے اپنے زخم دکھا کر یوسف علیہ السلام پر الزام قائم کیا ہوگا جیسپر دیکھنے والوں نے کچھ یقین کیا ہوگا کہ زخم موجود تھے، اسلئے فیصلہ کیا ہوگا کہ غوطری سزا قید کی دید و،

پنجم۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ کے کہنے سے حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ کی سفارش کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا انکی صواحب یوسف اس فقرہ میں حضرت حفصہ کی ایک طرح کے غلط مشورہ دینے پر اور حضرت عمرؓ کے امام بنائیں کی ترغیب پر انہیں یوسف کی ہمراہی عورتوں سے تشبیہ دی ہے تو ضرور ان عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام کو بری ترغیب دی ہوگی، جمال و یکساں غش ہو جائیں تو انکی یہ تشبیہ موزون نہ ہوتی،

یہ تفسیر جو علما سے کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، رافق کے خیال میں قرآن کریم اور حدیث کی دلالت النص اور اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے، اور ہر طرح مناسب حل اور مربوط حضرات علما سے درخواست ہے کہ اسکی نسبت اپنی رائے مفصل و مآل تحریر فرمائیں اور عند اللہ ماجر ہوں خدا فرماتا ہے، وَلَا تَكْفُرُوا بِالْأَشْهَادِ ۝

اللَّهُمَّ إِنَّا الْحَقُّ حَقًّا وَالْبَاطِلُ بَاطِلٌ

معارف: آپ نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے، حضرت الاستاذ علامہ شبلیؒ نے اپنے حلقہ درس قرآن مجید میں بھی یہی تفسیر فرمائی تھی، اس توارد خیال پر غالب کا یہ صیغہ یاد آتا ہے،

متاع من زماننا من ازل برہدست

بالتفیظ والایمان

اساس التعلیم

ترجمہ: مولوی عبد المجید - ۱۔ ایم آر اے ایم اے ایم

عام خیال یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا کام ہر شخص انجام دیکتا ہے، اور علم کیلئے اصول تعلیم کی واقعیت بالکل ضروری نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ بے بنیاد کوئی خیال نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ ہر زمانہ میں صد ہا ہزار معلم ایسے ہوتے رہے ہیں (اور اب بھی موجود ہیں) جنہوں نے فنِ معلّیٰ کی باضابطہ تحصیل کے بغیر اپنے فرائض کو نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے، لیکن اس سے عام خیال کی صحت ثابت نہیں ہوتی، بشمار انسان ہیں جو بغیر کسی طب کی طرف رجوع کے امراض سے شفا یاب ہو جاتے ہیں، مگر کیا اس سے فنِ طب کا بغیر ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے؟ لاکھوں کروڑوں آدمی، بغیر منطق کا ایک حرف پڑھے صحیح نتائج تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن کیا اس سے فنِ منطق کی عدم ضرورت پر استدلال کرنا صحیح ہوگا؟

یورپ میں ایک بڑی حد تک اس عام غلط فہمی کی اصلاح ہو گئی ہے، اور فنِ تعلیم نے ایک مستقل و باضابطہ فن کی حیثیت اختیار کر لی ہے، ہر سال صد ہا کتابیں اس موضوع پر شائع ہوتی ہیں، اور سینکڑوں ہفتہ وار و ماہوار پرچے نکلتے ہیں، جن میں عام تعلیمی معلومات کے ساتھ تعلیم کے مختلف طریقوں پر بحث ہوتی ہے، اور معلّیٰ کے اصول شرح و مبسط سے بیان کئے جاتے ہیں، صد ہا محققین نے اپنی عمریں اسی فن کی تحصیل و مطالعہ کے لئے وقف کر دی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، اکتشافات ہوتے رہتے ہیں،

اور ہر روز جدید کلیات وضع ہوتے رہتے ہیں،

ہندوستان میں شاید ابھی وہ دن نہیں آیا ہے کہ اس فن کے نمندین و محققین پیدا ہوں جو اپنے اجتہادات سے سارے عالم کو سبق دیں، لیکن وہ اگر بہت دیر نہ پینے کے قابل نہیں تو سبق لینے سے تو معذور نہیں، اور کون کھسکتا ہے کہ اسکی یہ آجکی شاگردی کل کی استاد کی پیش خمیہ نہیں؟ علم و فن کی تشل دینا میں ہمیشہ یوں ہی روشن ہوتی آئی ہے، جس قوم کے سر پر آج استاد کی دستار نظر آ رہی ہے، کل اُسے زانوئے تلمذ نہ کرنا پڑیگا، جو قوم آج شاگردانہ حیثیت سے درس لے رہی ہے، کل خود اسکے درس کا شہرہ ہوگا، یہ حال جملہ علوم و فنون کا ہی فن تعلیم اس کلبہ سے مستثنیٰ نہیں،

خواجہ غلام المحسن پانی پتی غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے (پنجاب یونیورسٹی کے سامعہ جیلہ کے بعد) انجمن ترقی اُردو کے حسب فرمائش اسپنسر کی معرکتہ الٰہیہ کتاب فلسفہ تعلیم کا اردو میں ترجمہ کیا، جسکے مطالعہ سے خالص اردو دان جماعت کو نظر آسکتا ہے کہ فن تعلیم ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسکے سائل کس درجہ اہمیت رکھتے ہیں، سرکاری یونیورسٹیاں، ماسٹروں کے لئے جو درسی کتابیں تیار کرتی رہتی ہیں، اگر اُن سے قطع نظر کہ بچائے تو فلسفہ تعلیم کے بعد سے کتنا چاہیے کہ اُردو کی رفتار عمل اس سمت میں بالکل ترک گئی تھی، اور ایک آدھ رسالہ جو اس در بیان میں شائع ہوئے، انہیں ملک میں کوئی خاص مقبولیت و اہمیت نہ حاصل ہوئی،

ایک عرصہ دراز کے سکون و وجود کے بعد ایک جوان مرد نے پھر اس میدان میں قدم رکھا ہے، منشی عبدالحق بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی، نصف لکھنؤ، ہماری قوم کے ان مستثنیٰ افراد ہیں جو عدالتی و سرکاری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اپنی دماغی زندگی کو بھی قائم رکھتے ہیں،

اور اس سے بڑھکر یہ کہ اپنے لطف میں اپنے ہم وطنوں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں، حال میں اٹھون نے اساس التعلیم کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے وہ اُنکے وسیع مطالعہ کا ثمرہ ہے، اسوقت یورپ میں جو ذات فن تعلیم کی سب سے بڑی ماہر تسلیم کی جاتی ہے، وہ طبقہ رجال میں نہیں بلکہ ایک اطالوی خاتون ڈاکٹر مانتی سوری ہے، جسکے نظریات نے یورپ کے تعلیمی طبقوں میں گویا ایک انقلاب برپا کر دیا ہے، اساس التعلیم کا اصلی ماخذ اسی ڈاکٹر مانتی سوری کی تصنیفات ہیں، گو ساآئد ہی بعض دیگر مشاہیر حکماء مثلاً جیس، اسپنسر وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے،

مولف، ایک دلچسپ مقدمہ کے بعد باب اول میں جسم کے ان حصوں سے بحث کرتے ہیں جسکا تعلیم و تربیت سے خاص تعلق ہے، مثلاً دماغ، نخاع، اعصاب وغیرہ، اور جسکے مجموعہ کا نام نظام عصبی ہے، باب دوم میں اسی طرح نفس کے عناصر اصلی کی تشریح و تحلیل کی گئی ہے، باب سوم سے باب پنجم تک نفس کے تاثر اور نشوونما کے طریقوں کا ذکر ہے، جسکے ضمن میں، احساس اور جبلت ماحول وغیرہ پر مفصل بحثیں ہیں، یہاں تک کتاب کا نظری یا فلسفی حصہ ختم، باب ششم سے آخر تک کتاب کا عملی جزو ہے، باب ششم میں ڈاکٹر مانتی سوری کے طریقہ تعلیم کی توضیح و تشریح ہے، باب ہفتم و ششم میں اُن قواعد دماغی پر بحث ہے، جن پر گویا تعلیم و تعلم کا دار و مدار ہے، یعنی توجہ و حافظہ، آخری باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ تنبیہ و تحبیب، سرادہی و حوصلہ افزائی کا بچوں کی طبالیح پر کیا اثر پڑتا ہے، اور یہ کن کن صورتوں میں اور کس حد تک مناسب ہیں،

ڈاکٹر مانتی سوری کے طریقہ تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ تعلیم الفاظ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اصل اعتبار کے ذریعہ سے ہونا چاہیئے، قدیم طریقہ تعلیم میں بغیر انبیاء خارجی کی وساطت کے اساس التعلیم، مولفہ منشی عبدالحی خواست مع ویساچہ، صفحہ ۲۵۰: الناظر تک ایچسنی، چوک لکھنؤ، قیمت ۴۰

طلبہ کو الفاظ اور انکے معانی رٹا دیتے جاتے تھے، جس سے انکے ذہن میں کوئی صاف مفہومی کیفیت پیدا ہی نہ ہونے پائی تھی، کنڈرگارٹن طریقہ تعلیم نے اصلاح کا ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے تصاویر، کمپونون اور نمونون کے ذریعہ سے اصل شے کی ماہیت طلبہ کے ذہن نشین کرنا چاہی، مانٹی سوری کا اصول یہ ہے کہ یہ تصویروں اور کمپونون بھی کافی ہینن، بلکہ جہانناک ممکن ہو بچوں کو براہ راست اصل اشیاء سے واقفیت پیدا کرانا چاہیے، فرض کرو، بچہ کے سامنے ”انجن“ کا لفظ آتا ہے، قدیم طرز کا استاد صرف اسکے سنی بنا دیگا کہ انجن ایک لوہے کی بنی ہوئی خاص قسم کی گاڑی ہوتی ہے جو باقی گاڑیوں کو کہنچتی ہے، اس سے زیادہ ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ انجن کی تصویر بچہ کو دکھا دی جائے، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انجن کا کمپوننا لاکر بچہ کے سامنے رکھ دیا جائے، مانٹی سوری کا طریقہ یہ چاہتا ہے کہ سب چھوٹی سائٹ کے اصل انجن بچہ کے مشاہدہ میں آئیں، جیسے کل پرنز ٹل بڑے انجنوں کے ہوں، اور جو ہینن کی طرح ہواپ کی قوت سے حرکت کریں، اس طریقہ سے بچہ کو ایک دن میں انجن سے جتنی واقفیت ہو سکتی ہے اتنی ساری عمر انجن کے لفظی معانی اذہر کے رہنے سے ہینن ہو سکتی،

مانٹی سوری کا ایک دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ جہانناک ممکن ہو بچوں کے کسی فعل میں مداخلت نہ کی جائے، استاد کا کام صرف یہ ہے کہ ایسا سامان بچہ کے گرد پیش ہم پہنچا دے جس سے وہ ان خود تعلیم حاصل کرے، نہ یہ کہ ہر بات اسے بتاتا رہے، قدیم طرز تعلیم میں اور اس میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے،

مانٹی سوری کا سارا نظام تعلیم اسی قسم کے مجتہدانہ اصول و مسائل پر مبنی ہے، مولف اساس التعلیم کی یہ خدمت کچھ کم و قبح ہینن کہ اسکی وساطت سے اردو خوان ہلک بھی ان اہم و معرکہ آرا مباحث و نظریات سے مستفید ہو سکیں گی،

مولف صاحب اگر طبع ثنائی میں امور ذیل کا لحاظ رکھیں تو انکی کتاب موجودہ حالت سے بدرجہا زیادہ مفید و دلچسپ بن سکتی ہے، موجودہ ایڈیشن میں افسوس ہے کہ انکا لحاظ نہیں کیا گیا لیکن آئندہ انہیں فروگزاشتوں کی بہ آسانی تلافی ہو سکتی ہے،

(۱) کتاب کی زبان اتنی سلیس و شستہ نہیں کہ عام ناظرین کو اس سے دلچسپی ہو سکے، مصطلحات سے تو مجبوری ہے وہ تو بہر صورت ایسی ہونگی جو عام ناظرین کو نامانوس معلوم ہونگی لیکن انکے علاوہ کتاب کا عام طرز بیان زیادہ دلکش اور سلیح ہونا چاہیئے،

(۲) نفسیات و بعض دیگر علوم متعلقہ کی بہت سی مصطلحات پیشتر سے اردو میں رائج ہو چکی ہیں مولف نے متعدد مقامات پر یا تو انہیں چھوڑ کر کوئی جدید اصطلاح استعمال کی رہے یا انہیں کو کسی بالکل جدید مفہوم میں استعمال کیا ہے جس سے ناظرین کے ذہن کو یقیناً وحشت ہوگی،

(۳) مولف نے طریقہ تعلیم، لباس و غذا وغیرہ سے متعلق جہاں علی ہدایات دی ہیں، یہ شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہندوستانی بچوں کے لئے کتاب لکھ رہے ہیں، جنہیں امیر و غریب سب شامل ہیں، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے مخاطب اہل یورپ ہیں یا صرف وہ ہندوستانی خوشحال گھرانے جنہوں نے یورپین طرز معاشرت اختیار کر لیا ہے، کتنے متوسط و ادنیٰ طبقہ کے ہندوستانی بچے ایسے ہیں جو صبح کے ناشتہ میں دو دو نیم برشت اندا، روٹے کا حلوا، میلنس فوڈ، مالٹڈ ملک، اور دوسرے اوقات میں انار، انگور، بجنی، نان پاؤ، کھن، استعمال کرینکی مقدرت رکھتے ہیں؟ اسی طرح ہندوستانی بچوں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ سیلف خانہ داری کی تعلیم خواہ مخواہ میزکری وغیرہ مغربی ہی فرینچر کے ذریعہ سے حاصل کریں، قرینہ قایلین، تخت، گاہ و تکیہ کی وساطت سے بھی انہیں سادی درجہ کی خوش بلیقی آ سکتی ہے،

(۴) بعض الفاظ کی صحت نظر ثانی کی محتاج ہے، اعصاب کا واحد ”عصب“ مستقل ہے،

”عصبہ“ جماعت کے معنی میں آتا ہے، ”حکم“ کی جگہ ”احکام“ کافی ہے، ”احکامات“ کی ضرورت نہیں، ”اعصابی انخطاط“ کے بجائے ”عصبی انخطاط“ ہونا چاہیے، ”وقس علیٰ ہذا“۔

(۴) مصطلحات کی فرہنگ مع انکے انگریزی مرادفات کے ختم کتاب پر ضرور ہونا چاہیے، کتاب باوجود ان فروگرداشتوں کے بحیثیت مجموعی بہت قابل قدر ہے، اور ہر ایسے شخص پر جو اپنی یا اپنے کسی دوست و عزیز کی اولاد کو تعلیم دلانا چاہتا ہے، یا جسے سلسلہ تعلیم سے کچھ بھی دلچسپی ہے، اسکا مطالعہ فرض ہے، یہیں پورا اعتماد ہے کہ مولف موصوف کی آئندہ کوشش اس سے بہت زیادہ کامیاب ہوگی،

ارض القرآن حصہ دوم

اسین بنو ابراہیم یعنی مدین، قوم ایوب، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الرس، انصار، بنو قریظہ، اور قریش کے نسبی، قومی، سیاسی، اجتماعی، اور اخلاقی حالات، تطبیق قرآن مجید و تورات و انماز قدیمہ لکھے گئے ہیں، اور عربوں کی قبل از اسلام تجارت، زبان اور مذہب پر نہایت تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ تحقیق و مباحث ہیں، شاید ان ابواب پر اس تفصیل و تحقیق کے ساتھ کسی زبان میں اتنے معلومات یکجا نہ ملے، لکھائی چھپائی اعلیٰ کاغذ دلائی تھخاست ۱۵ صفحہ قیمت ۱۲ روپے

مینجر دار المصنفین

ادبیات

از جناب شوکت علی صاحب فانی بی۔ اے ال۔ ال بی بیولین

ہل گیا زندان بڑا ہونا لہ مش بگیر کا
بیری ندیرون کی شکل اینویا رب سہل کر
چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری نجر کا
کیا یہ ساری عمر منہ نکلتی رہیں تقدیر کا
باد ہر گم ہو گیا تاکوئی پریشان تیر کا
آئینہ ہو غم کی جینی جاگتی تصویر کا
کیا مرے کا ہر تقاضا عذر ہے تقصیر کا
کانپ اٹھا بروزہ میری خاک و انگیر کا
جل گیا خرمن میں چمکے تھامری تقدیر کا
ہے قسمت لبیا جو کام تھا تندریر کا
آپنی آزدگی بے سبب بھی خوب ہے
کس نظر سے اُس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف
برق خرمن کی بلا سے کیا رہا کیا جل گیا
فکر رخت چھوڑ بیٹھے تم تو راحت مل گئی

نامرادی حد سے گذری حال فانی کچھ نہ پیچھ

ہر نفس ہے اک جنازہ آہ بے تاثیر کا

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانوں کی
فصل گل خیز تو ہی نیست بین دیوانوں کی
دانشوں کی ہر خراب نہ گریبانوں کی
دانشوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی
نہ بھی آگ لگا ہے ہوسے ارمانوں کی
رگہی شرم غم عشق کے افسانوں کی
چشم سانی کی وہ مخمور نگاہی، تو بہ!
آنکھ پرتی ہی چپکے ہوئے پیمانوں کی

طوقِ منت کے بڑا ہو گئی منت پوری بیڑیاں موتِ کائنات سے دیوانوں کی
 اب جفا ہی نہ وفا یاد و فانی ہے غمی جہاں شمعِ دہانِ خاک ہو دیوانوں کی
 دل میں رگ رگت کچھ آئی ہیں ابو کی بوندیں
 دعوتِ سیدہ فانی میں ہیں پیکانوں کی

مانا کہ بات وعدہ فروا پہ ٹل گئی اور ہو جفا جو کل بھی نہ یہ آج کھ گئی
 اس خانہِ خواب کی بربادیاں بچھ یادشِ بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی
 غم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں ہیجاب اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
 کچھ کر کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہر سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنہل گئی
 آتی ہے خاکِ جاہد ہستی سے بونے ل کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی
 دل کیوں شبِ فراق تڑپ کر رہ گیا کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی
 ان گردِ شون کو رک کہ دل خون ہو گیا او آسمان ٹہر مری حسرت کچل گئی
 تعمیرِ آشیان کی ہو سکا ہے نام برق جب ہے کوئی شلخِ چنی شاخ جل گئی
 اللہ ری نوکِ فشرِ غم کی گھا دین اک اک لبو کی بوند پہ ظالم چل گئی

فانی کے دل سے آہِ لاقطو کے بند

زاہد وہ دل فریبی حسنِ عمل گئی

مطبوعاتِ حاجی ندیہ

طریقِ تسمیہ، علمِ کیا کے اصطلاحات اردو میں کس اصول پر قائم کئے جائیں، اس بحث پر جامعہ عثمانیہ کی طرف سے چودہری برکت علی صاحب بی ایس سی کا ایک رسالہ شائع ہوا ہے، بے شبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ چودہری صاحب کی تحقیق اور طرزِ اداسے مطالب اور نفسِ تجویزِ طریقہ تسمیہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ جامعہ عثمانیہ کو اس کا میاب کوشش پر سارکباوینی چاہیے اور وہ عین اس توقع کے مطابق ہے جو ملک کو چودہری صاحب کی ذات سے ہے، ایسے خشک اور بے لطف معنوں کو اس فصیح، متین اور دلنشین عبارت میں ادا کیا ہے کہ ٹوس علمی مسئلہ کا بار دماغ کو مطلقاً محسوس نہیں ہوتا،

طریقِ تسمیہ کی نسبت چودہری صاحب کی تجاویز کا حاصل یہ ہے کہ وہ اردو زبان کی اصطلاحات اور ہندوستان کے مزاج السنہ کے مطابق ہوں جو اضافت، صفت اور دیگر صنفی و نحوی تغیرات میں آسانی ہمارا ساتھ دیں، قیصر سے یہ کہ اُنکے مخففات استعمال کئے جاسکیں، یہ رسالہ غالباً معرضِ فروخت میں نہیں آئیگا،

لالی الحکم، عربی درگاہوں کے چھوٹے درجوں کے لئے موداً تصدہ کمیٹیوں کے منتخبات پڑھائے جاتے ہیں، جو معنوی حیثیت سے کچھ مفید نہیں، مولوی عبدالحمن صاحب ندوی مدرس مدرسہ اصلاح سرائیہ نے اس ضرورت کے لئے احادیثِ نبویہ میں سے مختصر اخلاقی فصائح مختلف عنوانات کے تحت میں جمع کئے ہیں جنہیں ادبیت کے ساتھ اخلاق و معاشرت کی تعلیم کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے، یہ رسالہ اس لائق ہے کہ لوگ ابتدائی تعلیم ادب کے لئے اسکو اپنے نصاب میں داخل کریں، قیمت ہر،

جلد سوم	ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۱۶ء	عدد ہفتم
---------	---	----------

مضامین

- (۱) شذرات ۳۹۴ - ۳۹۶
- (۲) نظر بنیانِ اسلام ۳۹۶ - ۴۰۵
- (۳) معرفت ۴۰۴ - ۴۱۴
- (۴) ابن یمن اور انکی شاعری ۴۱۵ - ۴۲۴
- (۵) فلسفہ لبیان ۴۲۵ - ۴۳۲
- (۶) عرب ایک مستشرق کی نگاہ میں ۴۳۳ - ۴۳۵
- (۷) نامہ پارسی ۴۳۶ - ۴۴۴
- (۸) عفت المسلمات ۴۴۱ - ۴۴۲
- (۹) ادبیات ۴۴۳ - ۴۴۶
- (۱۰) مطبوعات جدیدہ ۴۴۷ - ۴۴۸

برکے اور اسکا فلسفہ

از پردیس علی باری ندوی

برکے جسکی محرکہ الاراد تصنیف مبادی علم انسانی "پہلے شائع ہو چکی ہے اسکے وچپ و پر معلومات سوانح زندگی، اسکی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقذہ تلخیص اسکے فلسفہ تصورات کی تفسیر و تنقید اور مسئلہ تصورات کلیہ پر ایک مجتہدانہ محاکمہ کتاب کا مختصر نام صرف برکے ہی، ضخامت ۳۰ صفحے کا غرضیدہ لابی لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت پر

مشاورت

اعظم گندھ صوبہ اے متحدہ کا ایک نہایت چھوٹا اور مفلس، ضلع ہے، (ازراہ عنایت اسکی دولت مند کی اندازہ قرضہ جنگ کی میزان سے نہ نکائیے) تاہم یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اسکے احاطہ میں عربی کے چار بڑے مدرسے ہیں، مدرسہ الاصلاح سرائیکہ، دارالعلوم ممبئی، مدرسہ عالمیہ ممبئی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ مبارکپور، چھوٹے چھوٹے مدارس اسکے علاوہ ہیں، ان سب کی بنیاد مسلمانوں کے عام چندوں پر ہے، ہر ایک میں ابتدائی و انتہائی طلبہ ۵۰ سے ۲۰۰ تک ہیں، پہلے مدرسہ میں جدید نصاب و طریقہ تعلیم کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، اور بقیہ میں قدیم نصاب اور سیفقدرا آباد یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے،



تعلقات گونا گوں کے سبب سے سرائیکہ جانے کا تو اکثر اتفاق ہوتا ہے، لیکن ممبئی کے مدرسوں کا دیکھنے کا اس دفعہ پہلا موقع تھا، یہ دیکھ کر خوشی ہے کہ علمائے مدرسین اور عام عربی خوان طلبہ کے خیالات میں اب ہر جگہ ہیں انقلاب کے آثار نمایاں ہیں، اور وہ اب ملک اور ملت کے حقوق اور طریقہ خدمت سے واقف ہوتے جاتے ہیں، لفظی اور سطحی مباحث سے گذر کر اب حقیقی علوم کے طالب ہیں، ہم تو اپنے آریہ دوستوں سے خوش ہیں کہ انکے جوش مخالفانہ نے قدیم عربی مدارس کے حجرہ نشینوں میں بھی سرگرمی پیدا کر دی، عا و شو د سبب حیرت خدا خواہد،



مدرسوں کے عربی مدارس تو عموماً علمائے کرام کے زیرِ ہتھام ہیں، لیکن ابھی ان کیوں کی نظم تعلیم کی

طرف انکی توجہ ملقت نہیں ہوتی ہے، ملک میں جو زنانہ اسلامی مدارس اسوقت قائم ہیں، وہ یا سرکاری اور میونسپل ہیں اور یا جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مساعی جمیلہ کے نتائج ہیں، لیکن تمام ہندوستان کے طول و عرض میں ہرکھو صرف ایک زنانہ مدرسہ ایسا ملا جو خالص علمائے مقدسین کے زیر اہتمام و تعلیم قائم ہے، اور وہ مدرسۃ البنات منو ہے، ہمیں اس مدرسہ کو دیکھ کر جو کچھ ابھی ابتدائی حالت میں ہے سخت حیرت ہوئی، بیان لڑکیوں کو اردو، فارسی، حساب، خوشخطی، دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی ہے، سو کے علمائے اہل حدیث کی اس سنت کی تقلید اگر ہندوستان کے دوسرے شہروں کے علمائے اہل حدیث جائز سمجھیں تو منازعات تقلید و عدم تقلید سے کس قدر بہتر ہے،

—x.z.x—

معارف جس طرح اور جس شان سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر کرمفرما تو اس پر قانع ہیں اور اسکو وہ اس حیثیت میں بھی اردو رسائل کی صف میں پہلی کرسی دینے پر تیار ہیں، لیکن ہمارے حلقہ احباب میں ان سے بلند نظر اصحاب بھی ہیں جو کہتے ہیں،

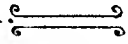
ما باین قدر از تو راضی نیتم اندر سخن شبلیہ: بحر است این، عجازی بایست کرد

اس جماعت کے سرگرم ممبر، ہماری مجلس اسکے رکن انظم جناب مولوی عبدالمجید صاحب علی سے ہیں، انکا خیال ہے کہ معارف اگر یورپ کے علمی رسالوں کے لگ بھگ نہ نکل سکے تو کم سے کم ہندوستان کے انگریزی رسالوں کے قریب قریب تو ہو، اسکی ضمانت ۱۰۰ صفحہ ہو، مضامین میں دنیا کی موجودہ علمی رفتار کا ساتھ دیا جائے، اگر ملک کے دوسرے اخبارات و رسائل یہ بتاتے ہیں کہ دنیا کی پائلیکس کمان سے کمان جا رہی ہے تو ہم یہ بتائیں کہ علمی حیثیت دنیا ہر مہینہ کس قدر بدل رہی ہے اور بدلتی جاتی ہے،

—x.z.x—

انھوں نے ہمارے اکثر دوستوں کی طرح صرف زبانی نصیحت و وصیت پر قناعت نہیں کی بلکہ

ہماری عمارت کی کمزوری کے صلی رخنوں کو سمجھ اور اسکے لئے انھوں نے سرگرمی سے تعمیر و ترمیم کی
کوشش شروع کر دی ہے، یہ معلوم ہے کہ بغیر خاص مالی اعانتوں کے یہ عظیم اشان کام سرانجام نہیں
پاسکتا، اردو خوان طبقہ شاید ابھی اس جلسہ گران کا خریدار بھی نہیں ہو سکتا، تاہم کسی طرح اسکو ادھر تک
پہنچا



ملک میں اسوقت تک جتنے بڑے بڑے علمی اور قومی کام انجام پا رہے ہیں، وہ سب دردمند
امراے ملت کے دستِ کرم کے سہارے چل رہے ہیں، اگر یہ سہارا ہٹا لیا جائے تو نفع نہ ملے گا کچھ کالج
رہے، نہ کافر نس نہ دارالعلوم رہے، نہ مذہب نہ حمایت اسلام رہے نہ دیوبند نہ انجمن ترقی اردو رہے
نہ دارالمصنفین، ایسی حالت میں اگر اردو کے ایک بلند ترین علمی رسالہ کا سوال اٹھایا جائے جسکی آمدنی
یقیناً اسکے مصارف کی کفیل نہیں ہو سکتی تو گذشتہ علمی اور تعلیمی کاروانوں کے نقش قدم پر چلے بغیر کیا یہی
ممکن نہیں،



ہم خوشی اور مسرت ہے کہ اس تجویز کے اعلان عام سے پہلے ہم اس قابل ہو چکے ہیں کہ چند
دریادل ارباب فیض کے دستِ کرم کا شکریہ ادا کریں، خصوصاً یادگار نسل پستان نواب سالار جنگ
سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ حیدر آباد دکن، ہمارا چہ میمن السلطنت سرگن پر شاہ سابق مدارالہام دولت
آصفیہ حیدر آباد دکن، اور خاتمہ اللہ رام راہہ سر محمد علی محمد خان والی محمود آباد، اب بھوپال، اور رامپور کی
طرف ہماری نگاہیں اٹھی ہیں،

بینیم این کہ خواستہ کوکار چیت

اسوقت تک ۵۰ روپیے انگلینڈ، امریکہ اور ہندوستان کے انگریزی ماہوار علمی رسائل کی خریداری میں
صرف ہو چکے ہیں،

مقالات

نظر بندان اسلام

بتقریب رہائی سید الاحرار سید فضل الحسن حسرت بانی

تا چند ہر بخیر خرد بند توان بود

سرستی و آشوب جنون چند توان بود

(۲)

صفیہ کا غزل آج پھر ان تصویروں کا موقع ہے، جسکے خط و خال عیش و نعمت کے رنگ و روغن سے
 بہنیں بلکہ آوارہ وطنی اور تپید و محس کے سوا المصائب سے بنائے گئے بہنیں، بخارا کا یتیم فرزند ایک
 مدت کے بعد امام بخاری بنکر وطن لوٹا تو تمام شہر نے اس جوش سے غیر مقدم کیا کہ دولت طاہرہ
 ارکان مترنزل ہو گئے، دور دور سے طلبہ اور علم کے سائل قطار در قطار چلے آتے تھے، حلقہ درس کی
 نشست میں امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق مراتب نہ تھا، امیر بخارا نے خواہش کی کہ امام بوصوف
 ایوان امارت میں آکر اپنی تصنیفات کی سند عطا فرمائیں، امام نے فرمایا میں بیشک گداسے بے نوا
 ہوں لیکن جس علم کا خدمت گزار ہوں اسکو ذلیل نہیں کر سکتا، امیر کو اگر شوق علم ہو تو خود میری مسجد یا
 غربت گاہ میں آئے تکتے ہیں، امیر نے کہلا بھیجا میں آسکتا ہوں لیکن اسوقت عام لوگ حلقہ درس میں ہوں
 امام نے فرمایا ”اس بوریائشیں کے ہاں شاہ دگدا کی کوئی تیز زہنیں“ امیر نے پیام بھیجا کہ اگر یہ منظور
 نہیں تو میری حکومت کے دائرے سے نکل جاؤ، امام نے اسی وقت صبر و شکر کے ساتھ بستر لیٹا، اور خرتنگ نام
 پہلے خراسان اس زمانہ میں خاندان طاہرہ کے زیر حکومت تھا،

ایک قریہ میں چلے گئے،

افسوس کہ یہ قریہ بھی امن کا گھر نہیں رہا، دل شکستگی کے عالم میں گھر سے نکلے تھے، خرنگ پھنکر سخت علیل ہو گئے، ابھی لمبے عیالات پر تھے کہ امیر بخارا کا فرمان بیان سے بٹی نکل جائیکے لئے صادر ہوا، اسی حالت میں دو آدمیوں نے سہارا دیکر لمبے سے اٹھایا، اور سواری پر بٹھانا چاہا، امام نے فرمایا ضعف سے اب قدم اٹھانا مشکل ہے، مجھے نسا دو، لوگوں نے نسا دیا مگر وہ ایسے لینے کہ پھر نہ اٹھے، عبرت نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ آہ! جکی یاد سے آج کروڑوں مسلمانوں کے قلوب معمور ہیں اور قیامت تک رہیں گے، تیرے سایہ میں اسکو کہیں قدم دہرنے کی جگہ بھی نہ مل سکی، سلجوقیوں کی حکومت کا وہ زمانہ شاید لوگوں کو یاد ہو جب امام الاشاعرہ ابو الحسن الاشعری کو برسر منبر گامیان دیجاتی تین، سلطان طغرل سلجوقی اسوقت بلا دروم سے لیکر چین کی سرحد تک تنہا فرما رہا تھا، ابونصر کندی وزیر تھا، جسکے ہاتھ میں تمام ملک کے نظم و نسق کی باگ تھی، مذہباً یہ بدعتیہ شخص تھا، لیکن اپنے کو حنفی کہتا تھا، اساذ ابن لوفتق اس زمانہ کے ایک صاحب علم امیر تھے، مذہباً وہ شافعی اور اشعری تھے، لوگوں میں انکو نہایت ہر دلعزیزی حاصل تھی، ابونصر کو خیال تھا کہ اگر وزارت کے منصب میں کوئی میرا حریف ہو سکتا ہے تو وہ ہی ابن لوفتق ہے، سلطان طغرل فقہ حنفی کا پیرو تھا، وزیر نے اس سے اجازت لیکر یہ فرمان جاری کیا کہ آئندہ خطبوں میں بدعتیوں پر لعنت کیجئے، اس حیلہ سے علی الاعلان شوافع اور اشاعرہ پر لعنت پڑ ہی جانے لگی، دفعۃً مملکت سلجوقی میں اس سر سے اس سر سے تک آگ سی لگ گئی، بڑے بڑے علماء، ائمہ، قصائد اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے، سیکڑوں علماء اشاعرہ نے اپنے وطنوں کو خیر باد کہا اور تجار کا رخ کیا، کہتے ہیں کہ اس سال یعنی ۵۵۵ھ میں اسقدر باب عالم میدان عرفات میں جمع ہو گئے تھے کہ گنے گنے تو ۴۰۰ صرف تانیسوں کی تعداد ہے، بڑے بڑے علماء جنکو امامت کا درجہ حاصل تھا، اپنے عہدوں سے معزول ہو کر شہر بدر ہوئے،

یا قید ہو گئے، خاص فرمان سلطانی صادر ہوا کہ استاد ذوقانی، استاد ذہن الموفق، امام الحرمین ابوالمعالی (امام غزالی کے استاد) امام ابو القاسم قشیری، شیخ الصوفیہ قید کئے جائیں یا جلا وطن ہو جائیں اور آئندہ انہیں مجموعین میں آنیکی اجازت نہ ہو، امام الحرمین اور امام بہیقی اس ذلت کو گوارا نہ کر سکے، منصب اور وطن کو خیر باد کہا، اور بلجیون کی وسیع حکومت کے احاطہ سے باہر نکل گئے،

امام قشیری اور استاد ذوقانی کو سربازار گھسیٹا گیا، اور تہذیب کے مجلس میں قید کر دیا گیا، ایک مہینہ اس قید میں بسر کیا، استاد ذہن الموفق نے حکومت کو اعلان دیا کہ ان بزرگوں کو قید و بند سے آزاد کیا جائے، ورنہ بزور قید خانہ سے انکو نکالا جائیگا، حکام نے اس اعلان کی پروا نہ کی، بلکہ خود استاد ذوقانی قساری کی دہلی دی، استاد نے اپنے رفقا کا ایک دستہ تیار کیا، اور رات کو شہر کے پہاٹک میں گھس گئے، کوچہ و بازار میں سرکاری سپاہیوں اور استاد کے ہمراہیوں میں لڑائی ہوئی، سپاہیوں نے شکست کھائی، قید خانہ توڑ کر قیدی نکالے گئے، سلطان کو خبر ہوئی تو استاد ذہن الموفق کو انکی اس جرأت پر سزا دی وہ پابزنجیر دربار میں حاضر کئے گئے، انکی تمام دولت و جائیداد ضبط ہو گئی، اودہ خود ایک قلعہ سلطانی میں قید کئے گئے،

امام بہیقی نے عبدالملک کو اور امام قشیری نے تمام دنیا سے اسلام کے نام ایک فریاد نامہ لکھا، آخر چار برس کے بعد زمانہ نے پٹیا کھائی، طفل کی جگہ اپب ارسلان نے تخت حکومت پر قدم رکھا، ان فتنوں کا بانی ابو نصر کندی کیفر کردار کو پہنچا، اور نظام الملک نے قلمدان وزارت اپنے ہاتھ میں لیا، سمندر پھر اپنے رخ پر بہنے لگا، اور آفتاب پھر اپنے افق سے طلوع ہوا،

امیمہ بن عبد المعز اندلس کے ایک عالم تھے، محفول اور منقول دونوں مملکتوں میں انکی زبان و قلم کا سکہ چلتا تھا، ۵۸۵ھ میں وہ اندلس سے اسکندریہ آئے، فضل شاہنشاہ مصر کا فرمانروا تھا، اس نے کسی سبب سے انکو قید کر دیا، برسوں اسی قید کے عالم میں گذارے، لیکن علم و فن کے کارنار کا

فاتح اس تنہائی میں بھی اپنے مفتوحات کی توسیع میں کوشاں رہا، ہیئت میں عمل بالاصطلاح اور کتاب الوجیز، طلب میں کتاب الادویۃ المفردہ، منطق میں تعقیم الذہن، فلسفہ میں کتاب الانصاف اور اسی قید خانہ کی تنگ کوٹھری میں بیچکر تصنیف کی، ششہ میں شاہنشاہ نے مقرر سے جلاوطن کر دیا تو وہ مراکش کی طرف چلے گئے، آخر کہیں اسی طرف ششہ میں اس عالم سے چلے گئے۔

علامہ ابن حزم ظاہری بھی اسی سرزمین کی خاک سے اٹھے تھے، جہاں چہ سو برس تک اسلام کی بہار بغیرت ارم بنی تھی، یعنی ارض اندلس، علامہ مدوح ان اشخاص میں ہیں جن کا فضل و کمال پر صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ دنیا کو ناز ہو سکتا ہے، وہ ایک مدت تک وزارت اور تدبیر و سیاست کے فرائض خاندانی انجام دیتے رہے، لیکن دفعۃً اس منصب کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے، اور علم کے دربار کی خدمت گزاری میں اپنی بقیہ عمر صرف کی اور ۷۰۰ تصنیفات اپنے بعد یادگار چھوڑیں،

علامہ کی تیج زبانی اور بیباک بیانی نقدش اوراق بنکر گویا آج بھی ہمارے سامنے ہے لیکن اس عہد کو آئینہ خیال کے سامنے لاؤ جب وہ جمہور انظم سے نڈر ہو کر برملا اپنے خیالات جنکو وہ سچ سمجھتے تھے، ہشکارا کر رہے تھے، فقہاء نے انکی دارگیری میں نہ کی، امانت تھی، کو لوگ انکے پاس بیٹھنے پناہیں، سلطان انکو اپنے حدود و سلطنت میں رکھنا گوارا نہ کیا، انکی بعض تصنیفات نذر آتش کی گئیں، خود نصف تمام عمر در بدر کی خاک چھانتا رہا، بڑے بڑے دارالحکومتوں کو چھوڑ کر صحرائے شنی اور بادیاہ گردی اختیار کی، حق کے طالب اس بادیاہ اور صحرائے شنی ذروں کی طح انکے دامن سے پلٹے رہے، علامہ اس بے خانمانی بن بھی حق کی دہی گونج اور دہی کرک اپنی زبان و قلم میں رکھتے تھے،

قرطبہ مولد تھا، لیکن ششہ میں ایک گماہان بن دفات پائی،

شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد انصاری، ہرات دکن تھا، وہابی نے لکھا ہے "عقلمندی میں تجزیرہ مناظرہ میں ہمیشہ شباب، اور اتباع سنت میں اپنی جگہ پر ہمارے، ایک قدم ہٹ نہیں سکتے تھے، مگر فتنہ اپنی حق بیانی کی بدولت امتحان گاہ میں آئے اور ہر فتنہ اپنی مضبوطی اور استقلال سے کامیاب نکلے، پانچ دفعہ انکی آنکھوں کے سامنے زنجیر نہیں بلکہ ننگی تلواریں رکھی گئیں کہ اپنی راسے کے اظہار سے باز آؤ، لیکن ہر دفعہ اس جوان دل پر مرونے ہی جواب دیا کہ خاموشی میرے مذہب میں گناہ ہے۔ آخر ایک فتنہ میں ان کو لوگوں نے شہر سے اس طرح نکالا کہ جمعہ کا دن، نماز کا وقت تھا، اتنا بھی کوئی روادا ہوا کہ وہ ایک وقت کی نماز شہر کے جامع مسجد میں پڑھ لیں، وہ ہرات سے نکل کر قریہ پوشنگ میں گئے، سلطان الپ ارسلان نے فرمان صادر کیا کہ وہ ماوراء النہر کے علاقہ میں نکال دیئے جائیں، پانچ سو اہل و عیال مرو پھینچے، یہاں بھی اقامت کی اجازت نہ ملی، اور تلخ بھیج دیئے گئے، وہاں سردار اللہ کو جلا وطن کئے گئے،

شیخ الاسلام نے ان مصائب اور تکالیف کو جس استقلال اور عزم صبح کے ساتھ برداشت کیا، تمام اعیان اسلام نے اسکو شکر گزاری کے ساتھ دیکھا، آفتاب زیادہ دیر تک بادلوں کے پردہ میں چھپا نہیں رہ سکتا، سوا دو برس کے بعد شہرہ میں انکو وطن آئینگی اجازت ملی تو تمام ملک خوش مسرت سے چلک اٹھا، مستفقدوں نے انکی سواری کے جانور کھول دیئے، مرو سے ہرات تک باری باری سے اپنے دوش و بازو پر لوگ انکو سوار کر کے لائے،

امام ابو جعفر عبداللہ بن عباسی فضل و کمال کے ساتھ جرات اور عقلمندی کی مجسم مثال تھے، بغداد اسوقت فساد تمدن کا مرکز تھا، امام ابو جعفر اور علامہ ابواسحاق شیرازی نے جامع مسجد میں تمام مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع کیا، اور سلطنت سے حسب ذیل امور کی برز و تمیل کی درخواست کی،

۱۔ طبقات المحتابد ابن رجب،

شراب خانے اور دارالفواہش بند کئے جائیں، بدعاش اور بد اخلاق لوگ شہر بدر ہوں، شراب کی ہٹان
تو ر دالی جائیں، ایسے سکے ڈالے جائیں جنہیں بٹہ نہ لگے، خلیفہ نے ان تجاویز کو قبول کر لیا، لیکن عملاً
انکا اجرا سلطنتی سلطان کے ہاتھ میں تھا،

اسکے بعد حنا بلہ اور شوانخ مین ایک ہنگامہ برپا ہوا، امام ابو جعفر نے پامردی سے اس
میدان کو سر کیا، آخر ملبطائف الحیل وہ قصر خلافت میں بلائے گئے، اور ایک حجرہ انکی اقامت کے لئے
مقرر ہوا، پہلے ملنے والوں کو آنے جانے کی اجازت تھی، اسکے بعد یہ حکم ہوا کہ صرف منتخب اشخاص
آنے پائیں، امام نے کہا اگر یہ حکم ہے تو آج سے مین خود کسی سے نہ ملونگا، پھر انکی حیثیت ایک قیدی
ہو گئی، حالت قید میں انھوں نے کہا ناچھڑ دیا، اور متصل روزہ رکنا شروع کیا، قوت نے جواب
دیا، عام مسلمانوں کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے شورش کی، حکام نے گھبرا کر رہا کیا، لیکن اسی وقت
روح بھی قید تن سے رہا ہو گئی،

کیا یہ پرنسپلریسٹنس (مقاومت متحملانہ) تھا !

یہ تو مقاومت متحملانہ کی ارادی صورت تھی، لیکن ذیل کا واقعہ اس سے بھی زیادہ المناک ہے
شریف مرتضیٰ ابوالمعالی حسینی سمرقند کے باشندہ تھے، خدا نے علم و عمل کے ساتھ دولت و نعمت بھی
سرفراز کیا تھا، امیر ترکستان نے ایک دفعہ انکو پیام بھیجا کہ اپنے باغ مین وہ اسکی دعوت کا سامان کریں
اور وہ خود اس جتن مین شریک ہوں، شریف نے کہلا بھیجا یہ ناممکن ہے کہ میرے باغ مین جہان قال اللہ
وقال الرسول کے ترانے بلند ہوں، امیر کے لئے وہاں رقص و سرود کی محفل برپا کیجائے، امیر یہ جواب
سن کر چراغ پا ہو گیا، اور دہوکے سے انکو گرفتار کر لیا، قید خانہ مین یہ احتیاط کی گئی کہ قوت انسانی کا کوئی
سرمایہ انکے پاس نہ پہنچے پائے، اسی حالت گرنگی مین روح نے تن کو الوداع کہا، اور صداقت و

۱۰ طبقات المحمداہلین رجب،

راستی کا فرشتہ ہماری زمین سے آسمان پر چلا گیا،

امام الائمہ حافظ ابن جوزی جبکہ فضل و کمال کی شہرت ہماری علمی محفلوں کی دلکش داستان ہے،
اور جنکی تصنیفات کا انبار ایک مستقل کتب خانہ ہے، ایک طرف تو انکی مقبولیت یہ بھی کہ ایوان خلافت میں
انکے لئے منبر بچایا جاتا ہے، دوسری طرف بعض امراء کے اشارہ سے انکو برصغیر تن قید و زنجیر میں
گرفتار ایک کشتی میں بٹھا کر بغداد سے واسطہ بھیجا جاتا ہے،

شیخ الاسلام عبد الغنی مصر کے امام تھے، بڑے بڑے سلاطین کے درباروں میں وہ اپنی
راستگاری اور قول حق سے زلزلہ پیدا کر دیتے تھے، ایک دن بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص کو
دیکھا کہ اسکے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں شراب کا شکیزہ ہے، امام نے دوڑ کر شکیزہ اسکے
ہاتھ سے چین لیا، اس نے تلوار نیام سے کھینچ لی، لیکن انھوں نے پروا نہ کی، اور شراب زمین پر
گرا دی، فتویٰ دیا کہ گانا بجانا جائز ہے، قاضی نے پیادہ بھیجا، تمہارے فتویٰ سے سلطان کی بزم
عشرت سرد ہو گئی، تم اگر اس باب میں مجھے مناظرہ کر جاؤ، جواب دیا کہ خدا تمہاری اور تمہارے
بادشاہ دونوں کی گردنیں مارے، مجھے مناظرہ کی ضرورت نہیں، خدا اور اسکے رسول کا حکم سامنے ہے،
موصول میں اس بنا پر انکو قید کیا گیا کہ انھوں نے حدیث کے ایک راوی کو ضعیف کہا تھا،
دوسری جگہ انکو اسلئے روپوش ہو کر صرف ایک تہ بند باندھ کر جلاوطن ہونا پڑا کہ ایک قدیم مصنف کی
۲۹۰ غلطیاں انھوں نے ظاہر کی تھیں، دمشق میں فتنہ گروں نے انکو جامع مسجد جانے سے روک دیا،
مصر میں ملک الکامل نے انکو جلاوطن کرنا چاہا، پھر ایوان شاہی میں قید کر دیا، ایک امیر کی سفارش پر
رہا ہوئے، غرض تمام عمر اسی بے اطمینانی میں گزری، تاہم جو فرض تبادہ کبھی ستر دک ہوا،

امام الاحرار علامہ ابن تیمیہ حرانی، جنکی کتنا چاہیے کہ عمر ہی قتلوں اور قید خانوں میں بسر ہوئی

سنتہ میں جب وہ پہلی دفعہ مسرہ میں قید ہوئے، علماء نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ یہ شرائط منظور کر لیں اور ان خیالات سے باز آجائیں تو انکو آزاد کر دیا جائے، علامہ نے قید گوارا کیا، لیکن اپنے خیالات سے آزادی گوارا نہ کی، قیدیوں کو کھانا کپڑا سلطنت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن علامہ نے عطیہ سلطانی بالکل انکار کیا، اور فقر و فاقہ سے بسر کی،

تیسری سیلاب نے جب ممالک اسلام کو زیر و زبر کرنا شروع کیا، اسکی لہریں سواحل شام تک بھی پہنچیں، علامہ شاہ مسرہ کے دربار میں پہنچے، اور نہایت دلیری اور بیباکی سے اسکو غیرت دلائی اور کہا اگر تم اسلام کا فرض ادا نہ کرو گے تو خدا کسی دوسری قوم کو بھیجے گا اپنا فرض ادا کرے گا، تمام دربار علامہ کی اس جرأت کو دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے،

علامہ، مسرہ، قاہرہ اور اسکندریہ میں ایک ایک دفعہ اور دمشق میں دو دفعہ قید ہوئے، اور ہر دفعہ اپنے خیال پر اس مضبوطی سے قائم رہے کہ ہلکے شرائط پر بھی وہ اپنے مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوئے، سوائے میں حلف طلاق کے مسئلہ میں جمہور علماء سے اختلاف کیا، اسپر ہنگامہ بڑا ہو گیا، سلطنت سے فرمان جاری ہوا کہ وہ فتویٰ نہ دینے پائیں، شہر میں اسکی عام منادیاں کرائی گئی، لیکن علامہ نے کہا حق کا چپانا جائز نہیں، چنانچہ بدستور فتویٰ دیتے رہے، بالآخر سلطان کے حکم سے وہ قید کئے گئے، اور پانچ مہینے کے بعد رہا ہوئے،

۲۰ برس پہلے علامہ نے فتویٰ دیا تھا کہ زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً حرام ہے یہ فتنہ خواہید اب بیدار ہوا، اور علامہ پھر قید خانہ میں تھے، علامہ کے بہائی شرف الدین پرمک کو کوئی جرم نہ تھا، لیکن غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بہائی کو تنہا چھوڑ دین، اپنی خوشی سے قید خانہ میں گئے، قید خانہ ہی میں انتقال کیا، جنازہ کی نماز قید خانہ سے باہر پڑھی گئی، زندہ بہائی کو اپنے بہائی کی میت پر آنکلی اجازت نہ ملی، قید خانہ ہی میں علامہ نے نماز جنازہ ادا کی، یہ ایسا دردناک منظر تھا کہ

لوگ تاب نہ لاسکے اور رو پڑے،

قید خانہ میں زیادہ تر اوقات تالیف و تصنیف، قرآن مجید کے حل نکات، مختلف سائل کی تحقیقات اور اطراف ملک سے جو فتویٰ آتے تھے انکے جواب میں بسر کی، یہ دیکھ کر حکم صادر ہوا کہ دوات و قلم بھی چین لیا جائے، دست و قلم بیکار ہو گئے تو زبان و دل نے اپنا کام شروع کیا، شب و روز قبیح و تہلیل اور عبادت و ریاضت میں بسر کرنے لگے، آخر اسی عالم میں جان دی، انکے مرنے کی خبر جب ملک میں پھیلی تو محروم شام سے چین تک مسلمانوں نے انکے جنازہ کی نماز غائبانہ پڑھی،

حافظ ابن القیم علامہ کے ممتاز اور مایہ ناز تلامذہ میں ہیں یہ اپنے استاد کے نام پر جان بیٹھے تھے انکے مجتہدات سے بہت کم انحراف کرتے تھے، انکی تصنیفات اب بھی علم و فن کا بڑا ذخیرہ ہیں، منقول و منقول دونوں میں بچا نہ تھے، علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات کی اشاعت زیادہ تر انہیں کی زبان و قلم سے ہوئی، بارہ برس یہ علامہ کی صحبت میں رہے تھے، علامہ کے ساتھ قید میں بھی کچھ عمر گزاری، شام میں حضرت ابراہیم غلیل اللہ کی قبر مشہور ہے، جو اب تک زیارت گاہ عوام ہے، حافظ ابن القیم نے بڑے حدیث خاص اس قبر کی زیارت کے لئے سفر کر کے جانا شرعاً حرام بتایا تا اس مسئلہ نے عوام میں براؤد خلگی پیدا کر دی، ادنٹ پر چڑھا کر شہر کے کوچہ بازار میں انکی تشہیر لگی، اور آخر فضل و کمال کے کنعان کا یوسف مھر کے زندان میں ایک مدت تک قید رہا، (دریکامنہ)

میں پچھلے سلسلہ واقعات میں ایک بزرگ کا نام چھوڑ آیا ہوں، شمس المائمہ محمد بن احمد الحنفی یہ فقہ حنفی کے معلم ثانی ہیں، امام نے ایک کلمہ صدق کے معاوضہ میں اوڑ گند (ترکستان) میں قید و بیکار گوارا کی، اسی قید خانہ میں بیکار امام نے مبسوط کی ۱۰ جلدیں تصنیف کیں، ہر جلد کے اخیر میں مصنف نے اپنے حال زار کا مرثیہ لکھا ہے، ہندوستان و بلوچ کو امام الہند شیخ احمد سرہندی کا نام معلوم ہوگا، جنہوں نے جاگیر کے دربار میں بجدہ و فطی بجالانے سے انکار کیا اور اسکے لئے قید سخت کی زندگی گوارا کی،

معرفت

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کی پہچان اپنے رب کو پہچان

از جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب کپورتہ

یہ حدیث کئی بزرگوں نے تصوف کی کتابوں میں نقل کی ہے، اور بعض نے اس کے صریح معنی نہیں لئے، بلکہ تاویل کی ہے، شاید ان کو اپنے زمانہ کے خیالات و حالات کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ہو، لیکن اس کے ظاہری معنی درحقیقت بہت بڑی صداقت کی تسلیم دیتے ہیں، یعنی یہ کہ انسان کے لئے اپنے نفس کی معرفت اپنے رب کی معرفت کا ذریعہ ہو جو لوگ موجودات عالم میں غور و تامل کیا کرتے ہیں، ان کے لئے معرفت الہی کا یہ طریق سب سے زیادہ سیدھا و سہل ہے اس لئے سطور ذیل میں اس مسئلہ کی بحث پیش کی جاتی ہے،

اصل میں علم اور معرفت کے ایک ہی معنی ہیں، اس لئے پہلے جب تک علم کی تعریف نہ کر دی جائے عنوان کی حدیث کے معنی بخوبی واضح نہیں ہو سکتے، انسان کے علم حاصل کرنا ذریعہ اس کی ظاہری و باطنی حواس ہیں، حکماء نے ان حواس کی تقسیم مختلف طریقوں سے کی ہے، لیکن بیان سلسلہ زیر بحث واضح کر سیکے لئے مختصر طور پر ان کا بیان کافی ہوگا،

پانچ حواس تو ظاہری ہیں، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لاسہ، جو تصویریں روشنی کے ذریعہ سے بن سکتی ہیں، وہ قوت باصرہ سے محسوس ہوتی ہیں، جو صورت کسی مادی شے کے اجزاء میں توجہ جو کر پیدا ہوتی ہے وہ قوت سامعہ سے محسوس ہوتی ہے، اگرچہ ہوا کے اجزاء کا توجہ عام طور پر اس حس کی خدمت کرتا ہے، لیکن پانی، لکڑی، دھات وغیرہ کے اجزاء کا توجہ بھی آواز کی صورت میں

محسوس ہوا کرتا ہے، جو اجسام ایسے ہیں کہ ان کے اجزاء لطیف بخاری یا ہوائی صورت میں اٹھ کر منتشر ہوتے رہتے ہیں، جب وہ ناک میں داخل ہوتے ہیں تو حسِ سامہ کے ذریعہ سے انکی ہر طرح کی بو کا احساس ہوتا ہے، جو چیز بخہ کی رطوبت میں حل ہو کر زبان کے عصبی ریشوں پر اثر کرتی ہے، اس سے ذائقہ کا حس پیدا ہوتا ہے، حقِ لامہ کے اعصاب تمام جسم میں پھیلے ہوئے ہیں، اُن سے سردی گرمی، خشونت، ملامت وغیرہ کے احساس ہوتے رہتے ہیں،

ان پانچ کے سوا ایک اور حس ہے اُسکو بھی ظاہری جو اس کے ساتھ شمار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ ”حسِ عضلاتی“ ہے، اس کے ذریعہ سے وزن اور مزاحمت کا احساس ہوتا ہے، ان چہ محسوس کے سوا ایک اور حس ہے جو تمام اجزاء بدن میں موجود ہے، اسکی کوئی خاص صورت بیان نہیں کیجا سکتی ہے، لیکن اسکا احساس بے انتہا صورتوں میں ہوتا رہتا ہے اس لئے اُسکو ”حسِ عام“ کہنا چاہیے، جسم کے کسی حصہ میں کوئی غیر طبعی حالت کسی وجہ سے پیدا ہو تو کسی قسم کا حس پیدا ہو جاتا ہے، جو انسان کو غیر طبعی حالت کے قوع سے متنبہ کرتا ہے، مثلاً دردِ بخارش، غثیان، پیش، گھبراہٹ وغیرہ، بینا رصورتیں اس حس کی ہیں، اور معمولی حالات بھی محسوس ہوتے رہتے ہیں جیسے ہوک، پیاس، تھکان وغیرہ۔ اور ہر ایک ضرورت کے پوری ہو جانے سے جو ایک اطمینان اور تسلی کا احساس ہوتا ہے، وہ بھی ایک طرح کا حس ہے لیکن ایسے احساسات کے لئے کوئی خاص قسم کے اعصاب معلوم نہیں ہیں، اور انکی صورتیں غیر مقررہ درمیان ہیں اس لئے کوئی حکیم انکی تقسیم اور تعریف کے درپے نہیں ہوا، ایک عام لفظ وجدان کا ان پر اطلاق کر دیا جاتا ہے، جو اس باطنی کی تقسیم میں حکماءے تقدیر اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے، اُن کا دماغ کے خاص خاص حصوں کے ساتھ مخصوص کرنا بالکل بے دلیل ہے، البتہ ان حواس کا علم ہر ایک انسان کو ہے جو معمولی حالات میں ضروری طور پر فعل کرتے رہتے ہیں، ان میں سے

ایک "حس مشترک" ہے، جس میں ساری صور حسیہ کا جو کسی حس کے راستہ سے آئین اور اک ہوتا ہے دوسری "قوت تخیلہ" ہے، جس میں محسوسات سابقہ کی صورتوں کا محسوسات موجودہ کی صورتوں کے ساتھ مقابلہ ہو کر انکی جماعت بندی اور تقسیم ہو جاتی ہے، مثلاً ایک شخص جب گلاب پھول دیکھتا ہے اور اسکی صورت قوت تخیلہ میں جاتی ہے تو پہلے پھولوں کی صورتیں جو ذہن میں موجود ہیں اُن سے مقابلہ ہو کر گیندے اور چنبیلی کے پھولوں سے متمیز اور گلاب کے پھول کی صورت کے ساتھ متحد ہو کر حافظہ میں داخل ہو جاتی ہے، ایک "قوت داہمہ" ہے، اسکا یہ کام ہے کہ قوت تخیلہ میں جو صورتیں حاضر ہوں یا حاضر کر کے ان میں کمی بیشی تغیر تبدیل کر کے نئی صورتیں بنالیتی ہے، یہ قوت فنون شاعری، مصوری، اور ہر طرح کی ایجاد میں مدد دیتی ہے، ایک "قوت متفکرہ" ہے، جو مقدمات معلومہ کو حاضر کر کے انکا مقابلہ کرتی ہے، اور اس مقابلہ سے نتائج نکالتی ہے،

درحقیقت "قوت حافظہ" کو جو اس باطنی میں شمار کرنا نہیں چاہیے کیونکہ جو صورت ذہنی قوت حافظہ میں جمع رہتی ہیں انکا حس نہیں ہوا کرتا، جو قوت وہ تخیلہ میں نفس کے سامنے حاضر ہوں تب انکا حس ہوتا ہے، ایک "قوت انتخابی" ہے جو فکر کے نتائج میں سے کسی نتیجہ کو عمل کے لئے اختیار کر لیتی ہے اور پھر "قوت نفوذی" ہے جو انتخاب کے ہوئے نتیجہ کو عمل میں لانے کے لئے افعال اختیار کیے کے اعضا کی خدمت کرنے پر لگا دیتی ہے،

ان محسوسات اور مدرکات کے ذریعہ سے جو حالات نفس پر وارد ہوتے ہیں، انکو حالات ذہنی کہتے ہیں، ان حالات ذہنی سے وجدانیات اخلاقی پیدا ہوتے ہیں، جیسے محبت، عداوت، غم، غصہ، خجالت، نفرت، حقارت، حرص، وغیرہ ہیں، اصل میں انسان کے اعمال کے اصول یہ وجدانیات ہیں، یہی حالات انسان کو عمل کرنے پر براہِ نگیختہ کرتے ہیں، محض علم کسی شے کا انسان کو عمل کیلئے

مطلوبہ باطنی کے بیان میں پوری پوری حکماء تعلیم کی اور نہ متاخرین کی بیرونی گئی ہر ایک فقرہ اور نہ وہم طریق ضرورت کے موافق اختیار کیا گیا

طیارہ بنیں کرتا، مثلاً جب کسی مرغوب شے کا ادراک ہو تو وجدانِ رغبت اس کے حاصل کرنے کے لئے اعضائے جسم کو حرکت میں لایگا، اسی طرح خوفناک شے کا ادراک اس شے سے بچنے کے لئے عمل کی تحریک کریگا، غرض ان دونوں صورتوں میں عمل کے موجب رغبت اور خوف ہوتے ہیں، اور کسی شے کا محض ادراک اور علم عمل کا موجب نہیں ہوتا،

جب حواس مذکورہ کے ذریعہ سے کوئی صورت حسی ذہن میں پہنچتی ہے تو فطری اور طبی طور پر اس شے کے خارج میں موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے، اور یہ صورت حسی اس کی صفت اور وہ شے خارجی موصوف بھی جاتی ہے، جب ایک شے کی کچھ صفیتیں معلوم ہوتی ہیں تو کہتے ہیں کہ اس شے کا علم ہو گیا، اس شے کو پہچان لیا، کیونکہ ہر ایک شے کی صفیتوں کا مجموعہ اس شے کی ماہیت پیدا کرتا ہے، جس کے ذریعہ سے انسان اس شے کو جانتا اور پہچانتا ہے، اور بقدر ایک شے کی صفات کا علم زیادہ ہو جاتا ہے اسقدر اس شے کی ماہیت کا علم بڑھتا جاتا ہے، اور اسقدر انسان اس شے معلوم سے فائدہ حاصل کرنے کی زیادہ قدرت پاتا ہے،

اسی طرح سے کسی شے کی صفات معلوم ہونے سے انسان کو وہ طرح کا علم حاصل ہوتا ہے، ایک علم شہودی، اور دوسرا علم ایمانی، مثلاً جب مین ایک درخت کی صورت کا احساس کرتا ہوں تو جو اس کے ذریعہ سے اس درخت کی شکل، قد، رنگ، بو، نرمی، سختی اور ذائقہ وغیرہ کا احساس کرتا ہوں، اور یقین کرتا ہوں کہ یہ سب صفیتیں اس درخت کی ہیں جو خارج میں یعنی میرے ذہن کے باہر عالم میں موجود ہے، ان صفات کا علم شہودی ہے، اور اس درخت کا علم ایمانی ہے، کیونکہ انسان صفات کو براہ راست محسوس کرتا ہے، اور ساتھ ہی فطری طور پر یقین کرتا ہے کہ یہ صفات اس شے کی ہیں، جس نے میرے ذہن میں ان خاص صورتوں میں اثر کیا ہے، اور اس شے کی ذات کا علم محض ان صفات کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے، چونکہ درخت کی ذات صفات سے علیحدہ ہو کر ہمارے نفوس پر کسی طرح اثر نہیں کرتی ہے

اس واسطے درخت کی ذات کا علم شہودی نہیں ہو سکتا، صرف ایمانی ہوتا ہے، لیکن ایمانی علم شہودی علم سے بھی زیادہ یقینی ہوتا ہے، کیونکہ صفات شے کی بدلتی رہتی ہیں، ذات شے کی نہیں بدلتی، یہی درخت کبھی چھوٹا ہوتا، پھول، پھل، اسمیں کچھ نہیں ہوتا، رفتہ، رفتہ بڑھتا گیا، اور پھول پھل لانے لگا، پھر خشک ہونے لگا، غرض اسی طرح سے صفات اسکی بدلتی رہیں، لیکن ذات ایک ہی رہی، اسی طرح سے انسان کبھی بچہ ہے، کبھی جوان ہے، کبھی بڑھا ہے، اسکا قد، علم، طاقت، صورت سب بدلتی رہتی ہیں، لیکن وہی انسان جسکی صفات اس طرح سے بدلتی رہی ہیں، پیدائش سے میکروت کے وقت تک اپنے خیال میں اور دوسرے دیکھنے والوں کے خیال میں ایک ہی رہا ہے، اسکی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہو شہودی اور ایمانی علوم کے متعلق انسان کے ذہن میں پانچ اصول طبعی طور پر مقرر تکرر ہیں، ایک یہ کہ صفات ذات کا عین نہیں ہوتیں، دوسرے یہ کہ صفات ذات سے پیدا ہوتی ہیں، تیسرے یہ کہ ذات کا وجود خارج میں مستقل ہے، چوتھے یہ کہ صفات کا وجود مستقل نہیں ہوتا، بلکہ کسی مستقل وجود پر موقوف ہوتا ہے، پانچویں یہ کہ صفات کے تغیر سے ذات میں تغیر نہیں ہوا کرتا، ان پانچ امور کی اتنی صداقت ہونے پر ہر ایک وجدان سلیم شہادت دیتا ہے، اسلئے یہ اصول بدیہی ہیں، دلیل کے محتاج نہیں ہیں، شہادت سے بڑھکر کوئی اور شے یقینی نہیں ہو سکتی،

یہاں تک علم کا جو بیان اور اسکی تعریف کی گئی ہے وہ موجودہ ضرورت کے واسطے کافی ہے، اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ نفس کیا ہے؟ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک شے کا علم اسکی صفات کے احساس سے حاصل ہوا کرتا ہے، اسی طرح سے نفس کا علم بھی صرف اسکی صفات کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، نفس کی صفات نفس کے حالات میں منحصر ہیں، یعنی نفس کی ہر ایک حالت جس سے نفس متاثر ہوتا ہے، نفس کی صفت ہے، انسان کے نفس حساس پر مختلف حالات وار ہوتے رہتے ہیں، کبھی سردی ہے، کبھی گرمی، کبھی آرام ہے، کبھی تکلیف، اسی طرح سے ہوا، بھوس،

غم، خوشی، رغبت، نفرت، محبت، عداوت وغیرہ نفس کے حالات ہیں، اور نفس کا یہ خاصہ ہے کہ محض اصداد اور تفاوت اور تمایز اثرات سے متاثر ہوا کرتا ہے، جہاں تمیز اور تفاوت نہیں وہاں نفس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، مثلاً گرمی کا احساس، اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ٹھنڈا احساس اور آرام کا احساس بھی ہو سکتا ہے جب پہلے تکلیف کا احساس ہو، کیونکہ علم تمیز کا نام ہے، جہاں تمیز نہیں وہاں علم ناممکن ہے، مگر سیری مراد اس علم سے علم شہودی ہے، علم ایمانی کے لئے یہ شرط بالکل نہیں ہے،

غرض نفس وہ شے ہے جو حالات تفاوتہ اور تمیزہ سے متاثر ہوتا رہتا ہے جیسے علم شہودی خارجی موجودات کا علم ایمانی حاصل ہوتا ہے، اسی طرح سے علم شہودی سے نفس کے وجود کا ایمانی علم حاصل ہوتا ہے، اور ساتھ میں وہی پانچوں اصول فطری جو اعلیٰ بیان کے گئے ہیں، صفات نفس اور ذات نفس سے ضروری تعلق رکھتے ہیں یعنی یہ حالات متغیرہ نفس کی صفت ہیں جیسے یہ حالات وارد ہوتے رہتے ہیں، نفس بالاستقلال اور بذات خود موجود ہے، یہ حالات اپنے وجود میں نفس کے محتاج ہیں، اور نفس انکا محتاج نہیں ہے، اور یہ حالات نفس کا عین نہیں ہیں، یہ امور ایسے فطری ہیں کہ کوئی انسان سلیم الخواس ان امور میں اختلاف نہیں کر سکتا، جو شخص انہی سال کا ہو وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ پیدائش سے لیکر آج تک شخص واحد رہا ہوں، اور ہزاروں قسم کے حالات مجھ پر ہوتے رہے ہیں اور گزرتے گئے ہیں، ان حالات کے تغیر سے سیری ذات میں تغیر کبھی نہیں ہوا۔

انسان کے علم شہودی سے تین معلومات حاصل ہوتی ہیں، اول صورتِ حسیہ جو براہِ راست محسوس ہوتی ہیں، دوسرے ان صورتِ ذہنیہ کی علت جو خارج میں موجود ہوتی ہے، تیسرے ان صفات کا مظہر یعنی نفسِ مدرکہ۔ یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ صفات موصوف کے ساتھ متحد نہیں ہیں اور مظہر کے ساتھ علیٰ متحد نہیں ہیں، موصوف کے ساتھ انکا معلولیت کا تعلق ہے، یعنی موصوف ان

صور ذہنیہ کی علت ہے، اور منظر کے ساتھ انکا محبت کا تعلق ہے، کہ نفس پر یہ حالات وارد ہوتے رہتے ہیں، مگر نفس کے ساتھ متحد نہیں ہیں، ان امور پر غور کرنے سے نفس کی یہ تعریف ہوئی، وہ جو ہر جو مور و حالات مختلف ہو کر ان حالات کا احساس کرتا ہے، اور انکو ایک دوسرے سے تمیز کرتا ہے، نفسِ مدرکہ کہلاتا ہے، چونکہ تمیز اور تفادیت علم کی شرط ہے، بغیر تمیز کے احساس نہیں ہو سکتا ہی اسلئے اس تمیز کا وجود محض حالات وارہ نفس میں ہوتا ہے، ان حالات کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتا یعنی تمیز و تفادیت کا وجود صرف عالم ذہن میں ہے اور کہیں نہیں ہے، کیونکہ تمیز کرنا ذہن کا خاصہ ہے جو ذہن کے سوا اور کہیں نہیں پایا جاتا،

نفس کی معرفت سے رب کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف ایک قدم بڑھنے کی ضرورت ہے پھر رب کی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے، جو صورتیہ کسی موصوف کے وجود خارجی پر دلالت کرتی ہیں وہ خود متغیر اور حادث ہیں، یہ امر تو بدیہی ہے اور موصوف جو انکی علت ہے بذات خود قائم ہے، یہ نظری وجدان کی شہادت ہے، اور دلالت التوہیدی کے طور پر اس ذات کا وجود واجب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو صفوتوں کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا، وہ کسی طرح متغیر نہیں ہو سکتا اسلئے واجب ہے، اب یہ بات معلوم کرنی باقی ہے کہ یہ موصوف جو متعدد معلوم ہوتے ہیں، یہ تعدد موصوف میں ہے یا نفس میں ہے، یا محض حالات نفس میں ہے، اس میں تو شک نہیں کہ یہ تعدد حالات نفس میں ہے، کیونکہ بغیر تمیز اور تعدد کے احساس ممکن نہیں - لیکن جو صور محسوسہ کی علت ہیں اس میں بھی تمیز اور تعدد جیسے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے حقیقت میں ہے یا نہیں، اس بات کو معلوم کرنا چاہئے عالم ذہنی اور عالم خارجی اس میں ایسے مختلف ہیں کہ جو شے ایک میں ہے وہ دوسرے میں نہیں، عالم ذہنی محض صفات کا محل ہے، اور عالم خارجی محض ذات کا محل ہے، اگر عالم خارجی میں تمیز اور تفادیت تسلیم کیا جائے تو اسکے یہ معنی ہوں گے کہ ذہن و بان موجود ہے جہاں ذہن موجود نہیں ہے کیونکہ

تیز ذہن ہی کا فعل ہے، اگر خارج از ذہن تیز نہان پچائے تو یہی معنی ہو سکے کہ ذہن خارج از ذہن موجود ہے یہ اجتماع یقینین ہے اسلئے 'خارج' میں تیز بہن ہے، لیکن وجود ضرور ہے، کیونکہ یہی وجود تصور ذہنیہ کی علت ہے۔ اگر یہ وجود ہو تو تصور ذہنیہ کہاں سے پیدا ہوں، اسلئے 'وجود خارج' میں ہے اور اس میں تیز نہونیکے باعث وہ وجود واحد ہے، اور یہ وجود قابل تغیر بھی نہیں ہے، کیونکہ اس میں تیز ہوا تو تفادات اور تیز ہوئی، حالانکہ تفادات اور تیز کا وجود ذہن کے خارج ممکن نہیں۔

اس امر کی دلیل کہ حالات نفس کا وجود خارج میں نہیں ہے تلاش کرنیکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ امر یہی ہے۔ کسی شے کے دیکھنے سے انسان کو خوشی ہوتی ہے، اور کسی شے کے دیکھنے سے خوف یا غم ہوتا ہے، ایسا نادان کوئی شخص نہیں ہے جو یہ کہے کہ خوشی، خوف، اور غم خارج میں موجود ہیں وہاں سے میرے نفس میں داخل ہوتے ہیں، بلکہ ہر ایک شخص طبی طور پر اس بات کو جانتا ہے کہ خوشی، خوف، غم وغیرہ میرے نفس کے حالات ہیں، صرف انکا سبب خارج میں موجود ہے، یہ حالات خارج میں موجود نہیں ہیں، علاوہ اسکے اور بہت سی شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ حالات ذہنی ذہن میں ہی محدود ہیں، خارج میں انکا وجود نہیں ہے، مثلاً ایک برتن میں 'تو' درجہ کی حرارت کا پانی ہوا، اس میں ہاتھ ڈالنے سے کسی کو وہ پانی سرد معلوم ہوگا، کسی کو گرم معلوم ہوگا، جسکا ہاتھ سرد ہوا، اسکو گرم معلوم ہوگا، اور جسکا ہاتھ گرم ہے، اسکو سرد معلوم ہوگا، حالانکہ پانی ایک ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سردی گرمی کا وجود ذہن کے ذہن میں ہے، خارج میں کہیں نہیں ہے، اسی طرح سے متعفن، مہارگوشت کو چیل کو سے بڑے مرنے سے کہاتے ہیں، انسان اسکے قریب جانے سے بھی نفرت کرتا ہے، حالانکہ خارج میں وہ چیز ایک ہی ہے، غرض حالات نفس کے تفادات صرف حالات نفس ہی میں منحصر ہیں، خارج میں انکا وجود کہیں نہیں ہے، اگر کسی کو ایک چابک زور سے مارا جائے تو اسکو بڑی تکلیف ہوگی، اس تکلیف کی علت تو چابک کا لگنا ضرور ہے، لیکن وہ تکلیف جو اس نے محسوس کی ہے، چابک میں

موجود نہیں ہے، پس جب خارج میں تمیز و تفاوت نہ ہوتا تو اتینیت اور تعدد بھی خارج میں نہیں ہو سکتا، اسلئے جو وجود خارج میں موجود ہے وہ واحد ہے،

اب بیان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم تہودی دو وجودوں پر دلالت کرتا ہے، ایک وہ وجود جو صفات کی علت ہے، اور دوسرا وہ وجود جو صفات کا مظہر ہے، اگر یہ دو وجود ہوں تو خارج میں تفاوت اور تمیز جو ہوئی، اس کا جواب ظاہر ہے کہ مظہر ہونا اور علت ہونا خود امور اعتباری اور ذہنی ہیں، خارج میں کوئی حقیقت میں علتِ صورتِ ذہنیہ، اور مظہرِ صورتِ ذہنیہ، دونوں ایک ہی ہیں، جیسے آفتاب، مانتاب، ستارے، ہوا پانی، زمین، حیوانات، نباتات، جاوات سب مختلف اشیاء معلوم ہوتی ہیں، لیکن انکا ماہ الامتیاز جو انسان کے ذہن میں ہے، اس سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو ان میں تفاوت یا تعدد ہونا ممکن ہی نہیں، موجودات عالم پر اور اپنے نفس پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالم میں صرف ایک وجود ہے، جو غیر متغیر قدیم اور واجب ہے، اور دوسرا اسکا ظہور ہے، وہ حادث اور متغیر اور ممکن ہے، وجود ایک سے زیادہ ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ایک سے زیادہ ہو تو تفاوت ہو گیا، اور تفاوت نام ظہور کا ہے، اور ظہور میں کثرت لازم ہے،

غرض جب تک متضاد حالات نفس پر وارد نہ ہوں احساس ناممکن ہے، اسلئے اس عالم میں ایک وجود ہے، اور بے انتہا اسکے ظہورات ہیں، یہ وجود ”رب“ ہے اور یہ ظہور تمام اسکی صفات اور شیونات کے مظاہر ہیں،

بانی



ارض القرآن حصہ دوم، جین ابراہیمی عربوں کی تاریخ، اور عرب قبل اسلام کی

تجارت الزبان اور مذاہب کی تشریح ہے، لکائی، چھپائی، کاغذ اعلیٰ، قیمت عام

مینجر دار المصنفین

ابن مین

اور انکی شاعری

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالافتان

ایران قدرۃ ہر جنیت سے شاعری کے لئے موزون ملک تھا، اور یہی سبب ہے کہ شعرا کی جتنی بڑی تعداد اسکے چند مشہور شہروں سے الگ الگ جمع ہو سکتی ہے، غالباً ایشیا کے اور کسی پورے ملک سے بھی نہیں ہو سکتی، لیکن ان تمام شعرا میں سے اگر ہم صرف ان اشخاص کو منتخب کرنا چاہیں جنکی شاعری محض رسمی یا کسی سطحی مقصد کی بنا پر تھی، بلکہ انکا کوئی خاص خیال یا نصب العین تھا جسکی توسیع و اشاعت کا بہترین ذریعہ انکی شاعری تھی، تو ہم کو گنتی کے چند نام مل سکیں گے، سعدی، حافظ، عمر خیام، اور ابن مین یا چند اور صوفی شعراء، سعدی کا کلام گونا گون پند و نصائح کا مجموعہ ہے، حافظ اور عمر خیام راز حیات انسانی یعنی عیش و سرور کے نقیب ہیں، صوفی شعراء کا تامل ترشہ بادہ توحید و وحدت وجود سے ہے، ابن مین کی شاعری بھی اخلاقی و معاشرتی نصائح اور انسانی راز زندگی کی تفسیر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض جداگانہ خصوصیات کی بنا پر انکی شاہراہ سب سے الگ نظر آتی ہے،

فارسی شاعری لمحاظ مضامین جن انواع و اقسام کا مجموعہ ہے، ان میں فلسفہ و اخلاق کا بھی مستند حصہ ہے، فلسفہ کا موضوع حقائق اشیاء ہے، اور اس لحاظ سے یہ بالکل ایک خشک عنوان ہے لیکن فارسی شاعری کی زبان سے جب اسکے رموز و نکات ادا ہوتے ہیں تو ان میں عجیب لطافت و دلآویزی آ جاتی ہے، اسی طرح اخلاق کا موضوع وہ اصول و عملیات ہیں جنکی بنا پر انسانی زندگی ہر جنیت سے کامیاب ہو سکتی ہے، بظاہر انکا تعلق علم معاشرت اور علم سیاست مدن سے ہے،

اب انکا پورا کلام تو بہنیں ملتا، کیونکہ اسکا زیادہ حصہ سرمداروں کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا لیکن اُنکے قطعات اور چند غزلوں کا مجموعہ موجود ہے جو اس وقت میرے سامنے ہی، تذکرہ دن سے معلوم ہوتا ہے۔ ابتدا میں غزل اور قصیدہ سب کچھ کہتے تھے، سرمداروں انکا مدوح ہوتا، لیکن جیسا کہ موجودہ کلام کے مطالعہ سے ہر شخص اُنکی اصلی فطرت کو معلوم کر سکتا ہے، یہ چند روزہ مداحی و قصیدہ خوانی اس فطرت کے قطعاً خلاف تھی، اسلئے وہ بہت جلد شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، اور تھوڑی سی زمین جو اُنکے قبضہ میں تھی اسکی کاشتکاری سے تمام زندگی بسر کر گئے، چنانچہ خود کہتے ہیں،

مدتے شعر زہر نوح کہ آمد، گفتم	لفظ و معنی بلبل سان کہ پسند و ہمس
غزل از روے ہوس بود و مداح ز طبع	نہ طمع ماند کنین و رد دل تسکین نہ ہوس
زین پس اے ابن یحییٰ دام طبع باز بخش	غلبو تے ز قوالائق بنود ہمسر گس
صحت و وجہ معاش و ہمہ اسباب بکام	نما سپاسی مکن انصاف بدہ اینست بس
بنشین فاسخ و تیار منہ بر دل از ان	کہ پوشا بان نرود و مکتب از پیش نہ پس

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کے دامن پر مداحی و رندانہ تغزل کا دھبہ بیحد بدنام ہوتا اسلئے اُنکے دیوان کے وہ ادراک جن پر یہ دھبے تھے ضائع ہی جائیکے لائق تھے قدرت نے انکو ضائع کر کے یہ دھبہ خود اپنے ہاتھوں سے دھو دیا، لیکن اسکا افسوس ضرور ہے کہ ساتھ ہی حکیمانہ و اخلاقی نصائح کے چند گراں بہا ورق بھی برباد گئے، بہر حال ابن یحییٰ کا جو کچھ بھی کلام بچا کچھ پارہ گیا ہے وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک صاف شفاف آئینہ ہے، چنانچہ اس آئینہ کا آئینہ ساز اپنے جوہر شاعری پر فخر کنان کہتا ہے،

منت ایزد را کہ ہستم با قناعت ہمیشہ	نیستم با کس رجوع کر تقیم در صحیح
نگذرم بر صدر مخلوق اگر کریم ست و لیم	نگذرم بر روی مشتوق اگر قبیح است و ملیح

دین نہ پھانست خوانِ شعر گسروم چنانکہ در مذاق عقل باشد با حلاوتِ سحر
 ختم برین شد سخن، بچونکہ معجز بر بختی دین سخن بر ردے اہل لطفِ یگرم فصیح (نہایت)
 درنداری باورم شعرے ز دیوانم بخوان تا از آیات معجز در نظر آید صریح
 کو مرا ممدوح نامد حش کو کم آنچنانکہ لفظ آن باشد فصیح و عرصہ معنی فصیح (کشادہ)
 ان اشعار کو پڑھکر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ترک طبع و ہوس اور قناعت کی طرف انکی
 طبیعت کا اصلی رجحان ہے، اور یہی طبعی رجحان الفاظ کے قالب میں شعر بنکر نکل رہا ہے پھر ساتھ ہی
 ایک لمحہ کے لئے انکی زندگی کو سامنے لاؤ تو صاف نظر آئے گا کہ انکی زندگی انکے دلی خیالات کا آئینہ ہے
 ابن یسین نے فلسفہ اخلاق کے جہدِ رگوناگون راز فاش کئے ہیں اور جن نکتوں کو سوسو پہلو
 و بن نشین کرنا چاہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انکو چند عنوانوں میں بیان کرنا آسان نہیں، اسلئے انکے
 خیالات اور تعلیمات کی ہم ایک اجمالی فہرست بیان دیتے ہیں،
 حوادث کا مقابلہ صبر و تحمل سے معاوضہ عمل دوستی
 عزت و تنہائی علم و حکمت کے لئے سعی و جہد دوستوں کو رنجیدہ نہ کرو
 وقت کی قدر و قیمت خود داری طلب علم کی ترغیب
 توکل، قناعت اور استغناء ظاہر و باطن کی گیرنگی حمد سے پرہیز
 آزادی اور اعتدال کی تعلیم تواضع کے ساتھ کرنا چاہیئے اپنی خدمت آپ کرنا چاہیئے،
 آسمان کی دون پروری حسن سلوک نیکی کا ثمرہ
 عوام سے علیحدگی فقدانِ احباب بادشاہوں کے خصائص
 دنیا کی حقیقت ہمت عالی انسانوں سے حاجت طلبی
 رضا بالقضا، خاموشی بدگوئی و عیب جوئی

کم آمیزی	موت کی یاد	جہان کی خدمت
قول و عمل	ہمسایہ و قرین	زمانہ حال کو ضائع نہ کرو
ترک طبع	خدا کے سوا ہر شے فانی ہے	کبر و غرور
سکرام اخلاق	وجہ کفاف ہو تو نوکری نہ کرو	مردمی کیا ہے
تبع و ظلم کا موازنہ	رزق محنت سے حاصل کرو	محتاجوں کے کام آؤ
حاصل عمر	کوئی بڑا منصب پا کر چھوٹوں کو نہ بھولو	حلم کی نصیحت
ترک احسان پذیری	آخرت طلبی	عمل صالح کی ترغیب
مردوں سے استعانت نہ کرو	اپنا راز کسی سے نہ کو	وسیع المشرب
کذب کی مذمت	یکینامی	ایذارسانی سے پرہیز
.....	آخرت کا خیال

بظاہر یہ نظر آئیگا کہ یہ تعلیمات اور مسائل ابن یمن کے ساتھ مخصوص نہیں تمام اخلاقی شعائر تقریباً الٹ پلٹ کر انہیں خیالات کو ادا کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بڑی جمیر میں کتر ایسے ہیں جنکے خیال اور عمل میں اتحاد ہو، یا جنکے اخلاقی مواءع کا تیر کبھی کبھی بہک کر اصل مجملہ اخلاق یعنی مذہب کے کسی پہلو کو زخمی نہ کرتا ہو، شیخ سعدی کے قصاید اور خواجہ حافظ کی غزلیں سلاطین اور امرا کے محامد سے برتر ہیں، عمر خیام نظام الملک اور ملکشاه کا وظیفہ خوار تھا، اور بہت مسائل میں اسکی تعلیم مذہبی مسائل سے ملکتی ہے، اور بہت سے اخلاقی شعائر ہیں جنکا یہ حال ہے کہ انکی زبان ایک طرف تو قناعت و توکل کے مضامین کا دریا بہا رہی ہے، دوسری طرف سلاطین و امرا سے جن طلب کے لئے نئے پہلو ادا کر رہی ہے، لیکن ابن یمن کا قال شکے حال کے مطابق ہے، اسلئے اسکے تمام کلام میں یہ دو خصوصیتیں ہر جگہ نمایان نظر آتی ہیں،

- (۱) وہ جن خیالات و اعتقادات کی تلقین کرتے ہیں ان میں مذہبی نقطہ نظر سے کبھی دُرہین نہیں ہٹے،
 (۲) جو کچھ کہتے ہیں اسکا عملی نمونہ خود زندگی میں ہی اسلئے جو اثر اور جوش اُنکے کلام میں ہے، وہ کسی دوسرے میں نہیں،

یہ دو خصوصیتیں درحقیقت اس درجہ اہم ہیں کہ اُنکو ممتاز شاعر سے بڑا کر ایک بلند پایہ اور قابل تقلید انسان بنا دیتی ہیں،

اصولاً اخلاقی شاعری پر ان متعدد حیثیتوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

- (۱) کس قسم کے اخلاق کی تعلیم دی،
 (۲) شاعر جوش بیان میں اعتدال کی حد سے توہین گذرا،
 (۳) جن الفاظ اور تشبیہوں کے ذریعہ اخلاقی نکتے بیان کئے اُنکے انتخاب میں کسی قسم کی بے اعتدالی توہین کی،

ان تین باتوں کو پیش نظر رکھ کر ہر اخلاقی شاعری پر نظر ڈالنی چاہیئے،

فارسی شعرا میں متعدد اشخاص ہیں جنہوں نے قناعت، توکل، مذمت طمع اور ترک ہوس کو گونا گون پہلو سے ادا کیا ہے، لیکن جس زور، جس خوبی اور جس اثر سے ابن یسین کے اشعار بھرپور ہیں وہ اور وہاں کو نصیب نہیں، اسکا سبب صرف یہ ہے کہ اور لوگ بہ تکلف اور شاعری کے رسمی اصول پر ان خیالات کو نظم کرتے تھے، بخلاف اسکے ابن یسین پر قناعت، توکل اور گوشہ گیری کا نشہ چھا گیا ہے، اسلئے اُنکے ہر فقرے اور ہر جملے میں اس باوہ تشدد کی سرسستی ہوتی ہے،

فارسی کی اخلاقی شاعری میں قناعت ایک عام مضمون ہے جسکو تمام شعرا نے مختلف پیرایوں سے لکھا ہے، لیکن قناعت کی جو تصویر ابن یسین نے کھینچی ہے وہ سب سے الگ ہے،

”و قرص نان اگر از گندم است یا از جو
 و دتا سے جامہ لکر کہ نہ است یا از نو“

بہ چار گوشہ دیوار خود بخاطر حج کہ کس نگوید از نیجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بر نزد ابن یمن ز فز مملکت کی قباد و کی خسرو

اگر دو گاد بدست آوری و مرزئہ یکے امیر دیکے را وزیر نام کنی
ہزار بار از ان بہ کہ از پے خدمت کمر بہ بندی و بر مرد کے سلام کنی

عام طور پر ہمارے شعرا کی تعلیم قناعت کا یہ نتیجہ سمجھا جاتا ہے کہ اسکے باعث انسان اسباب
عالم سے بے نیاز ہو کر سعی و عمل کے جگر دن سے کنارہ کش ہو رہتا ہے، اور اس طرح اپنی جمعیت
و قوم کے لئے بار ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ بعض شعرا کے غیر معتدل طرز کلام سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہو
لیکن ابن یمن جس قناعت کی تعلیم دیتے ہیں اور جس انداز سے دیتے ہیں وہ اس اعتراض سے قطعاً بری ہے
ابن یمن قناعت کی فصاحت کرتے ہیں لیکن سعی و عمل کی دعوت سے انکی زبان نہیں گنتی، وہ صرف
ضرورت سے زیادہ کی ہوس اور فقیرانہ احتیاج کو قناعت کے خلاف قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک
دوسرے موقع پر کہتے ہیں،

ہر کہ دار و کفاف عیش جہان کہ نہا شد در ان بکس محتاج
کلبہ نیز باید شش کہ بہ آن نکلند ہر دمش کسے اخراج
در جہان بادشاہ وقت خود است این چنین کس نہ بنگرد سوسے تلج
بیشتر ترین مجوسے ابن یمن تا بمانی مگر ازین محتاج

استغنا غریب اور قلیل البضاعتی ایک قدرتی امر ہے کوئی عیب دولت نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ
اسکی سوسائٹی میں کتنے مختلف الخیثیت اشخاص ہیں، پھر بھی ایک کم مایہ انسان ذلیل نہیں سمجھا جاتا
مگر وہی شخص جب زر طلبی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے تو اسکی عزت خاک میں مل جاتی ہے، اس بنا پر

اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ہر شخص کو استغنا سے کام لینا چاہیئے،

مرد آزادہ در میانِ گروہ گرچہ خوشخو و عاقل و داناست
محترم آننگی تواند بود کہ از نشانِ بامش استغناست
وانکہ محتاج خلق شد خوارست گرچہ در علم بوالی سیناست

باین ہمہ جب انسان پر ضرورتوں کا ہجوم ہوتا ہے تو بسا اوقات مضبوط ارادوں کے باوجود اسکے پاس ثبات میں لغزش ہوتی ہے، ایسے مواقع کے لئے اس سے بہتر تسکین بخش تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

تا توانی اتہاس از کس مکن خاصہ از ناکس کہ سن عین خطاست
گرد ہد ماندی بزیر منتش ورنہ دادت آبرویت را بکاست
اگر دیا تو اسکے احسان کے زیر بار ہوا اور نہ دیا تو تیری آبرو گھٹی
گر کند نفست خطا ہا صبر کن زانکہ عز صبر بہ از ذل خواست
تجہ کو اگر نفس کبھی ایسی غلطی کے لئے آمادہ کرے تو صبر کر اسلئے کہ صبر کی عزت طلب کی ذات بہتر ہے

ہماری اخلاقی شاعری میں توکل کا باب بھی کچھ کم بدنام نہیں ہے، عام طریقہ سے یہ خیال پھیل گیا ہے کہ ہمارے شعراء نے جس توکل کی تلقین کی وہ تعطل محض ہے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم میں کثرت سے اپانچ اور نکٹے افزا و پیدا ہو گئے ہیں، ممکن ہے کہ یہ نتیجہ کسی اور شاعر کے کلام سے پیدا ہوتا ہو لیکن ابن یلین جس توکل کی تعلیم دیتے ہیں وہ اور شے ہے،

ایدل مدار امید کرم ز اہل روزگار کاہنا کہ ماندہ اند کہ میانِ ماندہ اند
وینا کہ برز و ندر از جیب خواہگی بر مکر مات و امنِ مہمت نشاندہ اند
بر کندہ اند سرو سہمی را ز جو بار بر جاسے سرو بقلہ، حمقا نشاندہ اند

از بد چہ چارہ ابن یمن رَویدر باش کا نذر ازل بہر چہ روزنامہ رانده اند

ایک اور قطعہ میں کہتے ہیں کہ زمانہ انسان کو ہزار پست کرے تا ہم اوالعزمی کے خلاف ہو کہ انسان پست ہمت ہو جائے، جب ہمتاری روزی خزانہ، غیب سے مقرر ہے تو پھر کیسے آگے ہاتھ پھیلانے سے بڑھکر دون ہمتی کیا ہوگی، مرد کو چاہیے کہ عزت کے ساتھ اپنے کام اور ضروری شغل میں لگا رہے کہ دوسروں کی خدشہ گزاری کی نوبت نہ آئے،

ہر چند روزگار کند پست مرد را از ہمت بلند نشاید بکاستن

رزق چو از خزانہ خالقِ مقدس است دون ہمتی بود ز در خلق خواستن

بنشین بعزت از پے کاریکہ کاستن تا پیش کس پیایے نباید بخواستن

ایک اور حقیقت سے توکل پر نظر ڈالی جاسکتی ہے، یعنی یہ کہ عین اس وقت جب انسان پر مصائب کا بادل برس رہا ہو، اور وہ مایوس اور ناامیدیوں کے ہجوم میں گھرا ہو، کوششوں نے ہر طرف سے ناکامیوں کا ثبوت دیا ہو، یورپ میں اس سانحہ کا بہترین علاج خود کشی ہے، اور ایشیا میں دون ہمتی اور افسردہ دلی، لیکن اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے اور ہر مقصد کے لئے اسکی زندگی ناکام پہچانی جاتی ہے، ایسی حالت میں حقیقت یہ ہے کہ صرف اعتقاد و تقدیر کا جلوہ ہمارے لئے راحت و تسکین کا بہت بڑا ذریعہ ہے، ذیل کے قطعہ میں کس خوبی اور صفائی سے ابن یمن نے اس خیال کو ادا کیا ہے،

ہر کہ بر حضرت دادار توکل دارد مخلصی زود پدید آیدش از بندہوم

وانکہ با طاعت و پیرہیز زود بر در او شافش پس بود این اگر چہ جہولست ظلم

طالع اسعد و گرنش، بفرمان ہے ہمت بزورہ بقضا، معتقد رمل و نجوم

بودنی عاقبت الامر باشد لیکن ہر یکے راسخے باشد و دقت معلوم

سعادت و نحوست، اخیر و شروع کچھ ہے سب خدا کی طرف سے ہے، اسلئے آخر کے دو شعر دون میں

اسکی تعمیر کر دی کہ قصداً الہی میں جو کچھ ہے وہ بخوم درمل کی چارہ جوئی سے مل نہیں سکتا، جو کام جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ ہو کر ریگا، پھر رنج و افسوس اور مایوسی و افسردہ دلی کیوں ہو، عزت و تنہائی | سوسائٹی اور حلقہ معاشرت کی قدر بلند ہو، تاہم اس میں جو کشش، ہنگامہ اور اختلافات برپا رہتے ہیں وہ ایک سالک کی راہ کے کانٹے ہیں، نیکدل اُن سے نظر کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں وہ عزت میں بٹھکر سوسائٹی کے جرائم کو آشکارا کرتے ہیں اور اُن سے بچنے کی تدبیر تیاتے ہیں، ابن مین نے اس مسئلہ کو بلاغت اور حسن تشبیہ کے ساتھ یوں ادا کیا ہے،

عزت دانزداد تنہائی برہانزدت از ہزار بلا
ستہ از دام ہرزبون گیری از چہن حال ہا شود عفا



در جهان پیچ بہ از عزت و تنہائی نیست دین سادت ز در مردم ہر جالی نیست
کنج عزت کہ فلاحی در فہایت درو بخوشی کمتر ازین منظم دنیا نیست
گر بدست آرد ازین گونہ مراد ابن مین نفروشد بجمائش کہ سودائی نیست

لیکن عزت و تنہائی کا حقیقی مفہوم اتنا ہی کہہ دینے سے ادا نہیں ہوتا بلکہ ہر تعلق جو انسانی کیفیت اخلاق کو ملکہ کر دے، اس سے انقطاع اصلی تنہائی اور ہر انسان کے دست کرم کی طرف سے قطعی چشم پوشی کر لینا حقیقی عزت ہی اسلئے ایک اور قطعہ میں اس مضمون کو تبصریح یوں بیان کیا،

گر بدست آید مرابے در دس زبان چین قائم انت پذیرد من داز سلوئی نیم
در پلاسے باشند پوشش یقین دہندہ طالب دیباے چین داطلس خار نیم
از کسے لطفے نی بیم کہ گوئم مدح او بر جمال دلبرے ہم عاشق و شیدا نیم
چون بود در کنج عزت بکرم فکر ہنشین راست گو ابن مین درخت الماد نیم

فلسفہ لی بان

عقل نقل

دنیا میں اگرچہ ہمیشہ ملاحدہ کا ایک مختصر گروہ موجود رہا ہے، لیکن ملاحدہ سے الگ ہمیشہ فلسفہ و مذہب کی کشمکش نے ایک معتدل گروہ بھی پیدا کیا ہے، جس کا مقصد دونوں کے متضاد اصول و ارکان میں تطبیق و بیانتنا، اس گروہ کی تعداد ہمیشہ ملاحدہ سے زیادہ رہی ہے اور آج بھی ہے، علوم و فنون نے ہمیشہ اس گروہ پر فخر کیا ہے، اور آج بھی کر رہے ہیں، اس گروہ نے مذہب اور فلسفہ کی آمیزش میں جو نکتہ آفرینیان اور جدت طرازیان کی ہیں وہ علم و فن کے رخسار سے کاغاز و، خال و خط، اور آب و رنگ ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کا مقصد خود مذہب کے مقصد پر منطبق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

یہ سچ ہے کہ مذہب و دنیا میں فلسفہ و سائنس کی ترقی کے لئے بہنیں آیا، مذہب کا مقصد صرف تصحیح عقاید، تزیینت اخلاق، اور تزکیہ نفس ہے، مذہب کبھی اس دائرہ سے باہر قدم نہیں کہتا لیکن جب ان تمام چیزوں کی کامل اصلاح ہو جاتی ہے تو وہ لازمی طور پر علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس بنا پر اگرچہ مذہب علم و تمدن کو ترقی دیتا ہے، لیکن یہ ترقی اسکی حقیقت میں داخل نہیں ہے، اگر کوئی مذہب علمی اور تمدنی ترقی میں حصہ نہیں لیتا تو اُس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے علم و تمدن کو نشو و نما نہیں دی، بلکہ اُس پر صرف یہ الزام آسکتا ہے کہ اُس نے کامل طور پر عقاید اور اخلاق کی اصلاح نہیں کی،

فلسفہ ہمیشہ ایک دلچسپ چیز خیال کیا گیا ہے، اور اسی دلچسپی کی بنا پر ایک گروہ نے مذہب کو فلسفہ کے قالب میں ڈھلنا چاہا ہے، لیکن اس زمانہ میں علمی دلچسپی کے ساتھ فلسفہ نے تمدنی ترقی میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے، اسلئے آج تطبیق، نقل و نقل کی کوشش صرف اس بنا پر نہیں کی جاتی کہ وہ ایک دلچسپ علمی مشغلہ ہے، بلکہ مذہب کو فلسفیانہ قالب میں ڈال کر اسکو علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس بنا پر اصل سوال یہ ہے کہ اگر فلسفہ کو مذہب کا لازمی جزو تسلیم کر لیا جائے، اگر مذہب اور فلسفہ کے اصول و آئین میں کامل طور پر تطبیق دیدی جائے بلکہ اگر تمام آسمانی کتابیں فلسفہ و سائنس کی کتابیں بن جائیں، تو اس حالت میں مذہب اپنی اصلی طاقت کو دیکھ گیا یا اسکی قوت میں کوئی جدید اضافہ ہوگا؟ یعنی وہ اس صورت میں علم و تمدن کو زیادہ ترقی دے سکیگا یا اس حالت میں جبکہ اسکا قالب فلسفیانہ روح سے خالی تھا، انکو زیادہ ترقی دے سکتا تھا؟
قدما نے اس قدر اصولاً تسلیم کر لیا تھا کہ مذہب ہمیشہ فلسفیانہ مسائل کی تحقیقات سے اپنا دامن بچاتا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں،

ومن سیرتہم ان لا یشغلوا بعلیٰ التعلیق تہذیب النفس
اور دنیا کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں میں
وسایۃ الامہ کیلئے اسباب حوادث الجوع
مصرف نہیں ہوتے جکا تعلق تہذیب نفس اور قوم کی
المطر والکسوف والہالۃ وعجایب النبات والحيوان
سیاست سے نہیں ہر شلادہ لوگ حوادث فضا میں
ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث
یعنی بارش، گمن، ہالہ، نباتات و حیوانات کے عجائب
اليومیۃ وقصص الانبیاء والملوک والبلدان
چاند اور سورج کے رفتار کی مقدار، اور روزانہ واقعات کے
ونحوہا اللهم الا کلاما یسیرۃ الفہا اسماعیل و
اسباب، پیغمبروں، بادشاہوں، اور شہروں کے قصے
قبلہا عقولہم و فی ہا فی التذکیر بالاعمال
وغیرہ نہیں بیان کرتے، البتہ اس قسم کی جن باتوں سے
والتذکیر بایام اللہ علی سبیل الاستطراد بکلامہ
قوم کے کان آشنا ہو چکے ہیں، انکا سیدھا جامی ذکر

اجالی سیاح فی مثلہ با مراد الاستعارات وبالجملة
ولہذا الاصل لما سألوا النبی صلی اللہ علیہ
وسلم عن لیمۃ نقضہ ان القمر و زیادۃ اخر
اللہ تعالیٰ عن ذلک الی بیان فوائد اشہور
فقال یسئلونک عن الالہاء قل ہی
مواقیت للناس والجم وتری کثیرا من
الناس فسد ذوقہم بسبب الالفۃ بہذا الفو
او غیرہا من الاسباب فخلوا کلامہ الرسل
علی غیر مجملہ -

(صفحہ ۸۸، الجزء ہند)

شاہ صاحب نے پیغمبروں کی تعلیم و تربیت کا ایک اور اصول بھی بتایا ہے،

اور پیغمبروں کی تعلیم و تفتیق کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ
لوگوں سے انکی فطری عقل اور انکے فطری علوم کے
مطابق گفتگو کرتے ہیں، اسکی وجہ یہ کہ نفع انسان کہیں بھی
موجود ہو لیکن فطرۃ اسکے علم و ادراک کا درجہ تمام حیوانات
بند ہوتا ہے، البتہ جب مادہ بالکل ناقابل ہو جاتا ہو
تو اسکی یہ ضرورت فنا ہو جاتی ہے، اس فطری علم کے
علاوہ اسکے علم کا ایک درجہ اور بھی ہے جو یا تو بطور خرق
عادت کے چل ہوتا ہے، اور یہ درجہ انبیاء اور اولیاء کے

ومن سیوہم ان لا یکلموا الناس الا علی قدر
عقولہم التي خلقہا علیہا وعلومہم التي ہی حاصلۃ
عندہم باصل الخلقۃ وذلک لان نوع الانسان
جیت ما وجعہ فی اصل الخلقۃ حد من الادراک
نرائد علی ادراک سائر الحيوانات الا اذا عصت
المادۃ جدا و اول علومہا یخرجہا الیہا الی الخلق
العادة المستمرة کالنفوس القدسیۃ من
الانبیاء والاولیاء و بریاضات شاقۃ

تھی نفسہ لادراک مالہ یکن عندہ

ساتھ مخصوص ہے، سخت ریاضت، اور فلسفہ کلام اور

بہارستہ قواعد الحکمتہ والکلام و اصول

اصول فقہ وغیرہ کی مہارت سے حاصل ہوتا ہے لیکن

الفقہ و نحوہا مدۃ طویلۃ فالانبیاء لم یخاطبوا

انبیاء کا مخاطب صرف اس علم و ادراک کے مطابق ہوتا ہے

الناس الاعلیٰ منہاج ادراکہم الساذج

جو نظر ان میں دو بعیت کیا گیا ہے، اور وہ اس علم کی طرف

المودع فیہم باصل الخلقۃ ولم یلتفتوا

توجہ نہیں کرتے جو ان سب سے حاصل ہوتا ہے جو بہت کم

الی ما یكون فادر الاسباب قلما یتفق

دفعہ پذیر ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء نے لوگوں کو یہ

وجودہا فلذلک لم یکلفوا الناس ان

تکلیف نہیں دی کہ وہ اپنے خدا کو تجلیات، اشاہات

یعر فواد بہم بالتجلیات والمشاہدات ولا

دلائل اور قیاس سے سچا نہیں، اور نہ ان کے لئے یہ ضروری

بالہواہین والقیاسات ولا ان یعر فوا مترہا عن

قرار دیا کہ اسکو منہ عن الجہات تسلیم کریں، کیونکہ جب لوگوں نے

جمیع الجہات فان ذلک کالممتنع بالاضافۃ

اس قسم کی ریاضتیں نہیں کی ہیں اور مدت تک فلاسفہ

الی من لم یشغل بالریاضات ولم یخاطب المعقولین

کی صحبت میں نہیں رہے ہیں، ان کے لئے یہ تکلیف

مدۃ طویلۃ ولم یرشد وہم الی طرق

ملا لایطاق ہے، اور اسی لئے انبیاء نے لوگوں کو دقیق

الاستبطا ولا استدالات ووجوہ الاستحسان

مقدمات کے ذریعہ سے استنباط نتائج، اقامتہ دلیل،

والفرق بین الاشیا والنظائر بمقدامات دقیقۃ

وجوہ استحسان اور اشاہ و نظائر کے تفریق غرض ان

الماخذ وسائر ما یتناول بہ اصحاب المرای

تمام چیزوں کی ہدایت نہیں کی جیسا کہ بنا پر اصحاب رائے

علی اہل الحدیث

اہل حدیث زبان و لہجہ کرتے ہیں،

پہلا اصول اگرچہ حرف بحرف صحیح ہے، لیکن اس زمانہ میں وہ بالکل بے اثر ہے، اس وقت

دنیا کی منزل مقصود صرف علمی ترقی ہے، اور جدید تمدن کے آب و رنگ نے آنکھوں کو اسقدر خیرہ

کر دیا ہے کہ اب اسکی چمک بین دل کی روشنی بالکل ماند پڑ گئی ہے، سیکڑوں لوگ ہیں جنکی اخلاقی حالت

سخت اتر ہے، لیکن تمام دنیا اُنکے سامنے صرف اس بنا پر سر جھکا تی ہے کہ انکی ذات سے علمی ترقی کے تمام ذرائع وابستہ ہیں، یورپ کی فضا کو برف اور کھر کی طرح سیاہ کاریوں کے بادل نے گھیر لیا ہے، لیکن تمام دنیا نے اسکو صرف اسلئے اپنا قبضہ مقصود بنا لیا ہے، کہ وہ علم و فن کی سب سے بڑی نمائندگاہ ہے، آج نور ایمان کی شاعون کے ذریعہ سے کچھ نظر نہیں آتا، لیکن برقی روشنی ”حقائق و معارف“ کے تمام راز ہائے سر بستہ کو بے نقاب کر دیتی ہے، اسلئے اب مذہب کا یہ معجزہ بالکل بیکار ہے کہ وہ نظام اخلاق کی اصلاح کرتا ہے، اب اسکے کمال کا معیار صرف یہ ہو سکتا ہے کہ علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے،

دوسرا اصول اگرچہ عوام کے لئے مفید ہے، لیکن اب جبکہ تمام دنیا تعلیم یافتہ ہو رہی ہے، اسکو کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو دنیا کو اس ارشاد و ہدایت کی کیا ضرورت ہے، جو اُنکے علم و ادراک میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتی، بلکہ خود انہی کے علم و ادراک کی تقلید کرتی ہے، الی بان نے اس کتاب میں اگرچہ کسی موقع پر مذہب کی حمایت نہیں کی ہے، تاہم اُس نے تمدنی ترقی کے علل و اسباب پر جو کچھ لکھا ہے اس سے انبیاء کی تعلیم و تلقین کے ان اصول کی تائید کیجا سکتی ہے، آج تمام دنیا تمدنی ترقی کو صرف عقلی ترقی اور دماغی نشو و نما سے وابستہ سمجھتی ہے، لیکن لیبان کے نزدیک اسکا ذریعہ صرف وہی ہے، جسکی تہذیب و اصلاح انبیاء کی زندگی کا مقصد تھا، چنانچہ لکھتا ہے،

”قوموں کی زندگی کے نشو و نما میں اخلاق نہایت موثر چیز ہے، لیکن اسپر عقل کا

ہبت کم اثر پڑتا ہے، چنانچہ رومن قوم اپنے انحطاط و تنزل کے زمانہ میں عقلی حیثیت سے

اپنے آباد اجلاو سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔“

اہل عرب کا بھی یہی حال تھا، جب وہ ریگستان عرب سے تمام دنیا کے سحر کرنے کے لئے

اٹھتے تو علم و فن اور فلسفہ و سائنس سے بالکل نا آشنا تھے، لیکن انکی سلطنت، انکے تمدن اور جاہ و جلال کا زوال بغداد میں ہوا، جو اسوقت تمام دنیا کا بیت العلوم تھا، جن لوگوں کی نگاہیں تاریخی اوراق کی سطح سے اگے نہیں بڑھتیں، انکو قومی نظام ترکیب کی نشوونما، اور تمدنی عناصر کی باہمیگی صرف اس زمانہ میں نظر آتی ہے جس میں تمام قواسم عقلیہ دفعۃً تروتازہ ہو جاتے ہیں، لیکن لی بان کے نزدیک یہ دور قوموں کی کمابیت بلکہ شیخوخت کا ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے،

”جن علماء نے قانون وراثت کا کامل مطالعہ کیا ہے، انھوں نے جو شہادت قدیمہ حاصل کئے ہیں، انفسہ ثابت ہوتا ہے کہ عقلی خاندانوں کی نسل اکثر بگڑا کر فوراً یا ایک مدت میں فنا ہو جاتی ہے، لیکن زیادہ تر انکا زوال علاجلانہ طور پر ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو عقلی ترقی اسوقت حاصل ہوتی ہے جب اسکی نسل خواب ہو جاتی ہے، اور اگر مہلت درجہ کے لوگ طبقہ اعلیٰ کی پرورش نہ کرتے تو انکا سرے سے خاتمہ ہو جاتا، اگر ہر طبقہ کے ماہرین فن کو جمع کر کے دنیا کے کسی گوشہ میں علیحدہ آباد کیا جائے اور ان میں باہم تولد و تناسل کا سلسلہ قائم ہو، تو ان سے ایک بدترین نسل پیدا ہوگی، جو چند دنوں کے بعد فنا ہو جائیگی، اس قسم کے ممتاز لوگ اس غیر معمولی جسامت کے درخت کے مشابہ ہیں، جنکو باغبان مصنوعی تدابیر سے نہایت تناور بنادیتا ہے، لیکن اگر اسکو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو زیادہ خشک ہو جائیگا یا اپنی حالت متوسطہ کی طرف رجوع کر جائیگا۔“

مذہب ہمیشہ ایک زندہ اور نوخیز قوم کو پیدا کرتا ہے، اس بنا پر اگر عقلیات کو اسکی تعلیمات و تلقینات کا جزو قرار دیا جائے تو دفعۃً اسکا نظام اور اسکا شن بالکل بدل جائیگا، اس سے سکیو انکار نہیں ہے کہ مذہب اور فلسفہ دونوں تمدنی کل کے پرزے ہیں، لیکن دونوں کی حرکت مختلف سمت میں ہوتی ہے، اور اس حرکت کے دوران میں دونوں کسی نقطے پر نہیں ملتے، فلسفہ و ماخ کی

تربیت کرتا ہے، ایک عقل کو اور دوسرا جذبات کو ابھارتا ہے، اسلئے اگر دونوں میں کوئی نقطہ اتصال پیدا کیا جائیگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ انکے تصادم سے خود اس کل کی حرکت رک جائیگی اور دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائیگا، چنانچہ لی بان کہتا ہے،

”تمدنی حیثیت سے اگر مستقبل پر موجدین و مخترعین کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے، لیکن عملاً قوم کی سیاسی تاریخ پر انکا کوئی اثر نہیں ہوتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ ہل کے موجد سے لیکر تارکے موجد تک بلکہ دنیا کے تمام مخترعین میں وہ اخلاقی اوصاف نہیں پائے جاتے جسکی ذریعہ سے کسی مذہب کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، یا کوئی ملک فتح کیا جاتا ہے،

موجدین و مخترعین صرف زمانہ کی روش کے مطابق تمدنی انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، لیکن کمتر محدود افئیاں اور مضبوط کیرکیر کے اکابر ان قوم جدید مذاہب کو قائم کر سکتے ہیں، سلطنتوں کی بنیاد ڈال سکتے ہیں، اور نظام عالم کو الٹ پلٹ دیکھتے ہیں، ایک بطرس راہب کی آواز نے یورپ کے ہزاروں آدمیوں کو مشرق کی طرف جو نک دیا، ایک محمد مصمم کی آواز نے دنیا سے قدیم یعنی یونان اور روم کو تہ و بالا کر دیا، اور لوختر جیسے گناہم شخص نے تمام یورپ کو اٹھا کر آگ اور خون کی سمندرمین جو نک دیا، لیکن دنیا نے گلیلو اور نیوٹن کی آواز کی طرف کان بھی نہیں لگایا، غرض موجدین و مخترعین تمدن کی رفتار کو تیز و سرج کر دیں تو نہیں، لیکن پیشوایان مذہبی ایک مستقل تاریخی دور کو پیدا کرتے ہیں“

لی بان نے انہی فرقوں میں مذہب اور فلسفہ کے حدود الگ الگ کر دیئے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدنی ترقی میں فلسفہ خود مذہب کا محتاج ہوتا ہے، مذہب پہلے ایک مستقل دور اور ایک مستقل تمدن کو پیدا کرتا ہے، اسکے بعد فلسفہ صرف مشاطہ گری کی خدمت انجام دینے کے لئے آتا ہے، اور سادہ مذہبی تمدن کے چہرے کو رنگین کر دیتا ہے، تمام مذاہب کی تاریخ سے عجی اسکی

تائید ہو سکتی ہے، اس بنا پر مذہب کا حرف یہ احسان کافی ہے کہ وہ عقل کی راہ میں رکاوٹ نہ پیدا کرے، لیکن عقل کو مذہب کا لازمی جزو قرار دینا کل کے دو مختلف الحركات پر زون کی باہمی ترکیب سے کل کو مجموعہٴ اضداد بنانا اور اسکو بیکار کر دینا ہے،

اس لئے ہمارا خیال ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں فلسفہ اخلاق کے سوا فلسفہ کی دوسری شاخوں کا ایک حرف بھی نہیں مل سکتا، اور جو لوگ قرآن مجید اور احادیث میں فلسفیانہ دقائق و نکات کی جستجو کرتے ہیں وہ ناکامی کی دیوار سے سر ٹکراتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے میں اس قسم کے لوگوں کا مذاق خراب ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ قداما کے متعلق یہ خیال صحیح ہو، لیکن اس زمانہ میں جو لوگ اس کوہ کندن کا وہ براہ ورون "میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، انھوں نے اسکو مذہب سے بیکردوشی چال کر نیکو ایک ذریعہ بنا لیا ہے، قدیم تقلید اور اخلاقی جرات کا فقدان انکو مذہبی علم کی کے اعلان کی اجازت نہیں دیتا، اسلئے فلسفیانہ رموز و نکات کے پردے میں مذہبی حقائق و معارف سے انکار کرتے ہیں، خالص مذہبی لوگوں میں بعض نے قرآن مجید کو فلسفہ جدیدہ کے قالب میں ڈھانے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ کوئی مذہبی خدمت نہیں ہے، بادی النظر میں یہ ایک قسم کی بوالہوسی ہے، لیکن بہت غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے جدید کردہ کو مرغوب کرنا اور اس میں شہرت چال کرنا انکا اصلی مقصد ہے،

عبدسلام ندوی



عرب ایک مستشرق

کی

نگاہ میں

آقباس از یاربخ عرب موسیو سیڈیو

خلفائے راشدین، امویہ و شق و قرطبہ، عباسیہ، بغداد، فاطمیہ مصر کی تاریخ اور ان اسلامی مشرقی ممالک کی درہمی و برہمی کے حاملین بن پر پہلے ترکون نے پھر مغنون نے غارت گری کی، یورپین لوگون نے عمدہ کتابیں تالیف کی ہیں، اور اسکے اصول کے متعلق انھوں نے جو کچھ چھوڑ دیا تھا ہم نے اسکا اضافہ کر لیا ہے، یعنی تمدن عربی کا بیان جسکے اصول تمام دنیا سے قدیمہ کے اطراف و جوانب میں شدت کے ساتھ راسخ ہو گئے تھے، اور جب ہم اپنی یورپین معلومات کے ماخذ و باورسی بحث کرتے ہیں تو انہیں ہلکے اُسکے آثار نظر آتے ہیں، کیونکہ اہل عرب نے آٹھویں صدی عیسوی کے بعد اپنی جنگی عصبیت کو کھو دیا تھا اور علوم و فنون کے دلدادہ ہو گئے تھے، یہاں تک کہ چند ہی دنوں میں قرطبہ، طلیطلہ، قاہرہ، فاس، مراکش، رقبہ، صغمان، اور بحر قد علوم و فنون کی تدوین میں بغداد کا تفاخر نہ مقابلہ کرنے لگے، اور عربی زبان میں یونانی کتابوں کے جو تراجم ہوئے تھے وہ مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے لگے، اور انسانی عقل نے علوم و فنون کے متعلق جو نئی باتیں ایجاد کی تھیں، اہل عرب انہیں مشغول ہو گئے، اور اکثر شہروں بالخصوص یورپ کے عیسائی شہروں میں بہت سی ایسی نئی باتیں مشہور ہوئیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علوم میں ہمارے امام تھے، انکی بلند تکی کے متعلق جس سے یورپین لوگ ایک مدت سے ناواقف ہیں، ہمارے پاس بہت سے سچے خواہد ہیں اول یہ کہ ان سے قرونِ متوسطہ کی تاریخ، سفر نامے، بہت سے اماکن اور انخاص کے ناموں کے

قوانین اور انسائیکلو پیڈیا جو بہت سے عمدہ علوم پر شمال ہین، منقول ہین، دوسرے وہ عمدہ صنایع
 عمدہ عمارتیں، اور علوم و فنون کے متعلق اہم اکتشافات، اور علم طب، تاجی، طبعی، کیسا کیجھ، فلاح،
 اور وہ علوم صحیحہ ہین جنکی انھوں نے نہایت متعدی کے ساتھ نوین صدی عیسوی سے پندرہویں
 صدی تک ماریست کی،

مؤلف شیلجیل، ۱۳۳۲ء موافق ۱۸۴۸ء کا خیال ہے کہ ہندو اور چینی، عرب سے زیادہ
 عالم ہین، اور اس نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں قوموں کے علوم کے خزانوں سے وہ عنقریب
 واقف ہوگا، لیکن اسکے دعویٰ کے ۲۰ برس بعد بھی فلکی، ریاضی، اور جغرافیہ فوائد، صرف قیلم عربی
 کتابوں کے ذریعہ سے معلوم ہوئے، بے شبہ ان یورپینوں نے جو ہندی مسائل کی تحقیقات
 کرتے ہین، بہت سی کتابیں لکھی ہین، لیکن اس سے انکے مقاصد میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوا،
 جیسا کہ وہ یورپین جو مملکت چین کی تاریخ سے فوائد اخذ کرتے ہین، اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے
 انھوں نے یہ مشورہ کر دیا کہ ترکوں کی طرح چینی تمام دنیا میں سب سے زیادہ جاہل ہین، جیسا کہ مورخ
 ابوالفرج نے لکھا ہے،

لیکن اسکندریہ یونان اور اخیر زمانہ کے درسیانی وقفہ میں بغداد کا اسکول جو تدریسی معلومات کا
 جامع تھا، اہل یورپ کو خواب جہالت سے بیدار کرنے اور تمام ایشیائی ممالک میں علم کی روشنی
 پھیلانے میں مہین ہوا، کیونکہ ہندوستان میں علامہ بیرونی کے ذریعہ سے جو سلطان محمود غزنوی کا
 زیر بار احسان تھا، علم عرب (فلک) اسوقت پھیلا جب ۱۱۷۶ء موافق ۱۱۷۶ء میں اس نے
 بیان کا سفر کیا، اسی طرح علامہ عمر خیام نے ۱۱۷۶ء (موافق ۱۱۷۶ء) بلجیوں میں، اور علامہ
 نصیر الدین طوسی بانی رصد خانہ مراغہ نے ۱۱۷۶ء (موافق ۱۱۷۶ء) مغولوں میں اس علم کی اشاعت کی،
 اور وہ ۱۳۳۲ء (موافق ۱۳۳۲ء) میں عثمانیوں میں پھیلا، اور چینیوں میں سلطان کو بلا سے خان

(جو سلاطین یو اتیہ کا بہت بڑا خاندان ہے) کے عہد میں علامہ کو شیوخ، شاگرد، شاگرد خاندان و تلامذہ نے ۱۲۸۰ھ (موافق ۱۸۶۹ء) میں اسکی اشاعت کی، اور اولوغ بیگ نے ۱۲۸۶ھ (موافق ۱۸۷۴ء) میں سمرقند میں علم فلک کی تحقیقات کے لئے ایک رصد خانہ قائم کیا،

شرقیوں کا یہ علمی شغلہ، اولوغ بیگ کے زمانہ کے بعد ختم ہو گیا، اسکے بعد اہل یورپ اُن علم کے رموز و اسرار سے واقف ہوئے، اور اس شغلہ میں مصروف ہونے لگے، یہاں تک کہ یورپین ممالک میں تمدنِ تحریری لغت اور اسکے ان ادبی فنون کی جو روز بروز یورپینوں میں پھیل رہے تھے تجدید کی، اور ہم اب تک قدیم عربی کتابوں کے متعلق اہم امور کی تحقیقات کر رہے ہیں، اگرچہ غلط و بڑھانکا انتساب بعض متاخرین یورپینوں کی طرف کر لیا گیا ہے۔ — اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری قوم فریچ نے مغربی جزائر کے جو صوبے فتح کئے ہیں اور افریقہ (ممالک مغرب) کے مسلمانوں سے اسکے جو تعلقات قائم ہو گئے ہیں، اس نے لغات اور آثارِ مشرقیہ کے دلدادہ اور سرگرم یورپینوں کی معلوماتِ عربیہ کے متعلق ان کتابوں کی تحقیقات کا اور بھی موقع دیا ہے، جن سے گذشتہ یورپین لوگ قیمتی معلومات کے جواہر نہ نکال سکے، عربی قوم کی اس تباہی کا جسکے واقعات عجیب ترین مظاہر میں نمایاں ہوئے ہیں، اور جسکے حوادث بخلاف اور تاریخوں کے ہر پر سننے اور غور کرنے والے کو بہوت کر رہے ہیں، ہم کس شغولیت کے ساتھ خلاصہ کر رہے ہیں، ہم زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ فرزندِ ان یورپ کی توجہ ان عظیم الشان آثار کی طرف مبذول کراتے ہیں، جبکو اُس قوم نے چھوڑا ہے،

انار علیہ السلام

نامہ پارسی

مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی

بنام مجلس ندوۃ العلماء

ذیل کا فارسی خط جو ہمارے استاد اور استاد اولات مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کا فیضِ خارج ہے، ہم اس کے معارف میں تبرکاً شائع کرتے ہیں، یہ خط ۱۳۱۳ھ کا لکھا ہوا ہے جو کو رب ۷۴ برس سے ہیں، گویا یہ تحریر ہمارے علمائے افضل کے راجِ صدی سے پہلے کے خیالات کی ترجمانی ہے۔ خط مذکور ندوۃ العلماء کے قیام کے مشورہ کا جواب ہے، "اس میں سرسید مرحوم اور ان کے درستیہ العلوم پر بھی ریا کر ہیں، اور لکھا ہے کہ ہمیں بتایا گیا گیا، اور دکھایا گیا گیا، یہ وہی تخیل ہے جو آج مسلم یونیورسٹی کی نسبت مخالف و موافق فریق میں قائم ہے،

علوم جدیدہ اور قدیمہ کے تصادم کی نسبت مولانا نے جو کچھ ظاہر فرمایا ہے، اگر وہ آج ہوتے تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے، اسے جو انتظار کی گھڑی راجِ صدی پہلے تھی وہ اب بھی تاہم یہ ضرور ہے کہ علوم جدیدہ کی جو ڈرامائی شکل سرسید اور ان کے معاصرین نے عوام کو دکھائی تھی، محمد لکھ اب اس کی مرعوبیت بہت کم ہو گئی ہے، اور ہر شخص جدید خیالات سے بہت کچھ واقف ہو گیا ہے جس سے وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ انے مذہب کو کسی حد تک بیز ہے یا نہیں؟

مرکزِ اناضل، دمرچ کرام، امثال، لازال مولانا گل و افندو سائل،

بدر سلام سنون، واضح راسے رزین بادکہ نامہ نیکوئی عنوان برکت ختامہ از دیوانِ ندوہ رسید

من و برادر گرامی جناب مولوی عنایت رسول صاحب از دیر غریب وار منتظر و شگیری قوم بودیم،
و حرکت سرونق هست مردانه قوم را انتظار می نمودیم، تا یکباره دستما کشاید کشتی طوفانی علوم اسلامی را
از گرداب بلا بیرون نمایند،

از عل دو ساله ارکان ندوه چنان معلوم شد که در ضمیر بزرگان و سرنگان امت ضرورت علوم حقیقیه
خدا شناسی جاگزین شد، و در دمندهان اسلام را دستگیری کشتی طوفانی ما دپسند و خاطر نشین آمد تا به بازو
این گرانمایه قوم نفوس زکیه باز بسوی مرکز خود گرایند و مانند سلاف بقوام انظار ساز زمینها سپرند
و آسمانها پیا نهند،
(شهر)

چه عجب که درین هنگام علوم و فنون حکیمه که بتائید علوم روحانیه اسلامی بودند، و برین ازان از
ناپرسیانی مردم به انداز آس آمده از سر نو جدید سازند، و شمع معارف آهیه را از صحر جبال اهل انج
و هوا یانش به فانوس سازی پردازند، هر چند ما شکسته ایم گریه باریگری دانش پند ان حق پوشسته ایم
پس هر امر مفید قوم که متعلق بجا دار و دور حیر اختیار ماست، از تجدید علوم مندرسه با تسهیل علوم باقیه و
ترتیب فنون مستفله، یا استعمال صنایع کبیه که همانا بضاعت مزجات اهل یورپ است، و تعمیل
آن در بلع نخواهد رفت، لیکن از بعض فقرات مسوده دارالعلوم پیش کرده بعض ارکان ندوه چنان
معلوم شد که خصوم تعلیم اسلام به پرده اصلاح تعلیم کینهها کشاده اند و کمانا کشیده، پس سطرے چند نظر
انظار حق پیش مدبران تعلیم می نم، تا در حقیقت حال بنگرند، و بر آں کار چشم حق بین کشانید و بالذات توفیق
مخفی مباد که مراد از علوم اسلامی که در تائید آن ترقی اسلامی است، معارف آهیه اندا کاشف
احوال مبد و معاد که تصدیقش از تعلیم شایع کریم مستفاد باشد، و نیز آنچه به استدلال صحیح سوس امور
مذکوره راه نماید، یا زنگ تنبها ت شلعه مسائل مذکوره از نفوس ناقصه بزداید، یا مقاصد شایع را
بر الباب اهل نظر منجلی نماید، چون علوم فقه و تفسیر، و حدیث، و فنون کلامیه، و بعض فنون حکیمه و علوم اهریم

اما فنون کبسیہ چون حکایت و خیاطہ، صنایع ماخوذہ اہل فرنگ مانند فنون خدمات و چاکری اہل دہل
 (جولائی گری) (دی گری)
 و اعمال متعلقہ آہنا از کمالات نفوس بیرون اند، ترقی نفوس انسانی و فضائل روحانی و البتہ همان
 علوم و معارف باید پنداشت، و این دیگر ہا را بقدر ضرورت، در سبک مدد معاش باید داشت و بالجلہ
 آن علوم جواہر نفیسہ اند، و این فنون از ذخائر خیسہ،

و آنچه بعض مردم برسوءغات اہل یورپ فریقہ و انہا بند کہ بالفعل علماء فرنگ بہ تجاریہ کثیرہ
 (ظاہر)
 در عناصر و دیگر اجسام مرکبہ، و بسیطہ امور سے چند بر آدرہ اند کہ مسائل آن مخالف اصول اسلام اند،
 پس بجائے کلام مروجہ سلف این علوم را باید نشانید، پس باید دانست کہ علوم کلامیہ مدونہ قدما دفع جملہ
 اعتراضات، و ادہام کاسدہ را متکفل اند، ابن ادہام از قبیل اعراض باشد، یا جواہر از اجسام اثیریہ باشد
 یا عناصر از مجردات باشد یا مادی، و آنانکہ جمالات بیسروپا سے یورپ را بہ نسخ علوم خریدہ اند و اکنون
 ہم خرد از تحقیقات علیہ پاستانیان غافل اند، از آنانکہ این علوم جدیدہ را مر علوم قدیمہ را نعم البدل
 (اسلاف)
 انگاشتہ اند،

التماس است کہ مسئلہ از مسائل این فن کہ مسئلہ را از مسائل شرعیہ معارض قوی پندارند،
 در مجمع افکار عقلانی پیش آرند، و جواب آن از ما محض بہ نیز دے قوانین عقلیہ از ہمان علوم قدیمہ بگیرند،
 آنگاہ نصیح ما پذیرند، و آنہا را باطفال دبستان ما بسپزند، و بہ نگاہ مناسب در مقاصد آن بنگرند و این
 برائے آن آدرم کہ در مجالس تاسیس علوم شرعیہ خصوم علوم خریدہ علوم قدیمہ را بیکار ترار دادہ در
 ساعی طالبان کمال فوری اندازند، بیشتر ازین شخصے از بہترین قوم در جائہ ہی خوانان اسلام آمدہ
 (سریہ)
 بمبارت و لادیز و الفاظ پُر درد، اگر یہ انگیز چنان دانند کہ پیشتر ازین درد ملی و کھنڈ مدرسا بودند
 مرکز علمائے نامدار و فقہا محط رحال افاضل روزگار کہ تماہما سے درازان پیایے ارباب کمال
 (مقات)
 پدید آمدند، چون شاہ عبدالعزیز و مولوی محمد اسمعیل و مولوی محمد اسحاق و یحنین مولانا عبد العلی

و ملاکمال الدین مولوی ظہور اللہ ہر یکے از حکماء شریعت پناہ بودند، و فضلاء حکمت دستگاہ ذات بابرکات شان ہم دین محمدی را بازو بود، ہم شریعت قویہ حقہ را قوت بنیرو، اکنون آن ہم مقامات و معابد خراب و ویران است، و علوم شان در و فاجر چون گنج شالنگان بزین پیمان، پس مدرسہ را بنا باید بنا د کہ بجای علوم باشد، و اہل اسلام را وسیلہ احیای رسوم، چنانچہ مشتاقان ترویج علوم اسلام و ہی خواہان کافہ انام، براسید وجود علمائے دین پناہ زرد ما بید رنج ریختند تاکہ مدرسہ پدید آمد و مردم اطفال را از مدارس عربیہ بریدہ بان مدرسہ آویختند، دید ہائے مردم بموسے در ہائے مدرسہ باز و گوشہائے خلق از ہر گوشہا برآواز، تا براسید خوشی حکمائے دانش پسند را بہ بینند کہ اسلاف کرام را نعم البدل باشند، بعد زمانہ دراز چون عثمان آن مدرسہ بانیہ تکمیل بیرون خراسیدند و بجائے محفلہ رسیدند، بجای بحر العلوم و شاہ عبد العزیز نگاہ بر کسانے افتاد کہ نہ از علم جواہر حرفے آموختند نہ از فنون اعراض جوے اندوختند، یکے دوزخ و بشت آبی را یکیکہ خیال گفتے و دیگرے معجزات انبیاء را محال دانستے یکے مکاسب دنیا را نتیجہ زندگانی گفتے، و دیگرے قربات عبادات آبی را فانی و ذخیرہ مال را دائمی و جاودانی دانستے، مجموعہ این خیالات و اعمال را اسلام نام نہادند و دانستند، ہمین معنی در اوراق پارینہ ہم ازین لفظ مقصود است،

و عقلا دانند کہ در معنی اسلام قدیم، دین خیالات و خیم، مناسبت نقل ہم مفقود است، چنانچہ در اسلام قدیم بدایمان باللہ، ایمان بہ ملائکہ است، و ملائکہ در اسلام قدیم اجسام اند از قبیل جواہر و درین خیالات قواسے انسانی اند از قبیل اعراض، این بشا بہ شخصے است کہ مسلمانان شہرے را براسے حج بیت اللہ براگیرند، و بموسے مکہ معظمہ کہ مقام کعبہ آبی است رہنما گرد و، و چنان داناییکہ بہوت آن بدرتہ کم مایہ زاوے بدانجا تواند رسید، و مردمان بر سمنش فرلیتہ باؤ و عقد مرافقت بندند، و او بہترے دیگر برد کہ ناش کہ نہاد، و خانہ را در کعبہ گوید، پس نسبت اسلام باین عقاید نسبت این

حج است بزیارت خانه، پس اگر این علوم جدیدہ مؤید اسلام جدیدہ اند، پس منکلمان ما را در آن کلامے نیست، و آنچه گفته کہ حلقہ فلسفہ جدیدہ دلمائے عامیان بتغیر غیر متوقع بدل کرده دان را حوالہ بمسائل اصول کیمیا کرده، پس میگوئیم کہ این فن نادر نیست بلکه کتب عربیہ این فن در کوچہ و بازار بسیار اند، محکم را باید کہ مسئلہ را از مسائل آن خلاف شریعت باشد، با ثبات آورد تا مقاله اش

قابل اصناف بود،
(شوالی)

و کسانیکہ از تعلیم مدارس انگریزی از راه اسلام برگشته اند، بجهت آن است کہ عدم علم را، علم عدم می انگارند، و این بجهت خامی قواعد منطقیہ است، و ثبوت مسائل مذہبیہ روحانیہ را، از عالم اجسام، و اعراض، تجربیات ناقصہ اہل فزنگ می خوانند، و بر تحقیقات علما اعتماد نداشتہ، برائے تصدیق خود تجربہ جدید می طلبند، و بے تحصیل مبادی و اصول بمقاصد دارند و ندانند کہ سبیکہ اشکال سطح مقالہ اول ندانند، اشکال مجہات مقالہ یازدہم چگونه تواند دریافت، و تحصیل رد و اہام آہنا از تحریرات جناب مولوی عنایت رسول صاحب توان دریافت، و انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل مقاصد مذکورہ بالا در رسالہ دیگرہ مع تفصیل مقاصد فنون و علوم اسلامیہ، و استغنائے شریعت از فنون و اہمیہ فلسفہ جدیدہ بہ بیان خواهد رسید،

والسلام

محمد فاروق عفی عنہ

۱۴- شوال ۱۳۸۵ھ از الہ آباد

بالتفیظ والایمان

حقیقت المسلمات

— ❦ —

جدید تہذیب نے مشرقی عورتوں کی طرز معاشرت میں جو نمایان تغیرات پیدا کئے ہیں، ان میں پروردہ خاص طور پر مشرقی لڑکیوں کا موضوع بحث بن گیا ہے، سب سے زیادہ افاضل مصر نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، اور اسکی مخالفت و موافقت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ترجمہ کے ذریعہ سے ہماری اردو زبان میں آگیا ہے، لیکن یہ مسئلہ درحقیقت ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے، مذہب سے، اخلاق سے، معاشرے سے، تعلیم و تربیت سے، سیاست سے، قانون سے، غرض ہر چیز سے اسکا تعلق ہے، اور اس تعلق کی بنا پر اسکی موافقت و مخالفت میں جو کچھ لکھا جا سکتا ہے، ان تمام اجزاء کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد ہی لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہمارے جہاں تک معلوم ہے پروردہ پر اب تک کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی جنہیں ان تمام اجزاء کے فوائد و نقصانات سے بحث ہو،

اسکے ساتھ یہ مسئلہ اگرچہ اپنی ہمہ گیری کی وجہ سے ایک علمی مسئلہ بن گیا ہے، لیکن درحقیقت ایک اصلاحی مسئلہ ہے، اس لحاظ سے اسکے تعلق ہر مضمون، ہر آرٹیکل، اور ہر کتاب اس وقت مفید ہو سکتی ہے، جب اسکا طرز تحریر مصلحانہ ہو، لیکن مصر وغیرہ میں سپر جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا طرز بیان زیادہ تر فلسفیانہ بلکہ مجادلانہ و مناظرانہ ہے، جسکے پڑھنے سے مصنف کے قوت استدلال و وسعت معلومات اور زور تحریر کا تودل پر اثر پڑ جاتا ہے، لیکن اصل صلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتی، لیکن الحمد للہ کہ زیر تنقید کتاب نے جو ہر ہائس نواب سلطان جہان یکم و امیہ حاکمہ کشور بھوپال کے مصلحانہ

اعمال کا بہترین نتیجہ ہے، یہ کی پوری کر دی ہے، اس میں پردہ پر ہر حقیقت سے بحث کی گئی ہے، قرآن، حدیث، اشعار صحابہ، اقوال فقہاء، علمائے ہندوستان کے فتاویٰ و مضامین اس کی ضرورت اور اس کا وجہ ثابت کیا گیا ہے، پردے کی تاریخ لکھی گئی ہے، اس کے تعلق دنیا سے اسلام کا رویہ دکھایا گیا ہے، بے پردگی کے نقصانات بیان کئے گئے ہیں، اور مخالفین پردہ کے دلائل کا معقول جواب دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ بے پردگی کی حالت میں جو کام بُرے طور پر انجام دیئے جاسکتے ہیں وہ پردہ کی پابندی کے ساتھ نہایت خوبی سے انجام پذیر ہو سکتے ہیں، اس طریقہ سے یورپ مقرو شام اور ہندوستان میں پردہ پر جو کچھ لکھا گیا، اس کا بہترین حصہ اس کتاب میں آگیا ہے اور اس کے ساتھ طرز تحریر بالکل ناصحانہ، مصلحانہ، بلکہ شفقانہ ہے، کیونکہ اس کا مقصد تجرعلی کا اظہار نہیں ہے، بلکہ عورتوں کی اخلاقی اصلاح ہے، اور اگر نیت کا اثر عمل پر پڑتا ہے تو انشاء اللہ یہ کتاب اپنے مقاصد میں اس مسئلہ کی اور کتابوں سے بہت زیادہ کامیاب ہوگی،

ہر ہانس کے قلم سے اس سے پہلے بھی متعدد ضخیم تصنیفات نکل چکی ہیں، لیکن عفت المسلمات باوجود صغر حجم ان میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر تالیف ابتک شائع نہیں ہوئی تھی،

کتاب کا حجم ۲۰۰ صفحہ ہے، لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور کاغذ اعلیٰ قسم کا لگایا گیا ہے، دفتر ظل السلطان شاہجہان آباد بھوپال سے مل سکتی ہے،

انہی شیا

ولایت مرحوم

نالہ کلک: سجاد انصاری بی۔ اے ال۔ ال۔ بی

شیخ ولایت علی مرحوم بی۔ اے ال۔ ال۔ بی ہمارے ان نوجوانوں میں تھے جن سے قوم کو اپنی
جوان بختی کی امید تھی، تعلیم جدید کی اعلیٰ لیاقت کے ساتھ انکامشرقی اخلاق و معاشرت عبیدالکش تھی
انکی شیریں گفتاری، جبین ساوگی اور ظرافت کا نمک ملا ہوتا تھا، انکے ہم بزم دوستوں کیلئے عجیب نعمت
تھی، انکی پرہیزگار انشا پردازی جس سے کامریڈ اور نیواپرا کے صفحات گل ریز رہتے تھے ہیشہ کیلئے
خزان رسیدہ ہو گئی، وہ ان لوگوں میں تھے جو جو اوش زمانہ اور سنی ہاے ایام کا خندہ جبینی اور مہنی
خوشی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں، انکی آزاد روی اور حریت فکری خزانہ کی ہر قید و بند سے بے پروا تھی
وہ ماہوار وسیع آمدنی کے مالک تھے لیکن انکے کام و دہن اور جان و تن کے لئے وہ بیگانہ پیر تھے
وہ حقیقت میں مجالس قومی نقرائے وطن اور احباب و اعزہ کا حق تھی، غفرلہ اللہ مرحوم
جناب سجاد انصاری کے ہم نمون ہیں انکی نظم نے ہمارے ماتم کا فرض ادا کر دیا،

اے پیکر! بنساطِ ہستی!	تو حسنِ تبسمِ جہان تھا
اک صبح اسید کی جہلک تھی	اک حرفِ پیامِ آسمان تھا
سیمابِ نشاط تھا سراپا	دیدانہ عیش کا مران تھا
تہین دل میں بہار کی فضا میں	گو سامنے منظرِ خزان تھا
ہر بات میں بذلہِ سنجیدگی سے	اک سحرِ تجلی بیان تھا
تیرے اندازِ گفتگو میں	اک محشرِ حسنِ داستان تھا

تحریر کی دلفریب ہون میں	افسوں بہار بوستان تھا
اللہ سے مذاق نکتہ بینی	گویا شاعر کا راز دان تھا
اک انجمن صفات تبادل	حسن فطرت کی چیتان تھا
حسرت صدق آشنا کا	یہاں سے غیور پر نشان تھا
کیونکر کرتا تو جہہ سائی	بیگانہ در رسم آستان تھا
خود داری بے نیاز میں بھی	اک عالم بیخودی نہان تھا
اخلاص کی خاکساریوں میں	افسانہ دورِ پاستان تھا
ایشیا رہتا، غمگساریاں تین	ہر دل کے سکوت کی زبان تھا
تیرا مرنا تھا اک قیامت	ہر ایک شمشادِ فغان تھا
اللہ سے کس طرح گلہ ہو	یہ کیا اندازِ امتحان تھا
یہ نمکدہ فضا نے گیتی	رہنے کے لئے ترے کمان تھا
زود وس خلوص کا فرشتہ	اس فتنہ سرزمین ہیماں تھا

اب غلامین نازش چین ہے

سرمایہ حسن انجمن ہے

غزل فارسی

شاید یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ہمارے فضل دوست مولانا عبد السلام ندوی ایک
 قادر الکلام شاعر بھی ہیں، شاعری پر انکی تنقیدین ناظرین کی نگاہوں سے اکثر گزری ہوگی
 وہ شاعری کے رموز نکات پر نہایت اچھی نظر رکھتے ہیں، بیشتر ترادو اور کبھی فارسی میں

کچھ چہن، لیکن شاعری کی حیثیت سے پہلک میں آنا، خون نے ہمیشہ ناپسند کیا اب
ہمارے اصرار اور استاذ مرحوم کی تقید سے مجبور ہو کر وہ اپنی ایک تازہ فارسی غزل ہدیہ
ارباب نظر کرتے ہیں،

دوق لب و دہانت این خستہ جان نلند	طرز تبسم تو ز خم نسان نلند
رازے کہ باریقیان ہم در میان نام	وا حسرتا کہ آن نیز آن دستان نلند
یارب ازین زبان بیصرف مدعا بصیت	دو جہش است و لیکن طرزِ فغان نلند
صوفی ازوشنیدہ است این فنا باز گوید	دائیم راز ہستی سپر مغان نلند
این بوسہ رخ اور از سرست برنسانی	ای شوق لب نلند کام و دہان نلند
آن سادہ را بہیندای آہوان صحر	صید افکند و لیکن تیر و کلان نلند
پست و بلند گیتی ہوا رہ می نماید	دیوانہ ات زمین را از آسمان نلند

از جوش طبع ندوی این حرف پارسی ست

اور از خرم زینت او صفحان نلند

گلکہ عزمیہ

رہنے دو کہ ہے قابلِ عبرت مرا گھر بی	آئیگا کبھی تو کوئی سستیاں «ہر بی
کچھ دور وہ ہمراہ جنازے کے چلیں گے	کیا دیر ہے بیا رحمت کہیں مر بی
کوئین ہے بیتاب ترے جلوہ رخ سے	ہے ایک تماشا جو ادھر بی ہے اُدھر بی
مرکز کی کشش روح کو دیتی ہے تعلیم	اس طرح نکل جا کہ موت کو خبر بی
دینا نہ عزمیہ آنکھ کو گردش دم آفر	بیٹھے ہیں سر بانے ترے ارباب نظر بی

کلام فانی

جناب شوکت علی صاحب قافی بی۔ اے ال ال بی بدایون

بشر میں کس موجودات عالم ہم نے کیا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ، لیکن اس قطرہ میں دریاء
مری میت پہ انکا طرز ماتم کس بلا ہے
دل بے مدعا سی پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے
مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہم کیا کہوں گئے
ٹہر جائے تو انگارہ ہر بہ جائے تو دریا ہے
کوئی دل میں نہیں آتا تو پھر یہ داغ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقش کف کیا ہے
اُسی کو تم مگر اے اہل دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ کھٹکتا ہے
نہ بن نجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں ناے
خبر دل کی ہنودل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے
مری تربت کو اپنا گھر بنا لینے سے کیا چل
یہ کیا دیوانگی ہے کچھ مری وحشت کو سودا ہے
محبت ہی نہیں تو پاسِ ادب محبت کیا
وفا کی یا بھانگی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے
نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثارِ بیتی
ہم اے امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہے
تہارے نظم طے غیر کے لوگوں کے اودا ہے
محبت میں دل مجبور کو سب کچھ گوارا ہے
شبِ فرقت میں ہم ہر سانس یہ پوچھ پوچھ
جگر تو خیریت سے ہی مزاجِ دل تو اچھا ہے
غبارِ رشک ہمارا ستانِ حشرتِ باس کے نظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے
مری عمر دیون کا فیض جاری ہو گئی
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانی سی کہ تیری موت آئی ہے

تم اس کام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے



مطبوعات بھوپال

بیگمات بھوپال، ریاست بھوپال کا شاید اس وصف میں دنیا کے تمام حکمران خاندانوں میں کوئی حریف نہ ملے گا کہ آغاز قیام ریاست سے اس وقت تک وہ عموماً خواتین کے حسن تدبیر اور طرز فرمانروائی کے زیر سایہ رہی، اور اس لحاظ سے اسکی تاریخ نہایت دلکش ہے، ہمارے دوست جناب منشی محمد امین صاحب زبیری اہم حلیفہ تاریخ بھوپال نے بیگمات بھوپال کے نام سے وہاں کی مس حکمران بیگمات کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں، بھوپال کی تاریخین کثرت سے لکھی گئی ہیں مگر مولف نے ابتدائی واقعات کی تلاش میں بعض اہم اکتشافات تاریخی پیدا کئے ہیں، اس بات کی غرض کو پیش کی ہے کہ بیگمات کی گھر کی زندگی، اور غیر حاکمانہ حالات معاشرت و اخلاق کی بھی پوری تصویر تیار ہو جائے، دوسرے حصہ میں موجودہ فرمانروائے کشور بھوپال کے حالات بھی ایک مؤرخ اور چشم دید شاہد کی حیثیت سے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ انکے تاریخ نگار قلم پر نہیں مڑوس کے اثر کا کوئی دباؤ محسوس نہ ہو، زبان بھی سلیس اور روان اختیار کی گئی ہے، جا بجا بیگمات کی بنائی ہوئی عمارتوں یا انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریروں کے عکسی فوٹو ہیں، کدوائی چپائی کا غدغدہ، ضخامت ۸، ۶ صفحے، قیمت ۱۰/-

خطبات غریبہ، جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے ال ال بی، جو دو ٹک (اندن) میں بھیکر اشاعت اسلام کا کام انجام دے رہے ہیں، اور اس غرض سے اسلام کے فضائل اور حقیقت انگریزی زبان میں جو کچھ دیتے ہیں، اشاعت اسلام بک ڈپو لاہور نے انکے اردو ترجمہ کا سلسلہ شائع کیا ہے، موجودہ سلسلہ نمبر ۱۰ کا ہے، ہر نمبر کی قیمت ۵/- روپے، چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ : اشاعت اسلام بک ڈپو احمدیہ بلڈنگس لاہور،

جو ہر قدامت، ایک زمانہ تاکہ مولانا نذیر احمد دہلوی نے اپنی تصنیفات کا یہ مقصد قرار دیا تھا کہ مسلمان عورتوں میں تعلیم جدید کی اشاعت ہو، بھگواللہ کہ جدید تعلیم نے تھوڑی بہت ان میں اشاعت پائی، تو اب اسکی ضرورت ہوئی کہ جدید تعلیم جو اثر اب بد پیدا کر رہی ہے اور جو ناقص نمونے اپنی تربیت کے پیش کر رہی ہے انکو آشکار کیا جائے، جانشین نذیر احمد مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی نے اس فرض اہم کو اپنے ذمہ لیا ہے، جو ہر قدامت اسی تخیل کا نتیجہ ہے، جس میں افسانہ کی صورت میں جدید طریقہ تعلیم کے قبا ح اور قدیم تربیت و تعلیم کے محاسن نمایاں کئے گئے ہیں، مولوی راشد الخیری صاحب کی زبان اور انداز تحریر ب کو معلوم ہے، لکھائی چھپائی کا غلط وسط، قیمت ۵ روپے، دفتر صدیقی پبلی کیشنز بہاولپور ضلع گجرات،

گلزار بادشاہ، الحاج خطیب قادری بادشاہ صاحب مرحوم متخلص بہ بادشاہ، سابق رئیس و انبیا ری ضلع شمالی ارکاٹ، برادر جناب نواب امین جنگ بہادر چیف سکریٹری حضور نظام کے اردو تصانیف و غزلیات و منظومات کا مجموعہ اس نام سے شائع ہوا ہے، اردو کی وسعت پر حیرت ہوتی ہوئی دلی اور کٹنوں کی ادبی زبان ہندوستان کے آخری بحری گوشہ تک پہنچ گئی ہے، بادشاہ مرحوم کے منظومات میں تعیت، غزلیہ، قومیہ، اخلاقیہ ہر صنف کا کلام ہے، بعض اشعار اور مصرع حد درجہ روان اور بے تکلف ہیں، اور تمام کلام زبان کے غلط سے عموماً پاک ہے، لکھائی، چھپائی کا غلط وسط، ضافہ ۲، ۴، صفحے، قیمت ۵ روپے، پتہ: گوڈون اسٹریٹ نمبر ۷ مدراس،

اردو لٹریچر کی ترقی پر ایک سرسری نظر، حکیم محمد ناصر الدین احمد صاحب دہلوی جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ اردو کافر نس کی ایک مختصر تحریر جو گذشتہ اجلاس اردو کافر نس میں انھوں نے پڑھ کر سنائی، غالباً خود حکیم صاحب نے لکھی،

مجلد سوم	ماہ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق مایچ ۱۹۷۱ء	عدد نم
----------	---	--------

مضامین

۴۵۱	۴۵۰	شذرات
۴۶۴	۴۵۲	ہمارے موجودہ نظر بنان اسلام
۴۷۱	۴۶۵	تقویت دماغ
۴۸۷	۴۷۲	ابن یمن
۴۹۱	۴۸۸	سورہ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر
۴۹۷	۴۹۲	گلکدہ
۵۰۱	۴۹۸	ادبیات
۵۰۴	۵۰۲	مطبوعات جدیدہ

دارالمصنفین کی جدید مطبوعات

قیمت عام ۱۲	شعر المعجم جلد پنجم، علامہ شبلی نعمانی
۱۲	ارض القرآن، جلد دوم، سید سلیمان ندوی
۱۲	برکے (ادل)، پروفیسر عبدالباری ندوی
۱۲	مبادی علم انسانی (برکے) دوم
نیچے	تاجرون کو ۲۵ فیصد کمیشن

شکلا

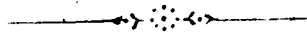
برادران اسلام یہ سن کر خوش ہو گئے کہ اعلیٰ حضرت ناصر الاسلام دالین محی الملک الدین
ہزار گز لٹہ ہائیں شرمایہ دکن خلد اللہ ملکہ و دولہ نے ہماری استدعا کے بغیر صرف استحقاق پر نظر رکھ کر
سیرۃ نبوی کی مدین چار ہزار آٹھ سو روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا، یہ رقم ۲۰۰ ماہوار کی صورت میں دو برس تک
خزانہ عامرہ سرکار عالی سے جاری رہیگی، جزی اللہ السلطان عن الاسلام و اہلہ خیر المجرع،



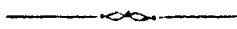
ہمارے ایک کرم فرما حافظ صاحب علی صاحب نے سنگاپور سے ہکو چند قلمی کتابیں عنایت
فرمائی ہیں جن میں سے ایک ابن بیطار کی جامع الاودید ہے جو زیادہ تر مفردات ابن بیطار کے نام سے
مشہور ہے اور اسی نام سے مصر میں چھپی بھی ہے، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب شریف کا لکھا ہوا ہے،
ابن بیطار ساتویں صدی ہجری کا مشہور عالم نباتات ہے، اس کے حاشیہ پر ابن کجی بن عیسیٰ کی کتاب
منہاج البیان فی استعمال الانسان ہے، ابن کجی قدیم طبیب ہے، ۶۴۹ھ اسکا سال وفات ہے،
یہ کتاب علم نباتات طبیہ میں ہے، آخر میں اسی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر ایک اور کتاب اسی علم میں ملتی ہے
انڈس کہ اسکا نام اب تک معلوم نہ ہو سکا، دو اور قابل ذکر کتابیں ہیں، شرح حکمت العین جو فلسفہ میں بہترین
کتاب ہے، اسپر لا میرزا جان اور میرید شریف کا حاشیہ نہایت شیریں ایرانی خط، اور ملا نظام الدین کا
حاشیہ شرح عقاید جلالی پر، یہ حاشیہ ۱۲۲۳ھ میں بمقام چناٹن نقل ہوا ہے، ناقل کا نام محمد فاضل ہے،
غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب ملا بحر العلوم مدراس میں تشریف فرما تھے،



سیرۃ بنوی نے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں جو مقبولیت حاصل کی ہے، اسکے لحاظ سے آپ یہ سن کر متعجب نہ ہونگے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی زبانوں میں اسکے ترجمہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بنگالی میں مولوی محمد اکرم صاحب ناظم مجلس علمائے بنگال صرف سیرۃ بنوی کے انتظار میں اپنی سیرت کا سؤدہ رو کے ہوئے تھے، برمی زبان میں مختصر سیرت شائع ہو رہی ہے، انگریزی ترجمہ کے لئے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹریٹ لا (دوکنگ) تیاری کر رہے تھے، ادھر انکا حال نہیں معلوم لیکن سب سے زیادہ حیرت یہ سن کر ہوگی کہ مرہٹی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے بڑا ودھ کی ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون نے ہمت کی ہے،



دہاکہ سے ایک مخدوم نے جبکہ کتب خانہ کے بعض نوادر و حقیقت جوہرات میں تلنے کے لائق ہیں ہمارے پاس گر بہ نامہ (بلی نامہ) ایک قصہ کی چند ورقہ کتاب اس تمیدی خط کے ساتھ بھیجی ہے کہ ”مجھے یقین ہے کہ دارالمصنفین کے قبضہ میں ایک بڑا کتب خانہ ہے تاہم یہ من ظن نہیں کہ گر بہ نامہ اس میں موجود اسلئے بازار سے دو پیسے کی خرید کر بھیجتا ہوں“ یہ اردو سنٹر میں مگر بہ مسکین کی مختصر سوانح عمری ہے، زبان پرانی ہے مگر روان، قلم اردو کے دستور کے مطابق حرف اضافت کی تقدیم و تاخیر ہے، جا بجا آیات قرآنی، احادیث، فارسی اساتذہ کے اشعار، اور ہندی دوہے ہیں، خیالات و مضامین سے مولویت جھلکتی ہے، آخرین مصنف نے اپنا نام فقیر غلام علی آزاد بتایا ہے،



اس سے مراد اگر میر غلام علی آزاد بلگرامی ہیں جیسا کہ قرآن کی شہادت ہے تو اس نظریہ میں اب غور کرنا پڑیگا کہ اردو سنٹر کی سب سے پہلی کتاب فضلی کی دو مجلس ہے، جیسا کہ مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کا دعویٰ ہے، یا میر غلام علی آزاد کا یہ چند ورقہ رسالہ ہے، یہ دونوں بزرگ ایک ہی زمانہ میں تھے،

مقالات

موجودہ نظریہ ان اسلام
علمی، مذہبی، اور اخلاقی نقطہ نظر سے



(۳)

درویشم راہ در مان می زخم	سینہ ریشم بر نمدان می زخم
نوجو نفسم دماغم دیگر است	خویش را بر سنگ طفلان می زخم
باد ما خور و نذ و محض بر شکست	دوست بر یاد و زندان می زخم
بلبلان و اندکین گلبانگ شوق	گرچه دشوار است آسان می زخم

عزیزان ملت! گذشتہ دو صحتوں میں مردان اسلام کے جو کارنامے میں نے تم کو سنائے ہیں، یہ اس حد کے واقعات ہیں جب تمہارے اسلاف کائنات ارضی پر حکمران تھے، اور دین و دنیا کے برکات ظل ہما بنکر تمہارے بزرگوں کے سر وں پر سایہ افکن تھے، دنیا کی تاریخ میں جو انقلاب چند صدیوں سے پیدا ہو رہا ہے، اس سے اُمید تھی کہ تلو اپنے موروثی اخلاق کی نمائش کا موقع غالباً اب نہیں ملے گا،

دولت برطانیہ جس نے مشرق کے معرکہ بنگال فتح کرنے کے بعد اس سرزمین کی خداوندی کا اعلان کیا، اس نے اپنی شہنشاہی کی عمارت جن ستونوں پر قائم کی وہ عدل و انصاف اور قانون و تہذیب اس بنا پر بھی سب کو خیال تھا کہ جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا وجود کم از کم ہندوستان سے مفقود ہو گیا، اور اسلئے فرزند ان اسلام کو اپنے بزرگوں کی متروکہ اخلاقی وراثت کے اظہار کے موقع نہ مل سکیگا،

لیکن واقعات عالم نے ظاہر کر دیا ہے کہ دنیا سے شر کا وجود کم سے کم کٹ کر جاسکتا ہے،

لیکن معدوم محض نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اتفاق سے ایسے حوادث پیش آئے جسکے اثرات اور نتائج نے حکومت کو سخت گیری پر مجبور کر دیا، اور ایسے قوانین کے استعمال کی ضرورت پیش آئی جو ہر سلطنت میں ہمیشہ اسی طرح ظاہر ہوتے رہے ہیں، اور انکے نیک و بد ہونے کے متعلق فرما نرود اور قریباً ہر طبقہ میں اختلاف رائے بھی ہمیشہ اسی طرح رہا ہے، حکمران طبقہ ان قوانین کے وضع اور استعمال میں اپنے کو قبیح سمجھا ہے اور محکوم انکو سنگدلی اور جوہر دہم کے مرادف قرار دیتا ہے،

عبدالطانی بن اس قسم کا موقع سب سے پہلے ۸۷۱ء کے غدر میں پیش آیا، سیکڑوں اشخاص جو واقعات مجرم تھے یا قانون کی نگاہ میں قابلِ تعزیر تھے، سخت سے سخت سزا برداشت کر نیکے لئے انکو تیار ہونا پڑا عام رعایا کے علاوہ امرا اور علماء کی جماعت بھی کم نہ تھی، بہار و بنگال کے دہائی علماء کا فتنہ جو محض انسانی غلط فہمی کا کرشمہ تھا بدترین صورت میں نمایاں ہوا، مسمورہ صا د قپور (پٹنہ) جو اس صوبہ کے علماء کا مرجع تھادیرایہ بن گیا، علماء کرام کی ایک جماعت کا قانونی مجرم کی حیثیت سے جریرہ اندمان کو جلا وطن کر دیا، واقعات غدر کے سلسلہ میں جن بزرگوں کو قید اور جلا وطنی کی صعوبتیں اٹھانی پڑیں انکی فہرست طویل ہے، لیکن ہمارے مضمون کے تعلق سے دو صاحبوں کے نام کبھی فراموش نہیں ہو سکتے یعنی مولانا فضل حق خیر آبادی، اور مفتی عنایت احمد صاحب یہ ہندوستان سے جلا وطن کر کے بھارت لایا، شہر اندمان بھیجے گئے، اور ایک مدت تک وہاں زندہ رہے، لیکن ان خوش نصیب قیدیوں میں نہ تھے جنکی آنکھوں نے اپنے بچپن کے گوارہ اور اپنی جوانی کے معرکہ گاہ کو دوبارہ دیکھا، تاہم اسکی محبت انکے دل سے فراموش نہیں ہوئی، اور ہزاروں کوس دور سے اہل وطن کے لئے اپنے خون جگر (تصفیفات) کا تحفہ بھیجا،

مولانا فضل حق خیر آبادی ہندوستان میں فلسفہ و حکمت کے امام تھے، عربی کی تمام درگاہوں میں جہاں فلسفہ و حکمت کا نشان ہے، انکا نام بطور یادگار موجود ہے، ہدیہ سعیدیہ کے مصنف ہندوستان کا

کون عربی خوان ناواقف ہے، وہ نامور فلسفی ہونے کے ساتھ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب تھے، ان کے جسیات، یعنی زمانہ قید کے عربی قصاید، لطف زبان، اور خیالات کے لحاظ سے عجیب نادر چیز ہے، خواتین فرنگ کے ساتھ تثنیب اور پورپ کے طرز تمدن کا خاکہ ان قصاید میں خوب اُڑایا ہے، مفتی عنایت احمد صاحب ایک نہایت جید اور مقدس عالم تھے، انھوں نے عالم غربت سے جو تحفہ بھیجا وہ قوم کے بچوں کے پسند آیا، یعنی صرف میں علم الصبیغہ لکھ گنڈ کی، جواب الکتراس میں راج کھو گئی ہے، اس کتاب کی تصنیف کے وقت مصنف کے سامنے کاغذ کے سادہ صفحات اور شام غربت کی سیاہی کے سوا کچھ اور نہ تھا، ان صفحات میں علم و کمال کا جو نور نظر آتا ہے وہ صرف مصنف کے دل و دماغ کا فیضان ہے،

یہ فتنہ مشرق (غدر) کی مختصر داستان تھی، برطانیہ کے انتظام ملکی کا سمندر اب نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ روان تھا، دفتہ ۱۸۵۷ء کے ۷۵ برس بعد فتنہ مغرب (جنگ پورپ) نے سر اٹھایا، سمندر کی طہیانی اور جوش و خروش جو کشش مرکبی کا لازمی نتیجہ بنتا پیدا ہو گیا، اور ایسے قوانین وضع ہوئے اور زیر عمل آئے، جنکی نسبت ملک کے مختلف طبقات نے قانون نظام عالم کے مطابق مختلف رائیں ظاہر کیں لیکن علماء اسکا اثر یہ ہوا کہ اسلام کے بعض جانباز فرزند سنت پدری کے اختیار کرنے پر حکماً مجبور کئے گئے،

ان نظربندوں کی فرمت گوبری ہے لیکن مجبکوان میں سے صرف پچیس تیس نام معلوم ہیں جو پنجاب، سندھ، بھو بہار، سندھ، بہار، بنگال، مدراس اور رنگون، ہندوستان کے مختلف صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں،

اس مضمون میں اس سے بحث نہیں ہے کہ جن شبہات کے ماتحت انکی گرفتاری اور نظربندی عمل میں آئی ہے، کما ننگ صحیح ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اخلاقی، مذہبی اور علمی حیثیت سے ہمارے

نظر بندوں نے اپنی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا، وہ تاریخ اسلام کے گزشتہ کارناموں سے کہا تنگ مطابق ہے، اس جماعت میں علماء بھی ہیں، جدید تعلیم یافتہ بھی، عام مسلمان اور تاجر بھی ہیں، اور مقدسین و ارباب مصلحت بھی، لیکن بھلا اللہ کہ سخت مصیبتوں، مصیبتوں اور شکلوں کے ہجوم میں بھی ایک کے سوا ان میں سے کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو انکو انکی روایات تاریخی کی عدالت میں مجرم قرار دے سکے اور انکے سیرۂ صد سالہ کارناموں کے دامن پر بدنام داغ لگا سکے، اسلئے ۱۹۱۴ء سے یکسر ۱۹۱۹ء تک جو زمانہ مسلمانان ہند نے بسر کیا وہ انکی پُر فخر صدیوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہے،

۱۔ حق و باطل کا فیصلہ مشکل ہے، لیکن انسان کی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے نزدیک حق جانتا ہے، اور جسکو وہ ایمان سمجھتا ہے، سخت سے سخت ہندید، سخت سے سخت مصیبت اور شدید شندید مخالفتوں کے باوجود بھی اس میں تزلزل نہ پیدا ہو، وقت کی تاریکی، راہ کی سختی اور فضا کی آندہ ہی اسکے قدم کو جادہ استقامت سے ہٹانے سکے، بھلا اللہ کہ اس اخلاقی میار میں ہمارے کسی نظر بند نے ہکو ناکام نہیں کیا، تمام ہندوستان کو معلوم ہے کہ حکومت نے اپنی مہربانی سے چند شرائط پر انکی آزادی کا وعدہ کیا، لیکن وہ جسکو حق سمجھتے تھے، اُس سے ہٹنا انھوں نے گوارا نہیں کیا،

۲۔ ان میں سے اکثر ایسے تھے جنکی مالی حالت نہایت تنگ تھی، بلکہ بعض ایسے بھی تھے جنکو انکا ماہوار وظیفہ خود انکی ذات کے لئے کافی نہ تھا، اہل و عیال اور متعلقین کے لئے خدا کے سوا کسی اور کا سہارا نہ تھا، تاہم یہ گراں باری بھی انکے قدم کو ڈگمگانہ نہ سکی،

۳۔ مذہبی حالت کے لحاظ سے دیکھتے تو ان میں جدید تعلیم یافتہ اشخاص نسبتہ مذہبی پابندی میں وسیع تھے، لیکن سچ یہ ہے کہ جو ایمان کلبہ احزان اور مصیبت کدہ زندان نے چند برسوں میں انکے دلوں میں راسخ کر دیا وہ عیش و راحت کے یوانوں نے سالہا سال میں بھی نہیں پیدا کیا،

۴۔ ان میں سے اکثر صاحبوں کو یہ عالم زندان میں نظر آیا کہ اپنے نزدیک جس حق کی خاطر یہ تکلیفیں

انھوں نے گوارا کی مین، اُسکے اصلی سرچشمہ پر کیونکر قابو پایا جاسکتا ہے، خدا نے اُنکو شرح صدر عطا فرمایا، قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کا دلولہ اُنکے دلوں میں پیدا ہوا، عربی زبان سیکھنے کی انھوں نے کوشش کی عام علوم دینیہ کی واقفیت کی ان میں ترغیب پیدا ہوئی، اور ایک حد تک وہ ایمین کامیاب ہوئے، اور عجیب ہنرین کہ جن دوستوں کو ہم نے مسٹر لکھو دواغ کیا تھا آئندہ ملا لکھو ہم انکا استقبال کریں گے، مولانا محمود الحسن | امام العصر، شیخ السند مولانا محمود حسن اور اُنکے رفقاء کرام ہمارے دوسرے نظر بندوں کے مقابلہ میں مختلف حیثیتوں سے تزجی پہلو رکھتے ہیں، لیکن اُنکے اس شرف اور امتیاز کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنی نظربندی کا آغاز اس سرزمین اور اس آبادی سے کیا جسکی ایک گوشہ میں "اسلام کا سب سے پہلا نظربند" شعب ابی طالب میں تین برس محصور رہا، اور اسلئے کہا جاسکتا کہ مولانا کو جس طرح اپنے دیگر اعمال میں سنت نبوی کے کامل اتباع کا ذوق و شوق تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آخری عمل میں بھی اسوہ محمدی کا شرف اُنکو عنایت فرمایا، سچ ہے المرء مع اخبہ ہمارے نظربندوں کو با این ہر صوبات ترک وطن کی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی، لیکن اس مرد راہ خدا کو یہ مصیبت بھی اُٹھانی پڑی درست ہے، حسنات الابواب و سیئات المقرین،

مولانا اور اُنکے رفقاء نے جدہ، مصر، اور مالطہ میں اپنی قید کا زمانہ بسر کیا، لیکن اُنکے یہ تمام ایام جس ذوق و شوق، دلولہ و جذبات اور مبارک اشغال میں گذر رہے ہیں، اور اس پیرانہ سالی میں وطن سے ہزاروں کوس دور جس ثبات قدم اور رسوخِ عدم کے ساتھ وہ اس سنگلاخِ زمین کو طے کر رہے ہیں، وہ گذشتہ ائمہ کرام کے عداغی کی یاد زندہ کر رہا ہے، ایمان، توفیق، صبر و شکر، تسلیم و رضا کا وہی نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جو تاسیخ کی دور بین ہلکوبھی مکہ کے غاروں میں، کبھی بعد از دوشنبہ کی قید خانوں میں، اور کبھی بلخ و ہرات اور نیشاپور کے زندانوں میں دکھاتی ہے، توفیق ایمان و شکر علم اور اشاعت حدیث کا جو فرض وہ دارالعلوم دیوبند کے مجروحین انجام دیتے تھے وہ مالطہ کے

نمبر ۲۲۱۹ کے کوٹھی میں انجام پا رہا ہے،

مولانا اور ان کے رفقاء کے اشغال کا نقشہ مولانا کے اس صحیفہ عالیہ سے ظاہر ہوگا جو اپنے بھائی کے

نام اخون نے رقم فرمایا ہے،

یون اسیران قفس تک کی پہچان گل برگ جیسے غربت میں شفقانِ دِلن کا کاغذ

..... بالحدہ ہم سب بحمد اللہ بحیرتِ مین اور راحت سے مین اور اپکو خطا لگنے کے پندرہ مین روز کے

بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصرت کچھ ترستی کر کے مانا آگے مین مسافت تو کچھ ترستی گئی مگر تکلیف کچھ مین بلکہ

میانِ راحت زیادہ ہے، الحمد للہ گو اس عرصہ مین حالاتِ وطن سے بیخبری رہی مگر دور دراز کے

وہ حالات معلوم ہوئے جو خواب مین بھی نہ دیکھے تھے آدمی جب تک زندہ ہے حرکتِ زمانی تو کسی وقت

کتنی نہیں مگر حرکتِ زمانی اور حرکتِ مکانی دونوں بل کہ بہت انکشافاتِ جدیدہ کے موجب ہو گئیں،

سبوری لٹ لایامِ مآلنت جاہلا عقربِ زمانہ تجرِ بہت سی معلوم باتیں ظاہر کر چکا اور تجر

دیبا تیلٹ بالا خبا دن لم تزد وہ شخص نہ نہ بیگنا جسکو تو نے اس غرض سے بھیجا ہوا

مستعد اسباق و دیگر شافل مین اچھی طرح گزر رہی ہے، ادھر دتھجون مین اللہ اللہ لاہیجون

دنکو خدا سے وہ امیدیں مین جو انگوٹھ مین کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہیں کہ جو کسی وقت منقطع ہو جاے

الحمد للہ ثم الحمد للہ

مولانا ابوالکلام آزاد اگر ہمارے نظر بندوں مین کوئی ایسا ہے جو اسوہ محمدی پر فائز ہوا تو ہم مین ایک اور

ہستی ایسی ہے جو اسوہ یوسفی کے در پر متنازع ہوئی اور جو زندان مین بھی جا کر تازہ سنج یا صابجی السجی

الاباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہاد ہے جس عزم استقلال استغنا اور قوت ایمانی کے ساتھ

یہ زمانہ مولانا نے بسر کیا ہے وہ ان علمائے اعلام کی یاد کو تازہ کرتا ہے جسکے واقعات و سلسلوں مین

تم کو بھی سنائے جا چکے مین شاید سبکو معلوم ہو کہ اخون نے حکومت کا وظیفہ لینے سے انکار کیا اور

اعانت نظر بنڈان کا ماہوار عطیہ بھی قبول نہیں کیا، پھر یہ زمانہ وسیع مصارف کے ساتھ وہ کیونکر بسر کر رہے ہیں اس کا علم خدا کو ہے، اس زمانہ میں انکو جو مالی وقتیں کبھی کبھی پیش آئیں وہ صرف عبادی لشکر کے رمزمین پنہان ہیں۔

یہ معلوم ہو گا کہ رات کو انکو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس بنا پر وہ نماز عشا کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے گوارا نہیں کیا کہ اِن الْحُكْمِ اِلَّا لِلّٰہِ کے اصول سے انحراف کریں، انھوں نے حکومت سے اجازت چاہی اور جب اسپر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو انھوں نے برملا اعلان کر دیا ادا سے ولیفہ الہی میں انسانوں کے فرمان ماننے نہیں آ سکتے، لاطاعة لخلق فی معصیۃ الخالق، آہ! ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو آزادی کے بستر سے بھی اٹھ کر خدا کے آگے سر نہیں جھکاتے ہیں اور ایک وہ عباد صالحین ہیں جو قید و تنگی میں بھی ساجد الہی کی یاد فراموش نہیں کرتے،

راچی ایک ایسا مقام تھا جہاں مسلمان نہایت ذلت و نکبت کی حالت میں تھے، جماعت اور باہمی مذہبی خانہ جنگی نے انکو گرد و پیش کے حالات سے ناواقف رکھا تھا، عیسائی مشنریوں کا جال سار کی طرح پھیلا تھا، عالم دین کا اس خطہ میں وجود نہ تھا، مذہبی احساسات کی روح ان میں مرود تھی لیکن مولانا کے پرتو صحبت نے چند ہی سال کے بعد وہاں کی زمین و آسمان کو بدل دیا اس ہم وہاں اسلامی انجمن کا نام سنئے ہیں، ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد و تعمیر دیکھتے ہیں، علما شاہیر کے مواعظ حسنہ کا جلوہ وہاں نظر آتا ہے، مذہب اور ملت کی روح کو انکے جسم و تن میں جنبش کرتے ہوئے پاتے ہیں، اور وہاں کے فقرا اور خاک نشینوں میں اب یہ حوصلہ دیکھتے ہیں کہ علم کا پہلا کعبہ اس دیار میں وہ خود اپنے زور بازو سے قائم کر کے، ہیں گے، جہاں ایک عالم دین کا وجود نہ تھا، وہاں اب کوششیں ہو رہی ہیں کہ سیکڑوں علما سے دین الہی کی خاک سے پیدا ہو کر اس سرزمین کو سنو کر کریں، جہاں مسجدیں بے چراغ تھیں وہاں ایک پرتو خورشید سے دیرو حریم سب اجالا ہو گیا، جمعہ اور عیدین کے جماع

اس سرزمین میں جہاں اسلام کی کوئی صحبت بھی ہم نہ تھی، وہاں اب سوک شاہی کا دھوکا دیتے ہیں، زمانہ قیام رانچی سے ایک سال تک جامع مسجد میں انھوں نے مسلمانوں کو قرآن مجید کا درس دیا اب زیادہ ترافقات تالیف و تصنیف میں مہر ہوتا ہے ترجمان القرآن یعنی قرآن مجید کا موثر تفسیری ترجمہ اسی زمانہ میں ختم ہوا، البیان تفسیر قرآن میں ایک جامع تصنیف کا سلسلہ ۲۳ پاروں تک پہنچ چکا ہے، فقہ اسلامی پر بغیر فریقانہ تعصب کے صرف کتاب و سنت کو پیش نظر رکھ کر متعدد رسائل الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الحج، النکاح ترتیب دیا، سوانح مجددین اسلام کا سلسلہ شروع کیا، اور اس میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے سوانح و مجتہدات قلبند کے ایک اور رسالہ منطق اور بعض دوسرے عنوانات علمی پر تحریر کیا،

ان سطروں کے لکھتے وقت ہکویہ دھوکا ہو رہا ہے کہ کیا میں خود ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس لائے سرخی اور امیر ابن عبد العزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں؟

محترم محمد علی و محترم شوکت علی | ان دونوں بھائیوں کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف اخبار میں طبقہ کے سامنے ہے، جذبہ ملت، اور اس راہ میں سرفروشی اور جان بازی اگر علمائے کرام سے ظاہر ہو تو ہم کہیں گے کہ انبیاء الواعزم، اصحاب کبار اور بزرگان دین کے کارنامے انکی آنکھوں میں ہیں۔ بچپن سے جوانی تک اپنی تعلیم و تربیت کا زمانہ علما اور صالحین کے ہمنوش میں بسر کیا، لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم وہی دلولہ ملت پرستی، وہی ذوق و شوق خدمت دینی، وہی جذبہ اخلاق بنوی ہم ان میں بھی پاتے ہیں، جنھوں نے نہ صرف غیر علماء کے گودوں میں تربیت پائی، بلکہ ناسلمانوں کے دامن تربیت میں پل کر جوان ہوئے، اور ہمیشہ اس تعلیم و تربیت کے زیر سایہ رہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی قومی و مذہبی روح کے قتل کر نیکا سموم آکھ ہے:

لے کیا مسٹر کی جگہ اس لفظ کو آپ رداج دینگے؟

دلی کی جامع شاہجہانی میں جمعہ کے دن اُنکے دواغ عام کا منظر جن آنکھوں نے دیکھا ہے وہ اس کیف کو اتک جھولے نہیں ہیں، چند دائرہ مالک متوسط کا وہ مقام تھا جان آغاز تخلیق عالم سے ۱۹۱۴ء تک روحانی مناظر کا کوئی جلوہ فروغ چشم نہیں ہوا، نہ صرف اس چوڑے سے ضلع میں بلکہ مالک متوسط کے پورے احاطہ میں اسلام تن مردہ تھا، مسلمانوں میں بیکسی، بچا رگی اور موت تھی، لیکن ان دونوں بھائیوں کے درد کے بعد نہ صرف چند دائرہ بلکہ تمام احاطہ میں ایک روشنی سن جھلک اٹھی ہے، ان دونوں بھائیوں کے نشہ رصحت نے ننھے بچوں سے لیکر ضعیف العمر بڑھوں تک کو سرفروختن بادہ ظہور بنادیا، اور جس بیباکی اور بہادری کے ساتھ وہ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔

محترم محمد علی کا زیادہ تر وقت کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ قوت فائز نہیں ہوتی، اگر یہ سچ ہے تو وہ قوتِ لطف جسکے استعمال پر انکو قابو نہیں ہے، نعماتِ بزدل کے شکل میں نکل رہے ہیں، انکی نظر بندی سے پہلے شاید یہ کیسکو معلوم نہ تھا کہ وہ تہذیبی کا بھی شرف اور سخن سنجی کا بھی جوہر رکھتے ہیں، انکے جشیات میں ہکو وہ لطف ملتا ہے جو ابو فراس حمدانی (برادر سیف الدولہ حمدانی ملک الشام) کے رومی جشیات میں ہے،

محترم شوکت علی کا وہ زمانہ بگلیا دے جب سب سے پہلے ہم دونوں کو دلاس اس کی کوششیں کاغذِ نرس کی تقریب سے ریلوے سفر نے اتفاق سے کیجا کر دیا تھا، کچھ دیر کی بات چیت کے بعد جب میں نے نماز کی تیاری کی تو فرمایا غانہ پڑھئے کو میرا بھی جی چاہا کرتا ہے، لیکن دقت یہ ہے کہ وضو سے قمیص کے کف خراب ہو جاتے ہیں، پھر سفر میں ہیٹ لگائی وہ بیان کی کہ اس عجیب و غریب شے سے ریلوے دائرہ حکومت میں رعب و استیلا خوب پیدا ہوتا ہے، لیکن وہی شوکت علی میں کہ خدام کعبہ کے بوبلی میں حایوں کے ہماز کے قلیوں کے دھکے کھاتے پھرتے تھے، پانچ چہ برس کے بعد دیکھا تو وہی خدام کعبہ کا سبز کوٹ جبین جا بجا قدامت اور فرسودگی نے گل بوٹے کتر دیئے ہیں، انکے جسم پر ہے، وہ کف ادکار

جسکے ضائع ہوجانے کا خوف وضو سے مانع تھا، وہ اُنکے لئے اب حلقہ زنجیر ہے، حضرت مصعب بن عمیر کا واقعہ مجھے یاد آیا کہ یہ وہ تھے جو اسلام سے پہلے حریر و طلّس کی پوشاک پہنتے تھے لیکن اسلام کے بعد اُنکے جسم مبارک پر صرف موٹے کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا،

چند واڑہ میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے وہ مفلس ہے تاہم جس اسلام کے وہ پیرو ہیں اسکا نام بڑا ہے، ان دونوں بہائیوں کی کوششوں نے یہاں ایک عظیم الشان جامع مسجد کی بنا ڈالی، جسکے خیم تعمیری حالت میں دیکھنے کی مجھے بھی عزت حاصل ہے، ان دونوں بہائیوں کو تصور ہر مسجد و راسخوں اور گلیوں میں غریب و مفلس مسلمانوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے کا منظر جن آنکھوں نے دیکھا، اس بادلہ سبشار کی مستی اب بھی ان میں باقی ہے، اس مسجد کا نام خدا جانے لوگ کیا رکھیں گے میں تو اس کے شکر و کثرت الاسلام کہتا ہوں،

مذہبی پابندی تمام اخلاقی محاسن، اور غریبوں کے ساتھ مساوات پسندی نے ان بہائیوں کو محبوب القلوب بنا دیا ہے، مسلمان اور ہندو دونوں ان سے محبت کرتے ہیں، راستہ میں ایک طرف سے اسلام علیکم کی آواز آتی ہے تو دوسری طرف سے بندے ماترم کا ترانہ سنائی دیتا ہے، حافظ ہوتے تو دیکھنے کا خیالی فلسفہ پانچ سو برس کے بعد علی ہو گیا، جمع باسلمان اللہ اللہ بابرہن رام رام، انکی مذہبی دار فتگی، اور ایمان کی تصویر دیکھنا چاہو تو اُنکے سفینہ تحریر کی وہ چند سطریں پڑھو جو اپنی مشروط آزادی کے وقت حکومت کو لکھ کر دی تھیں یقیناً یہ طرز امتیاز اُنکے ناصیہ محاسن پر ہمیشہ کے لئے یادگار رہ جائیگا۔

سید حسرت موہانی [حکموں، استواری عمل، پابندی اصول، مطابق قول و فعل میں تمام ہندوستان کے نامور مسلمانوں میں اس شخص کا کوئی حریف نہیں، یہ صرف تخیل اور شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ مشہور ہے] لیکر اس وقت کے زمانہ کا لمحہ لمحہ اس دعویٰ کی دلیل ہے، حسرت وہ نہیں ہے جو حریت فکر اور آزادی فکر کا غوغا عام کی پریش کی خاطر دم بھرتے ہیں، اور جسکے جوش و خروش کے الفاظ محض چند گروہ کے دُلس

اور پتال میں تلاطم برپا کر کے رہ جاتے ہیں، اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں اسکو خون سیاست کے لذیذ چٹارے کے سوا کچھ اور نہیں جانتے ہیں، حسرت نے اسوقت مسلمانوں میں آزادی کا مذہب اختیار کیا جب ہر طرف سیاسی بت پرستی کا رواج تھا، اور انتہا یہ ہے کہ نواب وقار الملک سے روشنیغیر نے آنکے خلاف گواہی دی، پہلی قید ۱۹۰۸ء میں اگر وہ مسانی مانگ لیتے تو آزادی حاصل کر سکتے تھے، لیکن یقیناً آنکے کیر کیمر کی روح جس نے اب حیات جاودانی حاصل کر لی ہے، اسوقت مردہ ہو جاتی، اگر وہ کی لیگ میں (۱۹۱۲ء) جب سر راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر منظر الحق اور دیگر اکابر و علمائے قوم نے دبیر اس کے شکریہ کا رزلویشن پیش کیا ہے، اگرچہ بعض اصحاب دل سے اس تجویز کو بے محل سمجھتے تھے، لیکن جمہور اعظم ان بزرگوں کے ساتھ تھا، آخری دفعہ جب یہ الفاظ کہے گئے کہ ”رزلویشن بالاتفاق منظور“ تو ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں ایک بھی نہ تھا جو اس کے خلاف سانس بھی لے سکا ہر طرف اعتراف کی خاموشی تھی کہ دفعۃً ایک گوشہ سے استقلال سے بھری ہوئی ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا کہ ”میں ہوں جو اس تجویز کی مخالفت کرتا ہوں“ ہزاروں آنکھیں ایک ساتھ اٹھیں، دیکھا تو حسرت موہانی تھے،

غالباً سنہ ۱۹۰۸ء میں پہلی قید سے چودھریہ لکھنؤ آئے، تو سودیشی تحریک شباب پر مبنی اور حسرت دل سے اس کے حامی، جاڑے کا زمانہ تھا، رات کو آنکے اوڑھنے کے لئے پائین میں کل ڈال دیا گیا کسی نے خیال بھی نہیں کیا، لیکن آپ یہ سن کر محیرت ہوجائیں گے کہ رات بھر انہیں نے سردی کھائی اور کل اسلئے نہیں اوڑھا کہ وہ ولایتی تھا، دن کے احوال کو رات کی تاریکی میں بھی یاد رکھنے والا حسرت کے سوا ہم میں کوئی اور ہے؟

میں یہ نہیں کہتا کہ حسرت اپنے تمام اصول میں صحیح ہیں اور ان کے خیالات حرف بحرف درست ہیں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ علی گڑھ کا گرجوٹ جو بہتر سے بہتر قابلیت کا جوہر دکھا سکتا ہے، جو حکومت کے

ذمہ دارانہ خدمات کو بجا لا سکتا ہے، جو چند سال کی محنت میں عدالت میں بحیثیت قانون دان کے کھڑے ہو کر استحقاق پیدا کر سکتا ہے، لیکن وہ علی گڑھ میں اس طرح زندگی گزارتا ہے کہ چند تے گرجے زیادہ کا کپڑا اسکے جسم پر نہیں، اور بیوی کے علاوہ اسکے گھر کا کوئی دوسرا خدمتگذار نہیں، یہ کوئی معمولی بات دوسری قید میں حسرت نے اپنی قوت اخلاقی کا جو نمونہ پیش کیا وہ ہندوستان میں ہالیہ کی چوٹیوں کے سوا اور کہیں نظر نہیں آ سکتا، وہ ہمارے دوسرے نظر بندوں کی طرح صرف قوانین تحفظ ہند کے مطابق محدود الاختیار کے گئے تھے، لیکن چونکہ وہ اس قانون کو حق و انصاف کے خلاف سمجھتے تھے اسلئے اسکی خلاف ورزی کی، اور دو برس کی قید برداشت کی، دوسرے نظر بندوں کی طرح اسکے لئے حکومت نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا، لیکن اس بے نواغی نے یہ مکرانکار کیا کہ سید کے لئے صدقہ جائز نہیں، جس وقت میرٹھ کے جیل سے باہر نکلے، سب سے پہلے اپنے کمانے کا حساب اپنی جیب سے زبردستی ادا کیا، آزادی کے بعد حکومت نے انکو معتد بہ رقم دینی چاہی دجیا کہ بھیکو ایک خط سے معلوم ہوا لیکن حسرت نے ان تبدیلیوں کو راستہ کا پتھر سمجھا، حالانکہ اسی اثناے قید میں انکی دوکان سے ایک ہزار روپیہ کا مال چوری جا چکا تھا، اور سب کو معلوم ہے کہ حسرت اسکو باسانی ادا نہیں کر سکے تھے، انتہایہ ہو اگر دوستوں نے بھی اعانت کا بار اپنے سر لینا چاہا تو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا،

بید حسرت نے سب زیادہ قید کی مصیبتیں اور زمانہ کی تکلیفیں برداشت کی ہیں، لیکن استحکام، استقلال اور قوت صبر کا نمونہ بھی انکے موقع حیات سے کہیں اور زیادہ خوش نما نظر نہیں آتا، علی گڑھ، لکھنؤ، پور بھانس، الہ آباد، پرتاب گڑھ، فیض آباد، لکھنؤ، اور میرٹھ کے قید خانوں میں قید کی شدید مصیبت برداشت کی، لیکن کبھی انکے جیل استقلال پر بل نہیں آیا،

ادب اردو جبکہ عناصر میں سے ایک حسرت کی ذات ہے، ان قید خانوں میں بھی وہ اسکی ترقی غافل نہیں رہے، سید حسرت کے کلام کی زیادہ مقدار ایسی ہے جو فضا سے بیٹا کنار جو، صبح باغ واپس آئے

ہمارے قید خانہ کے تنگ و تاریک جڑوں میں زندہ ہونے ہیں، سچ کہا ہے،

بدشتی سخن جاری، چکی کی مشقت بھی کیا طرفہ طبعیت ہی حسرت کی طبیعت بھی
غزلوں کے دیوان کے علاوہ یہ حسرت نے دو سال کی تنہائی میں جس چیر کو اپنا رفیق ٹھہرا
سنایا وہ انکی تصنیف نکات سخن ہے، اسکا موضوع ”غزل“ ہے، و مہاسب شاعری ہے، اسید پر گزشتہ شمارے
ساتھ ساتھ یہ لطیف تصنیف پبلک کے ہاتھوں میں آگئی، اسید حسرت نے تالیف و تصنیف کے علاوہ
دوسری زبانوں پر بھی توجہ کی، مشترک ہندوستان کی ہیجو کی خاطر انھوں نے ہندی بھاشا پوری طور پر
سیکھ لی، ترکی زبان میں کچھ کچھ مہارت حاصل کی، عربی زبان جس سے وہ پہلے بھی کبھی آشنا تھے، حالت
قید میں قرآن مجید، اور دیگر عربی کتب و رسائل کے مطالعہ سے اس میں بھی خاطر خواہ ترقی کی، اسید حسرت
اپنے ایک مکتوب میں کس حسرت سے لکھتے ہیں،

مجھ کو اس بات کا ہمیشہ اندس رہتا ہے کہ عمر میں نے انگریزی تعلیم کی تکمیل میں ضائع کی، اسے

تعمیل عربی میں صرف ہونا چاہیئے تھا۔

مولوی محمد امجد علی (۱) یہ شخص گو گناہم ہی لیکن الحمد للہ کہ اس نے جو کام کیا وہ گناہم نہیں ہو سکتا، قصور (ضلع لاہور)
وطن جو ٹکٹہ کے کم عمر روزانہ اخبار اقدام کا ایڈیٹر تھا، اپنی نظر بندی کا زمانہ دسویں نام ایک گاؤں میں بسر کیا،
یہ پہلے عربی زبان سے بہت کم واقف تھے، حالت نظر بندی میں ایک طرف تو قرآن مجید پورا حفظ کر لیا، دوسری
طرف عربی زبان اس حد تک حاصل کر لی کہ اب رہائی کے بعد اپنے وطن میں قرآن پاک کے درس دیکھ کر کیئے
ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالنے کا عزم ہے،

سٹر ملک جب ایک قید سے آزاد ہوئے تھے تو انھوں نے ہندوؤں کی قدانت پر ایک کتاب لکھ کر ملک میں
اپنی علم پرستی کا غلغلہ پیدا کر دیا تھا، لیکن انہوں نے دیکھ کر ہمارے نظربندوں میں سے ایک نے بھی اس راہ میں ملک سے کم کام کیا،
تھے بلکہ دلپذیر محبت کے واقعات حسرت کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھ میں جو سب نہیں

تقویت دماغ

ہر عمر کا آدمی ذہنی ترقی کر سکتا ہے

انجینیئر محمد رشید الدین صاحب صدیقی بی۔ اے ال ال بی حیدر آباد دکن

۱۔ ہم میں سے بہت کم لوگ دماغ کے شبکات کو انکے انتہائی نشوونما تک پہنچاتے ہیں، فی الحقیقت ہمیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے دماغی قوت کو کس حد تک ترقی دے سکتے ہیں،

۲۔ متوسط درجہ کا انسان اپنی دماغی قوت سے جو قدر فائدہ اٹھاتا ہے وہ عموماً اسکی حقیقی قابلیت استعداد کی بہ نسبت بہت کم ہوا کرتا ہے، اذکیا^۱ اور اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیت رکھنے والے اشخاص اس سبب سے متاثر نہیں ہوتے کہ انکا دماغی مادہ معمولی انسان کے دماغی مادہ سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ بعض انفرادی خصوصیات کی وجہ سے جو انہیں مجبور کرتی ہیں یا اس قابل بناتی ہیں کہ اپنے دماغوں سے کام لینے کی عداوت کریں،

۳۔ یہ سچ ہے کہ ان میں پیدائش ہی سے خیالی تسلسل انکار قائم کرنے، خیالات کی تلاش و جستجو رکھنے، اور ذہن سے ہمیشہ کام لیتے رہنے کی طرف رجحانات ہوا کرتے ہیں، لیکن وہی مواد جن سے وہ کام لیتے ہیں وہ اور تمام معمولی اشخاص میں بھی موجود ہوتے ہیں، فرق یہ ہے کہ نہایت ذی استعداد اشخاص میں یہ رجحانات فطرۃً موجود ہوتے ہیں، لیکن معمولی شخص میں ان رجحانات کو پرورش کرنے اور بیدار و آگاہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ خیال کے لئے نئے نئے راستے تیار ہو جائیں، اذکیا^۲ میں خیال کے لئے یہ تمام

۱۔ "Cells" اردو میں دوا و ریفطاسی معنی میں استعمال کئے گئے ہیں، "یوت" اور "خلیہ" لیکن میرے نزدیک "شبکات"

زیادہ سوزن معلوم ہوتا ہے، اصول وضع اصطلاحات پر مشرعا و صحت ایک جگہ گارنٹین لکھو، ۲۔ "genius"

"channels of tendencies"

راستے غالباً شروع ہی سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں،

۴۔ دماغی ورزش کے طریقے ان طریقوں سے مشابہ ہیں جو کسرت کرنے والے سینے اور عضلات کی نشوونما کے لئے کام میں لاتے ہیں، دونوں صورتوں میں مصروف و مخفی طاقت کو ترقی اور نقویت دیتی ہے کسرت کرنے والے مناسب طرز بود و باش اور باقاعدہ ورزش جسمانی سے خود کو متعل اور طاقتور بنالیتے ہیں اگر عضلات کا کوئی مجموعہ ضعیف ہوتا ہے یا قوت ارادی کی متابعت سے قاصر ہوتا ہے تو اس سے محنت بچاتی ہے، حتیٰ کہ وہ ارادہ کا محکوم ہو جاتا ہے، یہی حال شبکات دماغ کا ہے،

۵۔ مثل دیگر حصص جسمانی کے دماغ میں بھی مخفی طاقتیں محفوظ ہوتی ہیں، جب کوئی وکیل کثرت کار سے تھک جاتا ہے تو اس کا وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شبکات دکالت کے عمل کو ملتوی کر کے دیگر شبکات دماغ کو برسرکار بہنیں لاسکتا، حالانکہ ایسے دیگر شبکات بھی اسکے دماغ میں موجود ہوتے ہیں جو اگر پرسنت اور معطل پڑے ہوئے ہوں، لیکن با این ہمہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ اسکے سامنے مفید و جدید خیالات کو پیش کریں،

۶۔ برے برے کارگزار، شاخص کی کاسیابی اس بات پر موقوف ہوتی ہے کہ وہ علم ادب جب انسانی ایجاد، تفریح، مصوری، موسیقی وغیرہ مختلف مشاغل پر حکومت کرنے والے مراکز دماغ کو برسرکار لاسکتے ہیں، ایسا کرنے سے شبکات دماغ کے ہر مجموعہ کو باری باری سے فرصت ملتی رہتی ہے کہ تازہ دم ہو کر چھاپنی روزانہ خدمت کی انجام دہی میں بہ سن و خوبی مصروف ہو جائے، جو صاحب حمت اور مستعد بنایا رہنا چاہتے ہوں انکو چاہیے کہ اپنے پیشے یا معمولی کاروبار کے علاوہ کوئی ایسا شغل بھی رکھیں جس میں ان کا دل بہل سکے، بے الفاظ دیگر ذہن انسانی کے لئے اوقات کار گزاری و اوقات آرام دونوں کا ہونا ضروری ہے، لیکن آرام سے نیند لیا "غیر مفید تھمتے دیکھنا" یا ایسی جگہ بنا کر وقت گزارنا جہاں باتیں

۵ "Brain center"

خوب کیجاتی ہوں، مگر غور و فکر سے دور رہا جاتا ہو، مزا و تہین ہے،

۷۔ کوئی شخص اس قدر معمر کبھی نہیں ہوتا کہ جدید تفکرات اور قیمتی تخیلات کو ترقی اور وسعت دینے کے قابل نہ رہے، جملہ دیگر حصص و اعضاء کی انتہائی ترقی کے بعد بھی دماغ میں ترقی پذیر ہونے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اور وہ ان سبب سے اعتبار سے متاثر ہے کہ جب تک اس سے ورزش بیجاے آئین بڑھنے کی قابلیت موجود رہتی ہے، ادھر پیر عمر کو پہنچنے سے پہلے بعض دماغی شبکات میں اعلیٰ درجہ کی ترقی قبول کر لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، دماغ انسانی کے خستہ و شکستہ حال ہو جانیکا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اسکے شبکات کا کوئی ایک مجموعہ تو کثرت استعمال سے ناکارہ ہو جاتا ہے اور بہت سے دیگر مجموعے غفلت و عدم استعمال سے مختل و معطل ہو جاتے ہیں، بعض شبکات دماغ بشریت کا انکشاف کرتے ہیں اور بعض عالم موجودات کی خوبیوں کا اظہار، بعض ہکلو اپنے ماحول کی غیر متناہی طاقتوں کا دفتہ یقین دلا سکتے ہیں، بعض ہکلو بڑے بڑے امور کی نسبت خواب دیکھنے میں لگا سکتے ہیں، اور اس قابل بنا سکتے ہیں کہ ان خوابوں کو سچا کر دکھائیں،

۹۔ ہمارے اندر عجیب و غریب طاقتیں خفی ہیں اور ہم افسے غافل ہیں، یہ ارادہ کہ ہم زندگی میں کچھ کام کریں گے، ایک زبردست قوت ہے بشرطیکہ یہ حقیقت ہم پر آشوب ہو جائے، باوجودیکہ آدمی نے اپنی بعض ذہنی قوتوں کو ایک حد تک ضائع کیا ہو اور بعض دیگر ذہنی قوتوں کی جانب سے غفلت برتی ہو، تاہم تلافی مافات و ترقی ممکن ہے،

۱۰۔ جب ہمیں کسی بات میں دلچسپی ہوتی ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر مستعمل دماغی اسٹہ کی کوئی شاخ ہے، جنہیں سے ہو کر دماغی شبکات کے کسی ایسے مجموعہ کو راستہ جاتا ہے جو ہمیں ایک نئی زندگی عطا کر سکتا ہے، ایسے وقت میں فوراً مشغول و متحرک ہو جانا چاہیے، اسلئے کہ اس سے زیادہ مبارک

موقع بشکل ہاتھ آسکتا ہے،

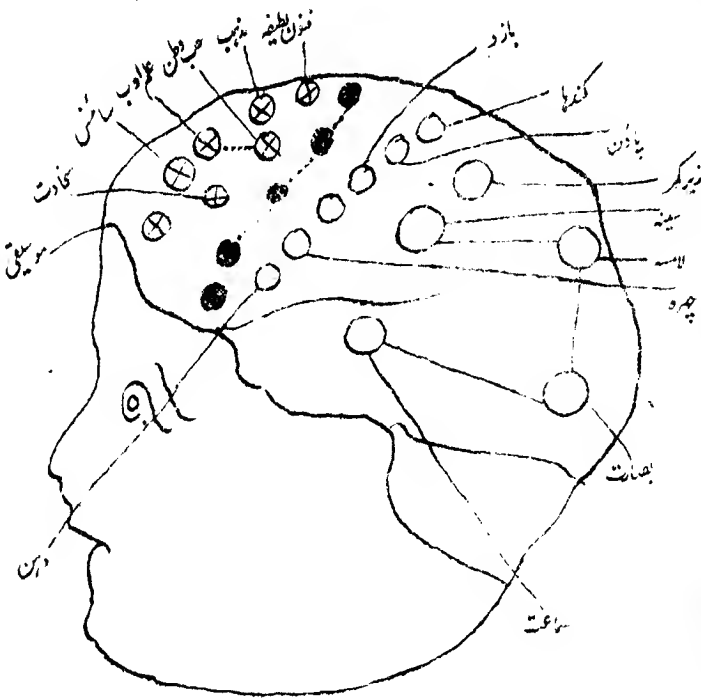
۱۱۔ فرض کرو کہ تم کوئی کتاب دیکھنے کے لئے اٹھاتے ہو جبکہ مضمون تمہارے لئے نیا ہے اور اوریتین اسپین دلچسپی پیدا ہونے لگتی ہے، اگر ایسا ہے تو تم اس مضمون کے اصول کا مطالعہ شروع کرو جو لوگ اس مضمون کے عالم ہوں ان سے بات چیت کرو اور بعد ازاں اس پر حادی ہو جائیگی کشتش میں مصروف ہو جاؤ،

۱۲۔ اگر مضمون ایسا ہے جو تمہارے معمولی کام سے مطلق کوئی علاقہ نہیں رکھتا تو درجی بہتر ہے، نیز اس بات سے کہ وہ تمہاری دلچسپی کا باعث ہوتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دماغی شبکات کا ایک مجموعہ کام میں لگا دیئے جائیگا منظر ہے، ممکن ہے کہ یہ بات کسی جدید اور عجیب فابیسٹک نشوونما اور تھور کا وسیلہ ثابت ہو، اور یہی بات بعض لوگوں کے حق میں شہرت اور دولت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے،

اس دماغ کی شکل جس سے درزش نہیں لی گئی

سفید دائرے ان شبکات کو دکھاتے ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں برسر کار رہتے ہیں، سیاہ دائرے ان شبکات کو دکھاتے ہیں، جنکے واسطے سے ان شبکات میں جو روزانہ معمولی کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، اور ان شبکات میں جن سے اعلیٰ درجہ کی ذہنی قابلیت متعلق ہے، رابطہ و تسلسل قائم رہنا چاہیے، لیکن یہ درمیانی شبکات کافی اور ضروری درزش سے محروم رکھے گئے ہیں، ہذا سفید دائروں کا رابطہ انکے توسط سے مخطط دائروں کے ساتھ قائم نہیں ہے، حالانکہ اعلیٰ خیالات اور اعمال انہیں مخطط دائروں کے تابع ہیں، تقویت دماغ کا جو اصول مضمون ہذا میں بتایا گیا ہے یہ ہے کہ جملہ دماغی شبکات کو یعنی سفید، سیاہ اور مخطط تینوں قسم کے دائروں کو آپس میں مایون یا راستوں کے ذریعہ سے مربوط کر دیا جائے، جسکا علی طریقہ یہ ہے کہ انسان مختلف اقسام کے

شماغ میں، اپنا وقت صرف کرے، اور کسی ایک ہی شغل کا بہنو رہے، تاکہ جلد شبکات دماغی کو باری باری سے آرام اور کارگزاری کا موقع ملے، اور ان سب میں باہمی ربط و تسلسل قائم ہو جائے، ایسا ہونے پر اسے کہ کوئی ایک مجموعہ شبکات کثرت کار سے ناکارہ ہو جائے اور باقی مجموعے متخل اور معطل پڑے رہیں،



۱۳۔ دماغی شبکات کے تمام مجموعے راستوں یا نالیوں کے ذریعہ سے باہم ملے ہوئے ہیں، لیکن جب تک نالیوں کو کات چھانٹ کر کھول نہ دیا جائے، انکو برسر کار نہیں لایا جاسکتا، یہ نالیاں مادہ دماغی کی کل سطح پر پھیلی ہوئی ہیں، ایک دوسرے سے ملائی جاسکتی ہیں، قوت فراہم کرنے کے لئے انکو بند کیا جاسکتا ہے، اور پھر کھولا جاسکتا ہے، تاکہ فراہم شدہ قوت انسان کی عظمت اور خدا کی قدرت کے اظہار میں صرف ہو،

۱۴۔ دماغی ورزش اور نشوونما سے کیا مراد ہے؟ اسکی ایک مثال درج ذیل ہے،

فرض کر دو کہ بہتین زبانڈانی کا کیقدر شوق ہے، یہ رغبت اس نالی کو کھول دیتی ہے، جو دماغی شہدات کے اس مجموعہ کی طرف جاتی ہے جو زبانڈانی پر حکمرانی کرتا ہے، اور تمہاری باتوں میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے، خواہ تم سیاست پر گفتگو کرو یا تعلیمات پر، تم اپنے مخاطب یا سامع کو محو بنادیتے ہو، مناسب الفاظ اور نئے خیالات بے تکلف تمہاری زبان پر آنے لگتے ہیں، اور یہ دماغی نالی کو اور زیادہ گہرا بنادیتے ہیں، یہاں تک کہ بہتین علم ادب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ مناسبت حوصلہ تصنیف و تالیف میں بیجان پیدا کر دیتی ہے،

۱۵۔ اسی طرح ممکن ہے کہ تمہاری رغبت کسی اور نالی یا راستے کو کھول دے، مثلاً اس نالی کو جو اس مجموعہ شہدات کو جاتی ہے جہیں قوت متصورہ مضبوطی ہے، اب بہتین ایسے مناظر دکھائی دینے لگتے ہیں جو کسی کنہ آدمی کی حد نظر سے باہر ہیں، اور ذہن میں ایجادات وارد ہونے لگتے ہیں،

۱۶۔ فرض کر دو کہ کوئی شخص عرصہ سے بڑے بڑے ملکی معاملات کی فکروں میں پھنسا ہوا ہے، اگرچہ ذہنی تاریکی سے اس پار اسکی نظر بہتین پہنچتی، لیکن اسکا خیال یہ ہے کہ اگر ذہنی گمشاؤن کے اس پارت تک میری رسائی ہو جائے تو میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر سکتا ہوں، گویا کسی نالی میں سے جو کسی دماغی مقام کو گئی ہے، خیالات کی ترادش ہوتی رہتی ہے، اس نالی کو کھول دینے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے

توجہ یا یکسوئی، اور یہ علم کہ اسکو مخفی وہم بہتین ہو گیا ہے بلکہ بغیر قوت کی حقیقی جدوجہد کا احساس ہو رہا ہے،

۱۷۔ ایسا شخص اپنے معمولی کاروبار سے علیحدگی اختیار کرے، دیہات میں پیدل سیر کرے، صاف ہوا سے بخوبی لطف اندوز ہو، اور اپنی اس ذہن میں نگار ہے، بعد ازاں اس عنوان پر کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہو اسے مطالعہ کرے، دفتہ اسکی ذہنی تاریکی رفع ہو جائیگی، اور جس بات کی اسے تلاش تھی وہ خود بخود اس کے ذہن میں وارد ہو جائیگی،

۱۸۔ پیش آنی والی مشکلات کے اعتبار سے دماغی ورزش و تربیت جسمانی ورزش سے مشابہ ہے ابتداً تکلیف اور پست ہمتی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، ان بندہ دن کو توڑ ڈالنا جو اکثر خیال کی نالیوں کے دھانوں پر پائے جاتے ہیں، محنت طلب کام ہے، لیکن چون ہی کہ یہ کام شروع ہو جاتا ہے، خیال کی ان نالیوں کو کو دنا اور گہرا بنانا سہل اور دل خوش کن ثابت ہونے لگتا ہے،

۱۹۔ خیال کی نالیوں کو ہمیشہ گہرا کرتے رہنا ان عادات میں سے ہے جن پر انسان کی بزرگی کا دار و مدار ہے، دماغی ترقی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بعض مختصر دماغی شبکات کو بعض دیگر شبکات سے پیوستہ کر نیکی کوشش روزانہ جاری رکھی جائے جیسا کہ جملہ عادات کا دستور ہے، یہ عادت بھی رفتہ رفتہ مستحکم ہو جاتی ہے اور جڑ پکڑ لیتی ہے، اور دماغی نشوونما میں نہایت قابل تدارک دیتی ہے،

اعلان

چونکہ اب رسالہ ہمدیہ کی تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے اس لئے رسالہ پنپنے کی اطلاع سہ ماہی دفتر میں بھیج دینی چاہئے۔ بعض لوگ کئی کئی مہینوں کے بعد یہ ارہموتے ہیں، اور انہی غفلت کا نتیجہ چاہئے کہ دفتر اٹھائے،

ابن مین

اور

انکی شاعری

(۲)

از مولوی ابوالحسنات مذوی رفیق داراللمینین

طبع و ہوس | طبع اور دنیا پرستی کی مذمت اخلاقی شاعری کے عام عنوانات ہیں جن پر اکثر شعراء نے طبع آزمائی کی ہیں، ان چیزوں کی حقیقت پوچھو تو مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ قدر کفاف سے زیادہ کی طلب حرص، طبع اور دنیا پرستی ہے، یہ جذبات اسوقت پیدا ہوتے ہیں جب انسان کو اپنی ضرورت و خواہش پر قابو نہیں ہوتا، وہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش کے آگے بھی مجبور محض ہو جاتا ہے، غور کرو تو سادہ نظر آئیگا کہ ہمارے اکثر مطلوبات محض طبع و حرص ہی کا نتیجہ ہیں، جس انسان کی قوت ضبط و قناعت جھٹکے ہوئے رہتی ہے اسی تناسب سے طبع اور دنیا پرستی کے شعلے آگے آتشکدہ حرص میں بھڑکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسانی خواہشات کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اسکے آگے گنج قارون کی حقیقت بھی ایک نقطہ سے زیادہ نہیں، اس بنا پر اس کشمکش سے نجات پانچویں صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشوں میں اعتدال پیدا کرے،

ہمارے اخلاقی شعراء نے انسانی طبع و ہوس کے شعلوں پر پانی ڈالنے کی مختلف تدبیریں اختیار کی ہیں، حرص کی برائی، طبع کی مذمت اور دنیا پرستی پر ملامت یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ابن مین کہتے ہیں،

در جان پوشش مژدہ دست کن نہایت
زین فردون خواہنت عمر بزم مستی است

چہ نشینی ہوس ما بصفت بر سر گنج از سر جملہ سر انجام چو بر خاستن است

اسے دل نصیحتے بشنوتا برون بری کوے مراد از خم چو گان روزگار
خواری مکش ز حرص چو مرغان خانگی سیمغ دار عترت قناعت کن اختیار

طبع انسانی برد مقصود شد کو ز دنیا می بخوابد گشت سیر
کے توان کروں بسوے پُر ز آب کانچہ از بالا در آمد شد ز زیر

تشنہ می باش و از خطر می پذیر منت آب چشمہ حیوان

لیکن اگر اسی قدر پراکتفا کیا جائے تو یہ غلطی ہے، کیونکہ انسان کی ہر ضرورت طبع و حرص کا نتیجہ نہیں ہوتی، پس وہ محض قناعت اور ترک آذوقہ طلبی پر تادیر قائم نہیں رہ سکتا، اسلئے بہترین مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف ضرورت سے زیادہ کی طلب بُری سُرائی جائے، اور دوسری طرف حصول بے عا ش کے لئے سعی و جہد کی تعلیم دی جائے، کیونکہ اسکے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے، اور نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا، ابنِ سینا کی تعلیم اور انکی عملی زندگی کے نتائج بالکل اسی اصول کے مطابق ہیں پچانچہ کہتے ہیں،

گفتند چو رزق بہت مقصود ز حمت چہ کشی ز بہرِ حین

گفتم کہ بلے، وے ازین پیش گشت است حوائتِ معین

رد زئی کیے مبصر و شام است دان ہمدگرے بروم و اوسن

از بندہ مبین تو این تگاپو سے کاین حکم خلا سے راند بر من

تواض | ہماری اخلاقی شاعری میں تواضع کا مضمون بہت عام ہے، اور تمام شعرا نے اسکو دل کول کے

بیان کیا ہے، آج کل کی نئی دنیا معترض ہے کہ اسی اخلاقی تعلیم کا نتیجہ قوم کا موجودہ ضعف، بزدلی اور ذلت پسندی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل نامفہومی ہے،

بے شبہہ تواضع، عجز، انکسار اور خاکساری یہ چیزیں ایسی ہیں جو حداغت الہ سے بڑھ کر نام بزدلی اور ضعف اخلاقی بن جاتی ہیں، لیکن ہمارے شعراء نے جہاں تواضع کی تعلیم دی ہے، وہاں اسکا موقع و محل بھی بتا دیا ہے، ہر موقع پر اور ہر شخص کے ساتھ تواضع داخل اخلاق نہیں، ابن عیین نے اس نکتہ کو مختلف پہلو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ تواضع انسان کو اس کے رتبہ سے فروتر نہیں بلکہ بلند تر کر دیتا ہے، مگر بشرط یہ ہے کہ وہ اراذل نہیں بلکہ شرفاء کے ساتھ بڑتا جائے،

کے کو طریق تواضع رو د	کند بر سر پیرشرف و سلطنت
ولیکن مجلس بدان دکن	ملک سیرتی در گہ شیطنت
تواضع بود با بزرگان ادب	بود بانسرو مانگان مسکنت

(ذلت)

با بزرگان رہ تواضع گیر با فرو مانگان تکبر کن
دوسری جگہ کہتے ہیں کہ چار چیزیں یعنی مفسد کے ساتھ سخاوت، احمق سے محبت، نادان کے ساتھ تواضع اور دانائے تکبر داخل حماقت ہے، تواضع کے اس نکتہ کو جس طرح ابن عیین نے لکھا ہے، شاید بہت کم لوگوں نے لکھا،

بود چار چیز از کمال حماقت	مکن پیچ یک را ازینہا تصور
بمفسد سخاوت باحمق محبت	بنادان تواضع بدان تکبر

علم کی تعلیم پر بھی بینہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے، لیکن یہ اعتراض بھی محض غلط فہمی کی بنا پر ہے نہ وہ یہ کہ لوگ ان اشعار کے مخاطب کو نہیں جانتے، اصل یہ ہے کہ ان اشعار کے مخاطب عوام نہیں بلکہ وہ

مطلق لعنان امرار و رسا، تھے جبکی تنگ مزاجیان حاشیہ پوشان دولت کے لئے برق خرمن بہن،
اور ذرا فراسی بات پر کتنے جسم بے رُوح اور کتنے قالب بیجان ہو جاتے تھے، ایسے خود سر شاخص کے
آتش غضب کو ٹھنڈا کر نیکے لئے غصہ، حلم اور درگزر کی تعلیم سے بہتر اور کو فنی تعلیم ہو سکتی تھی، ابن یمن
کہتے ہیں،

باتو گویم کہ چسیت غایت حلم
ہر کہ زہرت و ہد شکر بخشش
کم مباح از درخت سایہ فگن
ہر کہ بجزا شدت جگر بجفا،
از صدف یا دیگر نکتہ حلم
ہر کہ زہرت و ہد شکر بخشش

ظاہر و باطن کی یک رنگی | او شدہ ظاہر پرست باطن آباد کن
گر بنگاہ بر کشی دامن نعت چو مہر
خزقہ پاکت چہ سوداگر بخت پاک نیت
نیست صفا گر ز صدق جیب لت پاک نیت
دلاکارم اخلاق | دلاکارم اخلاق گر ہی خواہی
دو کار پیشہ کن | نیک سکارم اخلاق
مشو مخالف حکم خدا سے عرو و جل
یکوش تا بود اندر میان خلق وفاق

بلاغت دیکھو کہ دوسرے خون میں انسانی زندگی کی پوری داستان سعادت کہہ گئے،

وقت کی قدر و قیمت | انسان کی کامیابی کا معیار اس کے اعمال ہیں، اس لئے وقت کا ایک ایک لمحہ جقدر گران
قیمت ہے اسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، ابن یمن وقت کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے اسکو بار بار دہر دہر
طرح سے بیان کرتے ہیں، انکا تمام تر ذرخن اس پر صرف ہوتا ہے کہ ماضی کے غم اور مستقبل کی پیوہہ فکر میں
حال کو ہاتھ سے نہ جانے دو، تمہارے پاس یہی خزانہ اور یہی ایک خزانہ ہے،

گر خسرو یار تست ابن یمن
بر طرف نہ بنا سے کارت را
جد کن تا بنا خوشی نہ ہی
خوشی روز و در گارت را

وقت را منتقم شمر کا سال می نیابی نشاط پارت را

گرتو خواہی کہ بر خوری از عمر خلق را غیر ازین تمنایت
نقد امر و ز را ز دست مده دی گذشت و امید فردا نیست

غم ناآمده خوردن بود شیوہ عقل دانچہ بگذشت از ان ہم نکند عقاب
وقت را دان کہ درانی و غنیت شمرش زانکہ از پیش تو آسم گذشت چو باد
گر بدین نکتہ کہ گفت ابن سینا کنی نگذر دبر تو زمانی کہ بنا شتی نشاد

نقد امر و ز مده نیہ فردا ستان کہ یقین را ند ہر دم فرزند بنگ

آزادی و بے نیازی! آزادی و بے نیازی کہ اخلاق سے جتنا کہ تعلق ہے اس سے کون نہ واقف ہے
انسان کی عزت و وقار، اثر و اقتدار کا تمام تر دار مدار اسکی آزادہ و شنی اور بے نیازی پر ہے ابن سینا
کہتے ہیں،

پادشاہی نزد اہل معرفت آزادگی ست ہر کہ بند آمد و بکشا با ز دل پادشاہت
گر وہ خاک آستان و کلبہ آزادگی گر خرد دار دے ختم خرد را تو تیا ست

خودداری و بے عملی! انسان کی ذلت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خود دار اور ساعی عمل نہیں، ابن سینا ان
اشخاص کو مخاطب کر کے کہتے ہیں،

رزق مقسوم و وقت معلوم است ساعتے پیش منقطع پس نیست
بقدم کوش تا بکام رسی مرد و ماندہ کار دان پس نیست

ہم نہ خود جو سے ہر چہ می جوئی کہ بغیر از تو در جهان کس نیست
 اپنی ہر تمنا اور مراد صرف اپنی محنت و سعی سے طلب کرنا چاہیے کہ اسی کا نام حقیقی شیوہ خودداری ہے
 از خود طلب مراد دل سے ولی کہ غیر تو در خانہ بیخ خانہ خدا سے پدید نیست
 ابن یسین کرم مطلب در جهان کہ او غنا سے مغربی ست کہ جا سے پدید نیست
 لیکن ہی خودداری جب اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو کبر و خود پسندی ہو جاتی ہے جو انسان کی
 تصویر اخلاق کا سب سے بُرا اور کرمیہ منظر ہے، اس لئے ایک قطعہ میں یہ بھی بتا دیا کہ عزت نفس خودداری
 کیا ہے، اور خود پسندی و حماقت کی حقیقت کیا ہے؟

مرد باید کہ ہر کجا باشد عزت خویش تن نگہ دارد
 خود پسندی و اہلی نمکند ہر چہ کبر و منی است بگزدرد
 بطریقے رود کہ مردم را سرموسے ز خود نیا زارد
 ہمہ کس را ز خویش بداند بیچکس را حقیر نشمارد

ہمت عالی | میدان جنگ میں دشمن کی بڑھتی ہوئی صفیں اُلٹ دیکھنے سے زیادہ اپنی حاجت و ضرورت پر
 فقیاب ہونا قرین ہمت ہے، نفس خبیث کی حاجت براری کے لئے دوسروں کے آگے اپنے آپ کو
 ذلیل و خوار کرنا انتہا درجہ کی بے ہمتی و نامردی ہے، آزادی و خودداری کے سلسلہ میں یہ سب سے
 زیادہ ضروری کڑی ہمتی، ابن یسین لکھتے ہیں،

چو خاک پای پشیمان شوی ز آتش حرص شود بہاد ہمہ آبر و چون نشود
 غلام خاطر آئم کہ ہمت عایش رہی منت ابنائے دہر وطن نشود
 (اور کچھ غافل نہیں)

ایک اور قطعہ میں کہاں بلاغت کے ساتھ اسی معنوں کو اس طرح ادا کرتے ہیں،
 ہر چہ کردگار تیرا داد صبر کن تا پیش از ان جزا ت دہ کردگار تو

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بقدر بہت تو اعتبار تو

تول و عمل | انسان کی عادت و احترام کی بنیاد اس کے قول و عمل کے توافق و اتحاد پر ہے، جس شخص کی زبان و دل میں موافقت نہیں وہ ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل اور اپنی تمناؤں میں نامراد رہتا ہے جب ایسے اشخاص کی کثرت کسی قوم میں ہوتی ہے تو ناکامی و نامرادی اس قوم کا غولے امتیاز بن جاتی ہے، آج مسلمانوں کو اپنے ہر ارادہ میں ناکامی اور ہر سعی و جہد میں نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عام مجالس و مجامع میں ان کے منتخب و رہنما اشخاص جو کچھ کہتے ہیں وہ الفاظ اور جملے ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتے، بلکہ منہ سے نکل کر فضا سے عالم میں منتشر اور فنا ہو جاتے ہیں، ہمارے اخلاقی ناصح ابنِ یمن اس عیب سے محفوظ رہنے کے لئے کہتے ہیں،

ہر چہ گوئی یکن، و گر نہ مگو
تا بد از تو دور عیب و عوار

عیب دانی کہ از کجا خیزد
زانکہ بیرون نباشد این دوکار

دوسری جگہ کہتے ہیں اور کقدر سچ کہتے ہیں کہ جو کام کر لیا ہے محض کہنے سے پورا نہیں ہو سکتا،

در عمل کوش و ترک تولی گیر
کار کردہ نمی شود بسخن

اعتدال کی تعلیم | یوں تو اخلاقی تعلیم کا ایک ایک عنوان مفید ہے لیکن انسان کے مزاج زندگی میں جب قدر

کار آمد میانہ روی کی تعلیم ہے، غالباً اس کے برابر کسی اور کا درجہ نہیں، جب انسان میں میانہ روی نہیں

ہوتی تو وہ اپنی بے اعتدالی کے باعث بہت جلد بلندی سے پستی، عزت سے ذلت، ادا رت سے

غربت کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے، ہماری قوم میں بے اعتدالی کے دردناک نتائج دیکھنے ہوں تو

ہر شخص خود اپنے خاندان اور کنبہ میں ان دردناک مناظر کو دیکھ سکتا ہے، ان جاگداز حوادث سے

بچانے کے لئے ابنِ یمن بار بار اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں،

وسط کار مانگہ میدار
یعنی پونہ تھوڑا کن

نہ چٹاؤس مجلس آراشو نہ بوبران وطن چو کنگرگن

ایک دوسرے قلعہ میں بہت وضاحت کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کرتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ علم الاقتصا کی ضخیم مجلدات انہیں چند شعرون کی مزید تشریح و توضیح ہیں،

ای سپرد ضبط و نچت بہت جلد سے می نکاسے
تازہ ہرچہ آن نصبت اند ہی بناید خوردنت
لیکے ضبط از رہ اسکا خواہی کردنش
خون نام نیک خود این بس بود در گردنت
بستواز من تا ناہم در معیشت راہ راست
سنت ابن یمن باید بجا آوردنت
از در افراط و زعفریط بودن محترز
بر طریق اعتدال آہنگ باید کردنت

دوستی انسان کے لئے اس سے زیادہ مفید اور پر لطف کوئی چیز نہیں کہ دنیا میں اسکا کوئی بچا دوست ہو
طبعی طور پر ہر شخص چاہتا ہے کہ ایک ایسا شخص ہو جو صحیح مضمون میں اسکا مستند اور عزیز دوست ہو، جسکی
دوستی کے آگے بہت سی قربتیں اور رشتہ داریاں بھی پیچ ہوں، جو اسکے غم اور خوشی ہر چیز کا شریک ہو
زور و زرمال و دولت تو کیا چیز ہے، اپنی جان تک اس سے دریغ نہ رکھے، ابن یمن ایسے دوست کی
تلاش جب جو ضروری قرار دیتے ہیں،

گر تو بیخوابی کہ آدمی بہترین چیز ہے بہت
یار یکدل ہو داز ہرچہ یابی در جہان
بچنین یار سے کم افتخار بہت آید ترنا
گر خرد داری نگہ دارش گرامی تر ز جان

دو دوست باہم اگر یکدل اند در بہ حال
ہزار طعنہ دشمن بہ نیم جو نخرند
مثال شان نہاں ترا ز مہرہ نرد
یگان یگان بسوسے خانہ راہ می بہرند
دے دہرہ چو ہم پشت یکدل گر گیرند
دگر طپا پختہ دشمن پیچ رو نخرند
کبوش ابن یمن دوسے بچنگ آور
کہ دشمنان سوے یک تن بعد گزشتہ نگرند

مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کوئی سچا دوست رکھتا ہے تو ہزاروں دشمن کی بھی اسکو پروا نہیں،
اسکی مثال نزدکے مہرون کی ہے کہ جب ہرے الگ الگ بڑھتے ہیں تو مقابل کی زمین کرسپٹتے ہیں،
لیکن دو ہرے جب ایک دوسرے کی مدد پر چلتے ہیں تو دونوں زد سے محفوظ رہتے ہیں،

اچھون کی صحبت | لیکن کبھی یہی دوستی انسان کی تباہی و بربادی کا باعث بھی ہو جاتی ہے، یعنی انسان جب
اپنا دوست اور مصحبت برے اشخاص کو بناتا ہے تو انکی برائیاں اسین سرائت کرتی ہیں اور اسکی سعادت
شقاوت سے بدل جاتی ہے، اسلئے یہ تعلیم نامکمل رہتی، اگر صحبت نیک کی ترغیب نہ جاتی، ابن بین متعدد
قطعات میں مختلف پیرایوں سے اچھون کی صحبت اختیار کرنیکی ضرورت بتاتے ہیں،

از ہنرمرد بہرہ ور گردد	چون بر صاحب ہنر گردد
قطرہ آب مختصر مایہ	چون بد ریارد گردد
صحبت نیشکر چو یاد آب	بضرورت ہماں شکر گردد

بایدان کم نشین کہ صحبت بد	گر چہ پاکی ترا پلید کند
آفتابے باین بزرگی را	ذرتہ ابرنا پدید کند

ہم صحبت کریم شوار بایدت کرم	زیراکہ طبع می شود از طبع خوی گیر
گیرد صبا ز ہر چہ برد بگذرد نصیب	از ہیفہ گند گیرد و بوسے خوش از عبیر

باشد لیتم در نظر عقل چون شبیہ
بے قیمت دکریم بود در جہان چو در

کم آمیزی کی تعلیم | بعض لوگ صحبت احباب کے اسدبہ جگر ہو جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنے احباب میں



گنگے لے رہتے ہیں، لیکن اس افراطِ صحبت سے انسان ہلکا اور بے وقعت ہو جاتا ہے، عرب میں
 نزدیکاً تو زد و حیا، ایک مشہور قول ہے، ابنِ یسین کہتے ہیں،

گر کم بدت اُمّ منذر ہی دارم | ان راکہ بسے قید بحر ش خدا خواہند

بالان کہ پیالے شکر دند لول ازوے | آنکہ کہ فی بار و وصلش ز خدا خواہند

مردی کیسے | مردی چسیت پنج میدانی | روز دولت فرد تنی کردن

سیم وزر بقیاس نختیدن | گاہ قدرت غضب خور دن

اخٹاے راز | پدر کہان عزیزش لب سیدہ گفت | یکے نصیحت من گوش گیر جان عزیز

بدوست کہچہ عزیز است راز دل کشا | کہ دوست نیز گوید بدوستان عزیز

حاجت برتری | دولت اور قوت پر گمنڈ نہیں چاہیے، کیونکہ یہ آئی جانی پیر ہے، آج ہمارے پاس

سب کچھ ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ کل قوت ضعف سے اور امارت افلاس سے بدل جائے، اسلئے

آج ہی جہان تک ممکن پر ضعیفوں کی مدد اور محتاجوں کی حاجت برآری کر لیں، ایسا نہ کہ کل گردش

چرخ سے وہ دو تہ مذ اور ہم منہس ہوں اور اُنکے آگے اپنی حاجت یجاؤں تو وہ ناکام و نامراد اپنے

دروازہ سے نکال دیں،

چو روزگار بکام تو گشت و دولت یار | بکوش تا دل آزر دہ بدست آری

مباشر کینفس از کار خویشین غافل | مگر کہ فرصت امکان زد دست بگذاری

کہ زمان کسے کہ ز توجہت یاری امروز | رد او بود کہ تو فردا طلب کنی یاری

چاچیرین انسان | چار چیز ہوا پر مے مرد ببا و | باختیار مباشرت اے سپر مباشرت آن

ذہیل کرتی ہیں | یکے دروغ دو کم صحبت عوام ان س | سوئم مزاج پھام شراب بانادان

چار چیز چاچیرنی | چار چیز بچار دگر بود محتاج | بیان کنم اگر امر تو مستع باشی

محتاج ہیں

خود بہ تجربہ خوشی بدوشی کردن نسب بجز احب سروری ہر پاشی

ان تعلیمات کے علاوہ سیکڑوں اخلاقی نکتے ہیں جنکو ابن کبیر اپنی نصیحت آمیز شاعری میں ادا کر گئے ہیں، نمونہ کے طور پر چند عنوانات اس مضمون میں قلم کر لئے گئے ہیں، تم غور کر سکتے ہو کہ اخلاقی تعلیم میں انھوں نے کس قدر صحیح مذاق سے کام لیا ہے اور کتنے مفید ترین اخلاق کی تعلیم دی ہے، پھر سلامت روی کی انتہا ہے کہ جن الفاظ، ترکیب اور تنبیہات کے ذریعہ سے مطالب بیان کئے ہیں ان میں کبیر انگریزی کے بھی جگہ نہیں ہے، شیخ سعدی اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ نہایت موثر میرا یہ میں دیتے ہیں، لیکن مذاق زمانہ سے متاثر ہو کر جا بجا حسن و عشق کی شرنگیز داستان چھیڑ دیتے ہیں جس سے ایک اخلاقی صحیفہ کو بہر حال پاک و صاف رہنا چاہیے،

عمر خیام کی رباعیان، خواجہ حافظ کا دیوان بے شبہہ اخلاقی مواظبت سے خالی نہیں، لیکن مینا و چنگ و برابطہ اور مطرب دہن کی پرشور آوازوں کے سامنے انکی آواز دب کر رہ گئی ہے، مانا کہ حافظ و خیام کی ہزم نشاط میں چنگ و برابطہ اور مینا و دے کی اصیلت نوا سے سرودش اور شراب حقیقت ہی کیوں نہیں ممکن واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص صوفی منش نہیں ہو سکتا کہ اپنے دل کو ایسا باد رکراے، بار بار سانسے آئینوں صریح خیالات اور الفاظ کے ظاہری معنی بے اثر نہیں ہو سکتے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دیوان حافظ پڑھ کر یا تو انسان دلی کامل ہو جاتا ہے یا بالکل رنڈا و باش، اس جملہ پر غور کر دیکھا سنی رکھتا ہے،

غم کہاؤ، زندگی ضائع نہ کرو، اور حال کو کام میں لاؤ، یہ سب سکھاتے ہیں، عمر خیام کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے زندگی میں جو کچھ کرنا ہو کر لو، لیکن زندگی کا لمحہ لمحہ کہیں صرف ہو، شراب نوشی میں،

تا کہ زغم زمانہ محزون باشی با چشم پرآب ددل پر خون باشی

مے نوش و ہمیشہ کوش خود دل می باشی زان پیش کہ زین دائرہ یزدن باشی

خواجہ حافظ کہتے ہیں کہ عزت و گوشت نشینی بہترین چیز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اسکے ساتھ یہ سامان ہوں،

دو یار زیرک از بادہ کن دوسنے فراغت و کتابے دگوشتہ چنے
فرماتے ہیں کہ اگر یہ موقع نصیب ہو تو دنیا و آخرت کے بدلے بھی ہم اسکو ہاتھ سے ہین دیکھتے،
من این مقام بدینا و آخرت ندہم اگرچہ در پیم افند خلق انجمن
اسکے چلکریہ تلقین کرتے ہیں

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود ز زہد پچو توئی یا ز فسق پچو منے
ابن یمن بھی عرمت دگوشتہ نشینی کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن کن شاغل اور کن اسباب کے ساتھ
اسکو خود انکی زبان سے سنا،

کبچہ دہمدی د کتابے د خوردہ از بہر ذوق نفس ز تاج د سریر بہ
از بہر سرعورت جامے د خرقہ از اطلس مذہب د شعر حریر بہ
از بہر دق تشنگی از بادہ مغال آب مباح سرد ز جام عصیر بہ
حلو د مرغ و ترہ اگر نیت گو مباحش صحت چو بہت از بہہ نان فطیر بہ
وہر کفان اگر کیف آید ز دہفت نزد خرد خدمت شاہ دوزیر بہ
ایک دوسرے قلعہ میں کہتے ہیں،
(کاٹنگاری)

نان جوین د خرقہ پشین آب خور سپارہ قرآن و حدیث پیبری
با یکدہ منفس کہ نیز د بہ نیم جو در پیش چشم بہت شان ملک سجری
این آن سادات است کہ بر سے حید دار اسے تخت قیصر ملک سکندی

اصل یہ ہے کہ حافظ و خیام اور ابن یمن قناعت دگوشتہ گیری کی تعلیم دینے میں تو برابر ہیں لیکن
علانیہ نظر آئیگا کہ ان دونوں کی قناعت دگوشتہ گیری میں بہت بڑا فرق ہے، یعنی خیام و حافظ کی قناعت
دگوشتہ گیری رندانہ ہے اور ابن یمن کی زاهدانہ، اب اخلاق کے رمز شناس خود فیصلہ کر لیں کہ

ان میں سے کون صراطِ مستقیم پر ہے،

ابن یسین کی غزلیں

فارسی انواع شاعری پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل خیالات اور مناظر کا سماں کمانیکے تصانیف مخصوص ہیں، واقعہ نگاری کے لئے تنوی، اور وسیع مگر ایک ہی قسم کے خیالات ادا کرنے کے لئے قطعات، غزل کی جو صنف تھی وہ ان منفرد اور چھوٹے چھوٹے خیالات کے لئے تھی جو شعر کے دلون میں پیدا ہوتے رہتے تھے، زوالِ تمدن اور سوسائٹی کے تغیر مذاق کا یہ نتیجہ ہوا کہ ساتویں صدی میں غزل کی صنف حسن و عشق کی داستان گوئی کے لئے مخصوص ہو گئی، تمام شعراے ایران جب غزلیں کہتے تھے تو وہ عشقہ مضامین سے لبریز ہوتی تھیں، یہ محض تصوف کی کرامت تھی کہ بایں ہمہ اس بزمِ عشق میں اسکی جگہ بھی قائم رہی، اور چونکہ تصوف کو فلسفہ و اخلاق سے بہت قریبی تعلق تھا اسلئے اسکے صدقہ میں کہیں کہیں اخلاقی مضامین بھی ادا ہوتے تھے، لیکن یہ جو کچھ تا ضمنی و عارضی تھا، مقصود یہی محض عشق ہی تھا، لیکن اس پر شور زمانے میں صرف ابن یسین کی آواز تھی جو اس غوغاے عام کی ہم آہنگی سے بالکل الگ تملک رہی، اور وہ اپنے اصل مذاق کے مطابق غزلوں میں بھی اخلاقی مضامین ادا کرتے رہے چنانچہ قطعات کے مجموعے میں چند غزلیں بھی ہیں جو اخلاقی مضامین سے لبریز ہیں، ان غزلوں میں تسلسل بیان کا وصف عام طور پر نمایاں ہے، بیان میں صرف چند غزلوں کے کچھ اشارات نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں، اہل نظر ان جواہر ریز دن کی قدر و قیمت خود معلوم کر سکتے ہیں،

دنیا کے نیک و بد، خیر و شر، رنج و دسرت سب گزر جانے والے ہیں، اسلئے محوِ اس سے نہ ڈرو

پریشان خاطر نہ ہو، اور ہر حال میں خدا کے شاکر ہو،

اے دل غمِ جہان محوِ زمین نیز بگذر
گیتی چو بہت برگزین نیز بگذر

دور دور نگاہ بردنِ راسے تست
اندہ محوِ کہ بخیبر این نیز بگذر

باجملہ پاسے دار کہ مردان مردار
بگذشت ازین بے بسرین نیز بگذرد
منت خدایے را کہ شب دیر باز غم
افتاد بادم سحر این نیز بگذرد
ابن بین ز منج حواش متوسل اندام
ہر چند بہت با خطر این نیز بگذرد
عزت دینکامی | زندگی اور دولت و مال کا صحیح مصرف یہ ہونا چاہیے کہ انسان عزت دینکامی
حاصل کرے، اس مضمون کو لکھتے ہیں،

شفیہ ام کہ باب زرا بن حدیث چور
نوشہ اند بر ایوان کاخ اسکندر
ہال ملک جهان را اگر بقا بودے
زدگیرے رسیدی ہن زمین بدرگر
عزیز من دوسہ روزی کہ فرصت داری
چنان بزی کہ چویردن دی ازین کشور
بہر دیا کہ نامت برد کسے بزبان
بجز دعائے گویند کہ ہست و ہست
پدر کہ جان عزیز تن لب رسیدہ گفت
یکے نصیحت ہن گش کن تو جان پدر
بہر دیا کہ در چشم خلق خوار شوی
تسک سفر کن از اسخا بردجاسے دگر
بہتر خویش بے بقدر بود مردم
دخت اگر تترک شدے ز جا بجاسے
بکوش تا بتوانی دے بدست آری
ایدل ازین جهان دل آزاد درگذر
کار جهان لائق اہل بصارت است
در بحر غم ز حرص چو خواص خویش چشم
دار غرر نیست مقام تسرار تو
بامار بہر مہر کسے دوستی نکرد
بر کن طمع ز مہر و داز مار درگذر

در باب بے تعلقی

چون میتوان بگفتش روحانیان سید سخی نادزین رو پر خار هگذر
 ابن یمن نشین قدس است جاسے تو زین آستان چو جعفر طیار درگذر
 شرافت و فضیلت قرآن مجید کی ایک آیت ہے، "ان اکرم عند اللہ اتقلم" انسان کی شرافت کا
 صحیح معیار اسکے اعمال میں، کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ابن یمن کہتے ہیں،
 آن را که ندانی نسب و نسبت حاش آن را بنود پیچ گو اے چو فحاش
 آنرا که پسندیده بود و غصه و خصاش آنرا بر سر از بد و غم و زحاش
 زیر آنکه درختی که مراد و راندن شاسی بارش جز آنرا کہ چه بودست نہاش
 زیر اشرف مرد باطن بہ نسب نیست در معرفت عقل و تیز است و کاش
 تہراده نادان کہ در اعلم و عمل نیست بقدر ماند چو ماند زرد و ماش
 در دیش کہ او معرفت علم و عمل یافت او سلطنت یافت کہ خوفیت زد و اش
 از صحبت نا اہل بعد مرحلہ مگر یز تا در دہن شیر نیفتی ز خصاش
 فنا شد خلق با خبر باش کہ دنیا گذرانت اسے دل خیز کاہن خواہی کہ پیچرانت اسے دل
 کی تلقین ہر یک انہر برگ بختہ کہ وہ از دل خاک خال شکن رخ سیمبرانت اسے دل
 شاخ سنبلی کہ سر را حبیب زمین بردارد جد غنبر شکن خبر دانت اسے دل
 در ہمہ کار پس و پیش نگاہ باید داشت خویش و بیگانہ زہر سوز گزانت اسے دل
 ہمہ خلق جہان خلق پسندیدہ نماے کہ سوسے غلہ برین راہ برانت اسے دل
 گز نہ بود حق مراد تو بود کار جہان از جہان نیست کہ دور قرانت اسے دل
 خود گر فتم کہ نمودم ید برینا بسخن نطق عینی چہ کنی دور زانت اسے دل
 اسے بسا کاہن یمن در کہ و بیگہ می گفت کہ مساوت ہمہ بابے ہنرانت اسے دل

علم و عقل

بگوش پوش من آمد مدام آوازے کہ بہت طائر جان ہوا ہے پر بازے
 بلے نشین اوشا خسار سدرہ سرود چہ می کند نفس اندرون دمسازے
 بعلم و عقل اگر پرورش کنی جان را ز ستر غیب نماند بر او نمان رازے
 غدا سے طوطی جان کو شکر سے خوردست عمر میز دارم اور اکہ ارزد اعزازے
 بود ز نفس گزشت آرزو سے نفس دہی کسے لطفہ نداد ار زنی شہبازے
 بر نزد ابن سینا گر چو مار خاک غری بر است از انکہ ہمیشہ مسخر آرزے

غالباً تم کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابن سینا کی جو اخلاقی تعلیمات ہیں وہ بہت صحیح صاف اور
 اعلیٰ ہیں، اور وہ انہی خصوصیات کی بنا پر اپنے تمام بچپنوں میں متنازع ہیں، اب میں آخرین یہ کہے بغیر
 نہیں رہ سکتا کہ ہمارے ہاں اخلاقی تعلیم کے سلسلہ میں ہر طرح کے رطب دیا بس کا مجموعہ جو فارسی سائل
 پڑھاے جاتے ہیں، اگر انکی بجائے ابن سینا کا منتخب کلام داخل نصاب کر لیا جائے تو یقیناً زیادہ
 مفید ہو، اور اس سے اچھے نتائج نکلیں، ابتدائی تعلیم محض بچوں کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ اُنکے آئندہ
 خلق و سیرۃ کی وہ بنیاد ہوتی ہے، اسلئے اسکا لحاظ کر لینا ضروری ہے کہ وہ بنیاد غلط نہ ہو کیونکہ اسی پر
 عمارت کی شان و شوکت اور حسن استحکام کا دار مدار ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر

از تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد

معارف عدد ہفتم میں سورہ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر شائع ہوئی تھی جبکہ آخر میں میں نے یہ عرض لکھا تھا، مع تمناع من زمننا ننازل برہ ست، چنانچہ آج مولانا ابوالکلام کے تذکرہ کا ایک ورق (حاشیہ صفحہ ۱۲۵-۱۲۸) اس مسئلہ کے متعلق شائع کرتے ہیں، کتاب البلاغ پریس (دہلی میں بزم کلکتہ) میں زیر طبع ہے،

عام طور پر یہ واقعہ یوں سمجھا جاتا ہے کہ وہ عورتیں حضرت یوسف کا جمال صورت دیکھ کر ایسی بیخود ہوئیں کہ پہلوں کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، مگر قرآن حکیم سے ایسا ثابت نہیں ہوتا، حضرت یوسفؑ نے اس واقعہ کے بعد ہی دعا مانگی: **وَاللّٰهُ أَفْصَحُ** یعنی **جی ہاں! صواب لیجئے** ”خدا یا! اگر ان عورتوں کے مکر و فریب سے تو نے نہ بچایا تو ممکن ہے کہ میں ان پر جبرک پڑوں“، یہاں ان عورتوں کے معاملہ کو ”کید“ کہا لیکن اگر وہ تاب نظارہ جمال نہ لاکر بیخود ہو گئی ہوتیں تو اس میں ”کید“ کی کوئی بات تھی، پھر خدا فرماتا ہے، **فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ** ”ہم نے ان عورتوں کے کید کو اسکی طرف سے ہٹا دیا“ پھر قید خانہ میں پادشاہ کے پیامبر سے کہا، **مَا بَالُ الْمَرْءِ الَّذِي تَقْتُلُونَ** ”ایسا کیوں؟“ ان دہلی بلیکڈھن علیم یعنی ”پیلے اس معاملہ کو صاف کر دو کہ وہ جو عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تو اسکی حقیقت کیا تھی؟“ میرا پروردگار انکے مکر کو خوب جانتا ہے، ان دونوں مقامات میں بھی اس معاملہ کو کید سے تعبیر کیا، اور آخری آیت میں تصاف صاف قطع کر دیا کہ حضرت یوسفؑ ”کید“ کہہ رہے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب حسب تحریک حضرت یوسفؑ پادشاہ نے ان عورتوں سے معاملہ کی تحقیق چاہی تو ان لفظوں میں پوچھا، **مَا خَطْبُكُنِیْ** اور اودون

یوسف عن نفسه؟ بتلا و گیا حال تھا جب تم لوگوں نے یوسف کو پسلا ناچا ہاتھا؟ یہاں ہی ”داود تن عن نفسه“ کا لفظ ہے جو ان عورتوں نے امراۃ العزیز کی نسبت کہا تھا، تو داود فتاحا عن نفسه، اور داود تھالتی ہوئی بیٹھا عن نفسه اور دلفقد، داود تن عن نفسه فاستعصر پس اگر وہ عورتیں صورت ہی دیکھ کر خود بخود ہو گئی ہتھیں تو اس میں پسلا نے اور بہلائے کا مکر کیا ہوا، اگر کہا جائے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد انھوں نے پسلا ناچا ہاتھا تو یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، وہاں تو صرف اس اعتراف پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے کہ ان هذا الاملاک کویم اور بلا غتہ قرآنی کے خلاف ہے کہ ایک غیر تذکرہ و مجهول واقعہ کی طرف جا بجا اشارہ کیا جائے، پس اس آیت کی یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، صاف بات یہ ہے کہ ملامت کر نیوالی عورتوں کے دلوں میں درجہ اول سے پہلے سے کوٹ تھا، وہ خود حضرت یوسف پر ریگی ہوئی تھیں، مگر بظاہر امراۃ العزیز کو طعنہ دیا کرتی تھیں کہ ایک نوحہ غلام پر مرنے لگی اور اسکو بھی قابو میں نہ لاسکی، یعنی ہم ہوتے تو ایک ہی چلتر میں پاکبازی کی ساری دھوم ختم کر دیتے، خدا سمعت بمکھن جب امراۃ العزیز نے انکی اس سکاری کا حال سنا تو حضرت یوسف سے مقابلہ کرادیا کہ اچھا میں تو اسکو قابو میں نہ لاسکی، اگر اسکی پاکبازی ایسی ہی پسمل پڑنے والی ہے تو تم بھی اپنے سارے داؤ آزما دیکھو، جب حضرت یوسف سائے آئے تو ابکونہ انکی عصمت و پاک کی عظمت نے انکو قائل کر دیا ”قلطن ایدھین جب اظهار عشق و فریفتگی کے سارے چلتر ناکام رہے تو پھر یہ کیا کہ اپنا کمال غنی جتانیکے لئے اپنے ہات کاٹ لئے، یعنی زخم لگا کر خون بہا دیا، یہ بھی ایک چلتر تھا کہ نہ مانو گے تو یہی چہری ہوگی اور ہمارا جان، لیکن جب وہ کوہ عصمت اسپر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو بے اختیار پکارا نہیں ماہذا ابشتواناں هذا الاملاک کویم ہم نے تو وہ وہ ناز و عشوہ دکھلائے اور وہ چلتر کئے کہ کوئی کیسا ہی انسان ہوتا مگر اپنے کو قابو میں نہیں کر سکتا تھا، لیکن یہ تو پاک و قدوسیت کا فرشتہ ہے جسکو گناہ کا کوئی دامن بھی نہیں ہنسکتا، سپر امراۃ العزیز بولی خدا لکن الذی لم تنس فیہ، ”کیا یہ ہے“ وہ پیکر عصمت اور مجسمہ ملکوتیت

جبکہ لئے جھکولامت کیا کرتی ہیں،

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں جے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے
خود امراۃ العزیز کا یہ قول ہی تفسیر شہور کی تغلیط کے لئے کافی ہے، ولقد داودنہ عن نفسه
فما مستصغرہا ان بیشک میں نے اسکو بہت پسلا نا چاہتا، مگر وہ بے قابو ہوا یعنی ایسے پاک شخص کے
مقابلہ میں اپنی ناکامی کا اقرار باعث عار نہیں، اگر یہ معاملہ صرف محویت حسن صورت ہی کا تھا تو اس
موقع پر یہ کہنے کا کون موقع تھا، ان عورتوں نے کہا تھا ان هذا الاملک کینم اگر وہ صرف حسن سیرت ہی دیکھ کر
بیخود ہو گئی ہوتیں تو مملک کو یہ کیوں کہا؟ فرشتوں کی خوبصورتی کا تو شرہ نہیں ہے، پاکی اور عصمت کا
فہم سمعت بلکہ وہ۔ اگر صرف ان عورتوں نے حضرت یوسف کی تحقیر ہی کی تھی، اور بنیاد ملامت
صرف یہی تھی کہ ایک غلام پر کیون جان دینے لگی اور خود انکے دل میں کہوٹ نہ تھا، تو اس میں مکر کی کوئی
بات ہوئی، مکر کے معنی عربی میں یہ ہیں، (ایصال الشی الی الغیر بطریق مخفی) ”کذا لک الیہ الخیاء“
جب ان عورتوں کے خیال کو مکر کہا تو اس میں کوئی مخفی بات بھی اندر کی ہونی چاہیے، ایک مرتبہ مجھکو
خیال ہوا کہ یہ مشہور تفسیر تو خود ایک حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہ کی مشہور روایت میں ہے کہ
مرض الموت میں آپ نے بلال سے کہا ابو بکرؓ کو نماز پڑھانیکے لئے کمند، اس پر حضرت عائشہؓ نے
اور پھر انکی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے کہا ”رجل اسیف“ ابو بکرؓ بڑے ہی رقیق القلب آدمی
ہیں ان سے نہ ہوسکیگا کہ آپکی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں، عمر کے لئے فرما دیجئے، اس پر آپ نے فرمایا
انکلی صواحب یوسف، اگر وہی مشہور تفسیر مان لی جائے تو آپکی یہ تمثیل کسی طرح بھی درست نہیں ہوتی
ہم ان تادیبوں سے بیخبر نہیں ہیں جو مفسرین نے لائعات کا مکر و کید ثابت کرنے کے لئے
کی ہیں، مگر اس صاف صاف تفسیر کے بعد ان تکلفات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حضرت یوسفؑ کے
جمال صورت سے بھی ہمیں انکار نہیں، اور حضرت یوسفؑ پر کیا موقوف ہے؟ دنیا میں کوئی نبی بھی

بد صورت بنیں آیا، انبیاء کرام فطرۃ و مزاج انسانی کا کامل ترین ظہور ہوتے ہیں، کمال فطرت
 بغیر اعتدال و قوام خلقت و کمال نشو و جم و ہیکل ممکن نہیں، ”وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یشب شباً بالایشبہ الغلمان“ اور اعتدال و قوام خلقت میں اعتدال ظاہر و باطن دونوں
 داخل ہیں، پس انبیاء کرام کے ظاہر و باطن، دونوں میں بحر جمال و حسن و خوبیوں کے اور کچھ نہیں ہوتا
 اور نہ ہو سکتا ہے، مگر مجرد جمال صورت کوئی ایسی چیز نہیں جو انبیاء کے لئے موجب فخر و مباہات یا سحر و جادو
 اور قرآن حکیم اسکا خاص طور پر ذکر ہے، حضرت یوسفؑ کا اصلی جمال، جمال عصمت و باطن تھا جسکا
 جلوہ قال معاذ اللہ! انّ دلی احسن متّوای کے مقام پر بھی نمایاں ہوا، مَا هَذَا الْبَشَرَا کے
 معاملہ میں بھی، اَسْبَحْ بِحُبِّ الّٰی مَا یَدْعُوْنِیْ الَیْہِ کے اعلان میں بھی، اور اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلَیْکُمْ کے
 تحت جلال و عظمت پر بھی، کیا یہ جمال اُنکے حسن مقدس کی جہان آرائی کے لئے بس نہیں کرتا ؟
 نقد کان فی قصصہ عبودۃ لا ولی الا لہاب ،

تفسیر سورہ یوسف کی چہرہ مشورہ عام غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ تھی، سورہ مذکورہ کی تفسیر
 میں یہ بحث بالتفصیل لکھا جا چکا ہے،

بالتفیظ والاہتما

گلکہ

یعنی

مجموعہ غزلیات جناب مرزا ہادی صاحب عزیر لکھنوی
از
مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالصفین

موجودہ شعرائے لکھنؤ دو طبقوں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں ایک وہ جو قدیم طرز شاعری پر اب تک قائم ہے دوسرا وہ جس نے قدیم طرز سخن گوئی میں نیا رنگ پیدا کیا ہے جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیر اس دوسری جماعت کے ایک ممتاز رکن ہیں دنیائے ادب میں شاعر کی حیثیت سے بارہا انکا تذکرہ اخبارات و رسائل میں آچکا ہے اس لئے وہ کسی جدید تعارف کے محتاج نہیں، ما گذشتہ میں انھوں نے اپنی غزلیات کا ایک مجموعہ ”گلکہ“ کے نام سے شائع کیا ہے امید ہے کہ ادب و شاعری کے حلقوں میں وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

مرزا عزیر کی شاعری کی ممتاز خصوصیات تین ہیں جذبات نگاری، فارسی کی ترکیبوں کا استعمال اور باوجود اسکے کلام کی صفائی اور روانی اور ابتداء سے کہ ہر شعر میں انکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جذبات انسانی کی تصویر کشی جائے کیونکہ شاعری و حقیقت جذبات ہی کو موزون فقرات اور آکریکا نام ہے، وہ شعر شعر نہیں جو جذبات انسانی کا ترجمان نہ ہو، ذیل کے اشعار کو پڑھو دیکھو کس قدر انکا لفظ لفظ جذبات کے آب حیات میں ڈوبا ہوا ہے اور اسکے مصرع مصرع میں سوز و گداز کے کتنے شعلے بھڑک رہے ہیں،

اگے خدا کو علم ہے کیا جانے کیا ہوا
بس اُنکے رخ سے یاد ہے اٹھنا آفتاب

بے نیازی پہ تری ناز سید کار دگو اُسے پھر اُنیں درِ توبہ اگر باز نہ ہو
 آج صیاد نے فرمانِ رہائی تو دیا لیکن اُنکو کہ جنھیں طاقت پر وار نہ ہو
 دہلیں پیوست ہیں اک تیز نکالوں کیونکر دُور ہا ہوں کہ نگاہِ غلط انداز نہ ہو
 دل پر درد سے جو اہ پر تاشیر نکلی ہے غم بھان کی لیکر ساتھ اک تصویر نکلی ہے
 مٹے طلسم تصور تو اب قدم اٹھیں کہ ذرہ ذرہ پہ تصویر یاد راہ میں ہے
 کچھ دور وہ ساتھ اپنے خزانہ کو چلنے لگے کیا دیر ہے بیمارِ محبت کہیں مر بھی
 بیٹھا ہے جھکائے ہوئے سرِ دیک کوئی بیمارِ شبِ غم کوئی کروٹ نواہر بھی
 دینا نہ عزیز آنگاہ کو گردشِ دم آخر بیٹھے ہیں سر ہائے تیر و بابِ نظر بھی
 کسے دیکھا کوئی معجزِ ناظرین اٹھیں لو وہی ڈٹے ہوئے دل پھر صد ادینے لگے
 یہی کہہ کہہ کے میں نے منزلوں کی جہت از نی کہ اب آتا ہے اسے دل اپنے جاننا آتا ہے
 ترے وعدے کی حقیقت کو ہمیں سمجھ رہیں وہ حریفِ زندگی ہے جسے اعتبار رکھئے
 قیامت کیا عزیزِ ایک نام جو فریادِ کامیری فروغِ سنِ ہم ہستی کا فقط ضبطِ نفعان بہت ہے
 عالم کے انقلاب کا اللہ سے اثر میں دیکھتا ہوں دلکی بھی دنیا بگلی

مرزا صاحب غزنگوئی میں مرزا غالب کے طرزِ سخن کا متبع کرتے ہیں اور انکی غزلوں پر
 غزلیں کہتے ہیں، اربابِ نظر جانتے ہیں کہ مرزا غالب کے طریقِ کلام کی کامیابی کے ساتھ
 پیر دی کس درجہ مشکل ہے، قیدِ کامیابی کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ آج کل غالب
 پرستی کی جو آندھی ملک میں چل رہی ہے اسے صحت و خطا، عیب و دھنر فصاحت و تعقید کی
 چشمِ تیز کو گر دالو دکر دیا ہے،

مرزا عزیز کی اس قسم کی غزلوں کے چند اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں، مرزا غالب

کی ان زمینوں میں ایسے عمدہ شجر لگانے پر جناب عزیز کی جبقدر تحسین و افرین کیجائے کم ہے۔

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیران ہونا	وہ مرا پہلے پہل داخل زندان ہونا
ان سے کرتا ہے دم نزع و حیت تیز	خلق روئگی مگر تم نہ پریشان ہونا
مڑ مڑ کے دیکھتا تھا میں دشت میں لہاں	کوئی تو میرے ساتھ سیلابان نور و تھا
کوسوں دیا عشق میں آبادیاں نہیں	یادش بخیر جسے مراد نہیں ہا
ظاہر ہوا ہے میرے رخ نیلگون آب	انجام ضبط گریہ طاقت گداز کا،
ظاہر میں ایک سادہ ورق چو یہ دل مگر	نقش طلسم راز ہے اک کار ساز کا،
کسکے جلوہ نے یہ کی آئینہ بندی ہر سو	دیکھا جس ذرہ کو وہ دیدہ حیران نکلا
مر گیا ایک نظر دیکھ کے گردن کی طرف	ترے بیمار کا جب کوئی نہ پرسان نکلا
ہے ضبط گریہ میرے لئے اک محال بات	گو آنسو دینں دل کی حقیقت ہی کیوں نہ ہو
میری خاموشی کی شرعین کو گنج چاہیں کو	در دل میں کیا کہوں جب منہ بکھلی نہ ہو
پائی جب خلوت کہیں اپنہ رسم ضبط نے	رد دیا یہ سو بکشت یہ یہاں کوئی نہ ہو
جفا و امتحان کا عشق میں جب ایک حاصل ہو	ستم ہی کیوں نہ ہو بذنام نام امتحان کین ہو
نہ پوچھو دم کے رکنے کا سبب تم نزع میجر جسے	کیا ہو زندگی بھر ضبط جسے راگ ان کین ہو
زمانے کے حوادث خود میری فطرت میں داخل ہیں	مصیبت دلی کی کیا کم ہی بلا آسمان کین ہو
رو نازل ملا ہے برک دلو ہمیشہ دم	وہ دلغ عشق نقش سوید اکہیں جسے
یہ کہے بزم و خط میں اک جام پی لیا	کب تک رکھیں امید شراب علم و کی
دل تاج کشش نکاشش تاج جمال	ہاں ہاں محبت آپ کی اور ضرور کی
منا کہ بزم حسن کے آداب ہیں بہت	جب دل پر اختیار نہ کیا کرے کوئی

مرزا صاحب نے کلام میں فارسی الفاظ اور ترکیبوں کی آمیزش سے وسعت بیان، نزاکت
مضمون اور حسنِ ادا پیدا کر نیکی طرف جو توجہ کی ہے اور اس میں جس حد تک وہ کامیاب ہوئے ہیں
وہ مطلب ہے، حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیبوں سے جس قدر وسیع اور غیر محدود معانی چھوٹے چھوٹے
فقروں میں ادا ہو جاتے ہیں محض اردو یا ہندی الفاظ کی ترکیب سے وہ طلسم معانی نہیں بن سکتا
ہمارے موجودہ شعرائے اردو میں فارسی ترکیبوں کی آمیزش کرنے والے انخاص بکثرت
پیدا ہو گئے ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ بہت کم اصحاب ذوقِ سلیم کا ثبوت دیکھ سکے، یہی چیز جس قدر کلام میں
حسن اور بلندی پیدا کرتی ہے اس قدر بے اوقات عیب اور پستی بھی پیدا کرتی ہے۔

ایک نصف مزاج نقاد سخنِ علانیہ اسکا اقرار کر چکا کہ اس بارہ میں مرزا صاحب نے جس قدر
ذوقِ صحیح اور سلامتِ طبعی سے کام لیا ہے وہ مدح و ستائش سے مستغنی ہے، اور یہ وصف ان کے
کلام میں اس قدر عام ہے کہ خاص طور پر دکھانے کی حاجت نہیں، جہاں سے بھی کلام پڑھو قدم
قدم پر یہ حسنِ نظر آئے گا، چنانچہ اشعار بالا کو پڑھ کر بھی ہر شخص اسکا اندازہ لگا سکتا ہے۔

بایں ہمہ فارسی کی بعض ترکیبوں کی صحت کے متعلق مجھے شک ہے، چنانچہ ذیل کے اشعار میں
خط کشیدہ الفاظ اور ترکیبیں قابلِ غور ہیں،

گل جو گلزار میں ہیں گوشن برادر عزیز	مجھ سے بلبل نے لیا طرزیہ شیوالی کا
ابھرنی گی اور جن کی سرگرمیاں ابھی	لیتے ہیں کام نالہ آتش نشین سے ہم
بیان کرنا ہو جب کوئی مرا اندازہ جنت	لیون تک خون میں ڈوبا ہوا انسا آتا ہو
ہے شور مری لاش پر ہر گندی کا	لیکن وہی عالم ہو تری بخیر کا
وہ شوقِ قتل و دلولہ دل نہیں ہا	اب اُنکے امتحان کے قابل نہیں رہا
یہ مختصری ہے مری سوا حق عمری	ہمیشہ دفنِ ستم ہائے روزگار ہا

مجھے یہ تسلیم ہے کہ اس قسم کے مسامحات بہت کم ہیں، اور ان میں سے بعض شاید قواعد کے برخلاف
صحیح بھی نکلیں لیکن فصاحت کا معیار قواعد سے زیادہ بلند ہے ہمیں مرزا عزیز سے جس کلام کی توقع ہے
اسکو ان شکوک و شبہات سے بھی پاک و صاف ہونا چاہئے، ایک غزل کا شعر ہے،

بقدر جوش جوانی بڑھا غم و راز کا کہ مے نے نشہ باندازہ خمار کیا

یہی تشبیہ مرزا غالب کے یہاں بھی اس شعر میں ہے

دیتے ہیں جنت حیات ہر کے پلے نشہ باندازہ خمار نہیں ہے

لیکن ان دونوں میں جو امتیاز اور فرق ہے ظاہر ہے، مرزا عزیز کے ہاں قلب تشبیہ ہو گیا ہے
اسی طرح یہ چند الفاظ اور ترکیبیں بھی قابل غور ہیں،

ہنگامہ خبر گشکش حسن و عشق میں دل یوں پساکہ جیسے غبارِ نبردِ قضا

آئینہ حیات ہے تیرا فروغِ حُسن زندہ وہی ہو جو کہ تیرا روشناس

نہیں زائد تھے اندازہ لذاتِ روحانی بہشتِ روح اک نظارہ ہی بے لفت جا

لذات کی صحت میں شبہ نہیں، لیکن یہ ضرور نہیں کہ غزل کی زبان میں ہر صحیح لفظ شیرین

اور لطیف بھی ہو،

اس قسم کے بعض اشعار کو چھوڑ کر لقیہ پورا گلگدہ مسامحات اور نکتہ چینیوں کی وار دگیر سے

پاک ہے اور استادانہ رنگ و سبب صاف چھلکتا ہے،

صفائی و روانی اگر کلام کے حسنِ رخ کا آب و رنگ ہے تو مرزا عزیز نے اس کے بھی بھرپور

نمونے پیش کئے ہیں ذیل کے اشعار کو پڑھو کہ قدر بے تکلف صاف اور روان ہیں،

بدگمان کو میری سیت پہ یقین سیکے گا ہر حکم ہے آئینہ دکھلاؤ مری تصویر کا

بعد میرے میرا سامان سب تبرک ہو گیا حلقہ حلقہ بٹ رہا ہے اب مری زنجیر کا

اک خدائی جان دینے کیلئے تیار ہے کیا قیامت ہی کمر سے باندھنا شمشیر کا

شمع بجھ کر گئی، پروانہ جسکے رنگ گیا یادگار صن و عشق اک داغ دلیر گیا

ضعف میں کرتا بیان کس طرح آخر در دل آپکا بیمار اک کروٹ بدل کر گیا

ہچکیاں اُنہی تعین دو چار جو ہنگام وفات تھی وہ آواز شکستِ دل بسمل قاتل

سوزِ باطن کا اثر ضبط سے چھپتا ہی کہیں شمع کو اُبلد، سر تا قدم دیکھتے ہیں

آخر میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شعرائے لکھنؤ کی اس نئی جماعت نے قدیم طرزِ شاعری کے

بہترین گنجِ کامیابی بہت کچھ حاصل کی ہے، تاہم اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ یہی ہے کہ قدیم مرثیہ گوئی کو غزل

کے قالب میں بدل دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سوز و گدازِ حسرت و غم یا س و ماتم، ناامیدی و موت

کے جذبات بکثرت اور سو سو پہلو سے ادا ہوتے ہیں، لیکن جوش و خروش، زندگی و سرمستی، رفعت و

بلندی، اور معاملاتِ حسن و عشق، اور وارداتِ قلبی کے مضامین کی بڑی کمی ہے، اسلئے ہمارے نئے

ممتاز شعرا کو اب ان چیزوں کی طرف بھی توجہ ضروری تھی، تاہم ہمارے نظم و نثر کا قیام کیجئے کہ مدت کے

مردہ دونوں میں تروتازگی اور جوش و خروش پیدا ہو اور غم و حسرت کے بجائے ہمارے نوجوانوں میں

امید اور ترقی کے ولولے موجزن ہوں،

الفاظ کی سید قد ر شیریں اور فصیح ہوں لیکن کبھی کبھی وہ کثرتِ تکرار سے بے مزہ اور کانون کو ناگوار

معلوم ہونے لگتے ہیں، مرزا صاحب نے بعض الفاظ مثلاً ”جذبات“، ”مُرکز“، ”نا سوز“ وغیرہ کو بار بار دہرایا

ہے، ہر غزل میں علیحدہ علیحدہ یہ الفاظ بڑے نہیں معلوم ہوتے لیکن ایک مجموعہ اور دیوان کی صورت

میں وہ حدِ احتراز تک پہنچ جاتے ہیں، تاہم ان چند الفاظ سے قطع نظر کر کے اگر اس دیوان کو دیکھا

جائے تو معلوم ہو گا کہ مصنف نے شعرائے لکھنؤ کے سینکڑوں ہزاروں مبتذل الفاظ اور ضیالات

سے اپنے کلام کو اس قدر بلند کیا ہے کہ غزل کی زمین آسمان بن گئی ہے۔

اُمّی بیبا

سخن حبیب

از جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصد در دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

کا فرشتہ مسلمانی مراد کارنیت

(امیر خسرو)

لالہ ہرنگ تو در دامن گلزارنیت	بوسے شکیں زلف تو در طبلہ عطارنیت
شور و خشت شد سر با نیت پای و طلب	رسم جان بازی ز پا آمد سرے بردارنیت
طبع نازک از نیازِ قید رسم افتاده است	رشتہ الفت چو دارم حاجت ز تارنیت
غنچہ را شکل دهن شد، شیوہ گفتار کو؟	سرور اقدسی شد جلوه رفتارنیت
نیت دولت در جهان جز وصلِ بریم تن	نقد عیش در زمان جز دولت دیدارنیت
کیف چشم مست تو در بادہ گلزنگ کو؟	ذوق جام لعل تو در ساغر سرشارنیت
در بہاران سیر گلشن غنچہ دل دان کرد	چون بہار گلشنم آن غیرت گلزارنیت
نیت کارے با طلیب شہر بخور ترا	گشتہ سکین مبتلاے در دل ہمارنیت
دیدہ کز عشق جانان می نیار و دل اشک	در خور جنات علی تختہ الامارنیت

از بن ہر بوسے حسرت نالہا سمری زند

نغمہاے دلکش در بند چوب و تارنیت

سپاسِ یزدان

از مولوی محمد احسن اللہ شاقب (سابق مدیر قندپاسی) پروفیسر فارسی و عربی و کتوریا کالج

سپاسے کہ شایانِ یزدان بود ^{گوایا} نہ در غور و نیرو سے انسان بود

خداوند گیتی خداوند جان ^{گوایا} بفرمائش و درخ باهرش جنان

جهان داد را مر خدائی تراست ^{گوایا} ہمہ بند گانیم شاہی تراست

گہر ہائے رخشان بجون وہی ^{گوایا} فردزان شقائق بہامون ہی

دمِ عطرسا از تو یابد صبا، ^{گوایا} مہ چارہ از تو جوید ضیا

تو افزاختی چرخ گردندہ را ^{گوایا} کہ حیران کند مرقہ بیندہ را

شبش از ستارہ منور کنی ^{گوایا} کہ یابد زمین ہم از ان روشنی

زمین رشک مینو کنی در بہار ^{گوایا} زہرگونہ گل برو مدبے شمار

ہوا قطرہ افشان و گل ہر طرف ^{گوایا} دہد آدمی زاد دل را ز کف

گرد ہے فرستی ز نوشتین لبان ^{گوایا} کہ ہر عشوہ نشان بود دستان

بقدر سرو نازد، بخند آفتاب ^{گوایا} دلِ سینہ ریشان زانہما تباب

با برو مکان و بگسیو کند ^{گوایا} کہ اگر ندیک شہر جان را بہ بند

ز چہان شہلا کہ گیر دھاب ^{گوایا} کہ مستند کردند عالم خراب

تبسم، گو حرا و دل می زند ^{گوایا} کہ آتش بجان متصل می زند

گرد ہے فرستی ز فرماندہان ^{گوایا} کہ از سلطت شان بلرز دہان

ہمہ داد پرورد ہمہ عدل کوش ^{گوایا} ہمہ کوہ حلم دہمہ بحسب ہوش

ز عاصی بہر لحظ پوزش پذیر
بمشکوٰۃ اسکا ظمین مستنیر
کرا طاقبت آن ستاید ترا
ندانم پسند آنچه آید ترا
مگر سجدہ آرم بدرگاہ تو
فنا سازم این جسم در راہ تو
کہ چون تشنہ میرم شرابم دہی
برو حانیان قطرہ آہم دہی
تہ کاری من بدان حد رسید
کہ چشم گے ردے نیکی ندید
نہ سوزے نہ دردے یکے مردہ دل
دماغ پریشان توئی مضغول
تو دانی ازین ہا چہ راحت رسد
فغان از زمانے کہ آیم بتو
کہ نخلے کہ افتادے برد ہد
زنا کردینہا سراغ کندہ پیش
سیہ نامہ خود نمایم بتو
ندامت مگر یاری من کند
بشمیر حسرت دل دسینہ ریش
تو گفتی کہ رحمت فزون از غضب
زدیوان غفران نویدے رسد
تو گفتی کہ رحمت فزون از غضب
ہمین ست داین است و این کار رب
خدا یا ز رحمت نصیب بدہ
قد بقوت جہی علی مضنی

غزل

مرزا تاقب قزلباش مکتوی

زیر مزار جا کر دوتا فلک سے کیا بین
یون شکہ رہ گیا ہون جیسے کچی تہا بین
صیاد نے چھڑایا مجھے وہ آشیانہ
اک عمر کی خاطر تنکے چٹا کیا بین
کس جہانگی حقیقت اس عاریت سراکی
جس دن اُتار دو نگاہ یہ جانہ فنا بین
اعلا حسرت دغم اب کیوں مری لحد پر
گو آج بین نہیں ہون لیکن کچی تو تہا بین
کچھ بولنا تو کھلتے کا ہیکو راز عالم
شمع خوشنوبر بکری سنا کیا بین

دنیا کے اہل عبرت پر بڑھ لینگے یہ کتابت
مٹی پہ چھوڑتا ہوں اک نقش ہر یارین
دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کر کے
بزمِ جہان میں دیکھوں کس کو ترے سوا میں
ہجران نصیب دل کو وصلت کا پوتہ کب تھا
کتا ہی مجھے کوئی تیرے قریب نہ تھام
نقاب غزل نہیں تھی یہ ماجرا سے دل تھا
جو کچھ تمارا زلف با توں میں لگیا میں

کلام فانی

جناب شوکت علی صاحب فانی بی۔ اے ال ال بی بدایین

ہم اپنے جی سے گذرے یوں سحر کی
شب غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تہیں کس دل سے اپنی جان کہنے
وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی
انہیں بچیں کرنا چاہتا ہے
قصا آئی ہے کیا دردِ جگر کی
کشش کیسی کہان کا جذبہ دل
دہ آئے ہیں بنائی ہے اثر کی
ہم اکثر جا کے دیرانہ سے پیٹے
ہمارے گھر سے دیرانی نہ سر کی
مراقب انکے ہاتھوں یہ تو باتیں
کچھ انکے منہ کی ہیں کچھ نامہ بر کی
تمہارے عشق کا اللہ سے فیض
جگر میں دھوم ہے دردِ جگر کی
نکاہ شوق کے دم تک تھی آنکھیں
اب آنکھیں یادگارین ہیں نظر کی
اٹھا ہاتھ اسے تصویرِ فاختہ کو
یہ دل کی ہے وہ تربت ہر جگر کی

شبِ فرقت کئی یا عمرِ فانی

اہل کے ساتھ آدھے سحر کی

مطبوعاتِ عجمیہ

قدیم و جدید معاصرین

اردو سلسلہ صحافت میں چند نئے رسائل و اخبارات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان میں سے کچھ تو پرانے رسائل ہیں جو نئے دم خم سے میدان میں آئے ہیں، اور کچھ نئے جو ہمارے حلقہٴ معاشرت کی خوشنما گزریاں ہیں،

صحیح امید اسکا ذکر پہلے ہی ہم کر چکے ہیں، اسوقت ہم نے جو امید باندھی تھی، الحمد للہ کہ پوری ہو رہی ہے، اسکا مقصد اردو میں معتدل، سیاسی، معاشرتی اور ادبی ذخیرہ پیدا کرنا ہے، چند پچھلے پرچوں میں اس نے قابل قدر مضامین شائع کئے ہیں، اس کے سیاسی خیالات و تعلیمات استوار و مدلل ہیں غوغائے عام کی پیردی اسکا مسلک نہیں، یہ صرف حقیقت پر نظر رکھتا ہے، سیاست کی تلخی کے ساتھ ادبی لطائف کی شیرینی کو بھی اس نے ملا دیا ہے، رفتار قوم کے بچے جو شذرات لکھے جاتے ہیں انکا فقرہ فقرہ ادب و انشا کی چاشنی میں ڈوبا ہوتا ہے، آخر میں بہارِ سخن کے عنوان کے تحت میں قدیم شعراء اردو کے کلام کا انتخاب ہوتا ہے، اس انتخاب میں غالب کو لینا اسلئے بیکار ہے کہ انکا دیوان تو خود منتخب اور مختصر ہے، ضخیم دیوانوں کے مالک شعراء کا جائزہ لینا البتہ مناسب ہے، لکھائی چھپائی بہت صاف اور عمدہ ہے، قیمت سالانہ ’’لکھ‘‘ پتہ: دفترِ صحیح امید، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

قوم، جناب عباس حسین قاری علیگ کی ایڈیٹری میں دلی سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے، ادب معاشرت، تمدن، تاریخ، سیاست ہر قسم کے مضامین کی سرخیان ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر مباحث ملکی و سیاسی ہوتے ہیں، ہمدرد کے سوا دلی سے کوئی نامور اخبار نہیں نکلا، عموماً جو اخبارات نکلے، انکی حیثیت محض مقامی رہی، قوم پہلا اخبار ہے جس نے ہمدرد کے فراموش شدہ عمکو زندہ کیا ہے، خیالات پر جو ش

طراز تحریر پسندیدہ، ترتیب موزون، مواد وافر، لکھائی چھپائی صاف، کاغذ بھی اچھا، قیمت سالانہ (۳۲) پتہ: دفتر اخبار قوم، دہلی،

اعجاز القرآن، امرتسر سے شائع ہوا ہے، اسکا مقصد محض دینی خدمت اور تعلیمات قرآنی کی تبلیغ و اشاعت ہے، ابھی پہلا پرچہ شائع ہوا ہے، جس میں کوئی خاص قابل ذکر مضمون نہیں، اس لئے مضامین کی نسبت ابھی کوئی رائے نہیں ظاہر کی جا سکتی، لکھائی، چھپائی کاغذ ہر چیز محتاج توجہ و اصلاح قیمت سالانہ ۴۰، دفتر اعجاز القرآن، حکیم روڈ، امرتسر، (پنجاب)

اُسوہ حسنہ، یہ رسالہ کسی جدید تعارف کا محتاج نہیں، چہ مبینہ کی مجبورانہ تعطیل کے بعد اب پھر نکلا ہے، اسکی گذشتہ خدمات اسلامی حلقوں میں فراموش نہ کی گئی ہوں گی، اس رسالہ میں عموماً اخلاقی اور صلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں، جس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ اپنے راقض ادا کرتا رہا ہے یقین ہے کہ اس جدید دور میں بھی وہ اُن سے قاصر نہ رہیگا، اسکا حصہ نقد، عیوب مراعات سے ہمیشہ پاک رہا ہے، واقعات حاضرہ کے متعلق اسکی رائے ہمیشہ بنے لاگ رہی ہے، پہلے میرٹھ سے شائع ہوتا تھا اب دہلی (بازار جمعی والاں) سے شائع ہوتا ہے، قیمت قسم اول سے (۳۲)، قیمت قسم دوم ۴۰

زمانہ کا پیور، یہ رسالہ بھی اپنی گذشتہ شاندار خدمات کے لحاظ سے محتاج تعارف نہیں، ایک زمانہ میں اردو کے ادبی رسائل میں اسکا شمار سب سے اول تھا، اسکے بعد بعض حالات کی وجہ سے کمی قدر اپنے رتبہ سے گر گیا تھا، مگر اس جدید دور میں یہ بوڑھا پہلوان بھی نئے تیور کے ساتھ میدان میں اُتر رہا ہے اسید ہے کہ اگر منشی دیا زائن صاحب نگم کی توجہ آزاد نے سبب نہ کر لی تو رسالہ اپنی پہلی شان دوبارہ حاصل کر لیگا، ادھر جو پرچے نکلے ہیں اُن میں اردو نظم و نثر کا عمدہ نمونہ پھر فراہم کیا گیا ہے، اسکے افسانہ کا حصہ ہمیشہ پسندیدہ رہا ہے، بعض اقتصادي مضامین بھی اس نے قابل قدر شائع کئے ہیں مرقعات زمانہ کے تحت میں جن سیاسی خیالات کا اظہار ہوتا ہے، شاید قوم پرست انکو پسند نہ کریں، لکھائی چھپائی

کاغذ عمدہ ہوتا ہے، ہر مہینہ میں متعدد تصویروں بھی ہوتی ہیں قیمت سالانہ للعمہ دفتر زمانہ کا پور،
الفاظ طامیہ، رنگی محل لکھنؤ کا علمی اور مذہبی رسالہ ہے جو کئی برس سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے
کبھی کبھی اس میں عمدہ مضامین نکلا کرتے ہیں، علمائے رنگی محل کے خیالات اور مجتہدات علمی کو دیکھنا
ہو تو اس رسالہ کو منگو ایے، قیمت پتہ: رنگی محل لکھنؤ،

محقق، دلی کے متعدد جدید رسائل میں ایک نیا رسالہ یہ نکلا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ مذہب کے
عقل و نظر کی میزان سے توڑیگا، پہلا پرچہ ہمارے پاس پہنچا ہے، اس سال کے نکلاست اور بارش پیدا
کیا آجکل دلی میں برسات کا موسم ہے۔

الواعظ، حیدر آباد دکن سے ایک نیا ماہوار مذہبی رسالہ نکلا ہے، مضامین نظم و نثر پسندیدہ
ہوتے ہیں، قیمت پتہ: دفتر واعظ، شاہ علی پٹہ حیدر آباد،

محزن، لاہور کا یہ پرانا دلی رسالہ جو تقریباً ۱۸ برس سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر ادبی
رسالوں کا پیرا دل ہے، یہ امر اسکے اولیات میں شمار ہوگا کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کو اسی نے سب سے
پہلے اور متوجہ کیا، اس وقت اردو کے اکابر اہل قلم مثلاً ڈاکٹر اقبال، میر خیزنگ، مولوی حسرت مہانی
ان کا جو ہر تحریر اسی کے ذریعہ منظر عام پر نمایاں ہوا،

شج عبدالقادر بی۔ اسے جب علما اس رسالہ سے علیحدہ ہو گئے، وہ اپنا قدیم وقار قائم نہ رکھ سکا
تاہم اسکی سخت جانی کی داد دینی پڑی کہ اس نے اس نا اتفاقی کے باوجود اپنی زندگی کو اس مدت دواز
ہمک قائم رکھا، مولوی تاجور نجیب آبادی کچھ عرصہ سے اسکے ایڈیٹر ہیں، اور ہم نہایت خوشی کے
ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ وہ محزن کی نشاۃ ثانیہ میں کامیاب کوشش کر رہے ہیں، اور اب محزن کا
شام دوبارہ زبانوں پر آ رہا ہے، اگر مضامین کے انتخاب میں ذرا اور احتیاط برتی جائے تو اسکی سطح کی
بمندی میں کوئی شک و شبہ نہ رہے، قیمت للعمہ پتہ: دفتر محزن لاہور،

مضامین

- (۱) شذرات مولوی عبدالمجید بی - ۱ - ۵۰۶ - ۵۱۰
- (۲) بعض فرق اسلامیہ مولانا عبد السلام ندوی ۵۲۱ ۵۲۱
- (۳) معاصرانہ چشمک جناب مدنی حسن صاحب فادی الاقتصادی ۵۲۲ ۵۲۱
- (۴) اصول تعلیم جناب ظفر حسین خان صاحب گورنمنٹ ٹریننگ کالج ۵۲۲ ۵۵۱
- (۵) سرسید کے چند خطوط ۵۵۲ ۵۵۵
- (۶) غزل فارسی مولانا عبد السلام ندوی ۵۵۴ -
- (۷) غزل فارسی مولوی ابوالحسنات ندوی ۵۵۶ ۵۵۴
- (۸) مساوات فاروقی مولوی حامد حسن قادری بچہ ایوینی (ایڈیٹر سعید) ۵۵۷ ۵۵۸
- (۹) غزل اردو جناب مرزا ثاقب قزویش لکھنوی ۵۵۸ -
- (۱۰) مطبوعات جدیدہ انقلاب دہلی (۵۵۵) مسلمانان انڈس قیام و نیست
- سیدس ہاروت و ہاروت - ۵۵۹ ۵۶۰

تصحیح - نمبر ۹ میں "سخن جیب" کے دو مصرعون میں جب ذیل تصحیح فرمائیں،

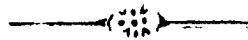
۱ - طبع نازک بے نیاز از قید رسم افتادہ است ،

۲ - آئین شعور کے مصحف ثانی میں "درد دل" کی بجائے درد دل چاہیے۔

نشست

از مولوی عبدالمجیدی اے

حال میں مسز انی بسنٹ کے مشہور روزانہ اخبار نیو انڈیا کے علیٰ جنبہ میں محمد ابراہیم صاحب کے قلم سے علامہ شبلی کے معرکہ آرا رسالہ کتخانہ اسکندریہ کا ملخص ترجمہ شائع ہوا ہے، مترجم صاحب کی کوشش بہر صورت قابل ستائش ہے، لیکن افسوس ہے کہ بچہ اختصار نے ترجمہ کو بے لطف بنادیا، جزمت ہوئی حیدرآباد کے ایک صاحب نے رسالہ مذکور کا پورا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا، جو اسی زمانہ میں شائع ہو گیا تھا، لیکن اُسے فطری پابندیوں نے خشک دے مراد بنادیا تھا، ضرورت اس کی کہ مترجم علی کی قابلیت کا کوئی شخص اسکے مطالب کو اپنے طرز پر انگریزی میں ادا کرے، جس میں ترجمہ کی جنگ ہو۔



بنگال کو ہندوستان کے دوسرے صوبوں پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے وہ محض سیاسیات کی بنا پر نہیں، محض اس بنا پر نہیں کہ اُس نے ہرجی، باسو، و سنہا پیدا کئے ہیں بلکہ علم و فن کے ہر شعبہ میں اسکا قدم سب آگے ہے، ہنگو رستہ بڑھکر اس وقت دنیا میں کسی شاعر کی شہرت نہیں، "فول پرار" جو ستادہ ظم و ادب کے لئے سب سے بڑا نمونہ سمجھا جاتا ہے، کئی سال ہوئے، انہیں بل چکا ہے، اور مشہور انگریزی پبشر میکملن کمپنی انکی تصانیف کا کافی راست (حق اشاعت) ایک ایک ڈیرہ ڈیرہ لاکھ معاوضہ دیکر خریدتی ہے، اس تارادست بنگال ہی کی مشہور انگریزی شاعرہ ہوئی ہے، نرلوگون میں اس وقت ہر ہندو ناکہ چٹو پادھیال کی شاعرانہ شہرت کا آفتاب عروج پر ہے، بڑے سے بڑے انگریز ناقدین سخن اسکی داد دیتے ہیں، سربجے، ہی یوس نے طبیعیات و علم الحیات میں اس پایہ کے اکتشافات

کئے ہیں کہ کھسے اور تندرست تک کے نام اسکے سامنے ماند پڑ گئے ہیں، فن کیا (کمیسٹری) میں سر پی سی رائے کی تحقیقات و اجتہادات سے یورپ میں امتنا دیا جاتا ہے، ڈاکٹر برجندر ناتھ سیل کی فلسفیانہ عظمت یورپ کے اعلیٰ علمی حلقوں میں ستم ہے، آر سی دت اور پروفیسر جادونا تھ سرکار کی مورخانہ حیثیت کس کو انکار ہو سکتا ہے، اسی طرح ملک، ریاضی، ہیئت، منطق، اقتصادیات غرض ہر علم و فن کی مجلس میں فرزندان بنگال نے محض یورپ کے پہلو میں اپنی جگہ نکال لی ہے، لیکن کیا اس ساری آبادی میں کوئی مسلمان نہیں بتا؟ ہندو بنگالیوں میں اس درجہ و مرتبہ کے اگر سو دو سو افراد ہو چکے ہیں تو مسلمان بنگالیوں میں کم سے کم دس پانچ تو اس معیار پر پورے اترتے، لیکن کیا وہ ایک کا نام بھی لیا جاسکتا ہے؟ سنئے ہیں کہ بنگال کے مسلمان جو شہر و دولہہ، عزم و جذبہ فطری، حمیت و غیرت قومی میں اپنے ہم مذہبوں سے بہت آگے ہیں، کیا کسی پر جو شہر و باہمت و غیرت قوم کی دماغی سطح اس قدر ٹپت رہنا چاہیے؟



اردو جفقہ اول نظر میں کم مایہ معلوم ہوتی ہے، حقیقتہً اس قدر نہیں، اس ظاہری کم مائی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں اب تک پیشنگ (نشر و اشاعت) کا کوئی معتدل و باقاعدہ انتظام نہیں، یورپ میں یہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، سبکدوڑ بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیاں محض نشر و اشاعت مطبوعات کی غرض سے قائم ہیں جو شہر و اشاعت لکھنؤ کتب کو انکے مذاق کی مطبوعات سے برابر آگاہ کرتی رہتی ہیں، انگلستان کا نہایت مشہور دارالاشاعت ٹامس بک کلب ہے، اسکا دعویٰ ہے کہ وہ انگریزی زبان کی ہر کتاب کو خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ میں چھپی ہو جیسا کر سکتا ہے بشرطیکہ دنیا میں اسکا وجود کہیں باقی ہو، اس سے بھی بڑھکر اس نے یہ سہولت پیدا کر رکھی ہے کہ جس فن سے ذوق ہو اسکی اسے اطلاع دیدیجائے اور وہ اس موضوع کے متعلق تمام مطبوعات کی ایک فہرست مع انکی قیمت اور مصنف کے نام وغیرہ کے بھیج دیکے کہ خریدایا اس میں سے خود انتخاب کر لے، اردو کے لئے بھی

جب تک بڑے پیمانہ پر کوئی دارالاشاعت نہ قائم ہوگا اس میں علوم کی ترقی نہیں ہو سکتی۔



ہمارے ہاں کسی تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بھی اگر یہ سوال پیش کیا جائے کہ اردو میں فن منطق پر کچھ کتابیں ہیں تو شاید ہر شخص اس کا جواب نفی ہی میں دے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اردو میں اس فن پر متعدد کتابیں موجود ہیں، ذیل میں چند کے عنوانات مع ان کے مصنفین طبع و اسماء مصنفین کے درج کئے جاتے ہیں:

کتاب	مصنف	سنہ و مقام طبع
کوائف المنطق	سٹرٹیجے اسکاٹ (بریلی میں پادری تھے)	۱۸۶۲ء کلکتہ
خلاصۃ المنطق	بابو دیپی پرشاد	۱۸۶۲ء کلکتہ
مبادی المنطق	مولانا ذریعہ احمد	۱۸۶۳ء دہلی
منطق قیاسی	بابو دین گوپال ایم۔ اے	۱۸۶۹ء لاہور
منہاج المنطق	محمد رضا خان	۱۸۷۰ء کلکتہ
منطق استقرائی	چودھری علی گوہر ایم۔ اے	۱۸۷۹ء لاہور
منطق استقرائی	پیر زادہ محمد حسین ایم۔ اے	۱۸۹۳ء لاہور

ان کے علاوہ ملک کے مشہور مشرقی کتب خانوں میں اور بھی متعدد کتابیں اردو میں منطق کی کتابیں ہیں لیکن ان کے وجود کا کسکو علم ہے؟ اس عام بغیر و لاعلمی کا اگر کچھ علاج ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ اعلیٰ پیمانہ پر ایک دارالاشاعت قائم کیا جائے۔



علوم و فنون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے مصنفین و اہل قلم کی قدر دانی کی جائے، ان کی تصنیفات کی سرپرستی ہو، اور انہیں گرانقدر وظائف و یکرمات کی جانب سے

مطئن کر دیا جائے، مشرق میں ہمیشہ اس طریقہ پر عمل رہا ہے، اور جمہوریت پسند و حریت دوست مغرب بھی اس دائرہ سے اب تک قدم باہر نہیں رکھ سکا ہے، انگلستان، فرانس، ہبرمنی ہر ملک میں کم و بیش یہ طریقہ اب تک جاری ہے، خود ہندوستان میں گورنمنٹ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر اس اصول پر عامل تھی، مولانا نذیر احمد کی اکثر تصانیف اسی دور کی یادگار ہیں، آزاد و حالی کی بھی بعض تحریریں اسی سلسلہ کی گویاں ہیں، لیکن ایک عرصہ سے یہ مدعا بآسرا کی بجٹ (تقدیم) سے نکال دی گئی، کیا اب گورنمنٹ کے نزدیک اردو کو اسکی ضرورت باقی نہیں، یا گورنمنٹ کے اہل علم اب اتنے جوہر شناس و علم دوست نہیں رہے جتنے پیشتر تھے؟ اس قدر تو یقینی ہے کہ مولانا نذیر احمد کی مبادی انکلمتہ پر جو تقریفات اس وقت کے ڈائرکٹر تعلیمات اور فٹنٹ گورنر نے تحریر کی تھیں، انکی توقع موجودہ اعلیٰ عہدیداروں سے ہرگز نہیں ہو سکتی



اسی زمانہ کے ایک خوش قیمت مصنف مولوی مظہر الحق مظہر ہیں، دلی کے باشندہ، پہلے شاید کسی اسکول میں ماسٹر تھے، پھر ایک رئیس کے اتالیق ہو گئے، اس لئے میں انھوں نے ایک کتاب مظہر المصنفین کے نام سے ترجمہ و تالیف کی، جس میں یورپ کے علوم و فنون و دیگر حالات کے متعلق تیس متفرق مضامین ہیں، کتاب کی ضخامت چھوٹی تقطیع پر دیرٹھ سو صفحہ کی ہے، نوعیت مضامین کا اندازہ عنوانات ذیل سے ہو سکتا ہے۔

(۱) غبارہ یا میلون، (۵) کتب خانہ ہاؤس یورپ،

(۲) خاصہ کمر بانی یا الکترسٹی، (۶) مقیاس لریج یا آلہ بیرومیٹر

(۳) آلات برقی، (۷) قوس قزح،

(۴) مرکز معلوم کیمرج یونیورسٹی، (۸) بجلی اور رعد وغیرہ،

کتاب معمولی درجہ کی تھی، لیکن حکومت کی سرپرستی اسے بھی حاصل ہو گئی، مصنف کو معقول صلہ ملا اور کتاب طبع ہوئی، اسکے دیباچہ میں مصنف صاحب اپنے ایک تذکرہ شعراء فارسی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

”دو ہزار شاعروں کی پانچ برس میں تالیف لکھی، جان کپائی تلاش کی، مصنف جانتے ہیں کہ فارسی شاعروں کی ایسی تالیف کسی نے نہ لکھی تھی، مگر قسمت کی بات ہے اسکا کوئی خریدار نہوا، ایک صندوق میں پڑی ہے، سچ تو یوں ہے کہ ردی ہے، اگر خدا نے چاہا اور کچھ سرمایہ بہم پہنچا تو خود ہی لکھونگا، گورنمنٹ کو بھیجوں گا، اسکے سوا کون قدر دان ہے۔“

کیا اسوقت بھی کسی اہل قلم کو گورنمنٹ سے وہ حق ملے ہے جسکا نمونہ فقرہ زیر خط میں نظر آتا ہے۔“

لہذا اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسوقت گورنمنٹ کا ارادہ اورو یونیورسٹی کے قیام کا تھا چنانچہ خود یہ کتاب بھی اسی سلسلہ میں لکھی گئی تھی، مصنف کہتے ہیں کہ جلوگ،

اپنی محسن سرکار کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ عنقریب انہیں علوم کی یونیورسٹی، زبان اردو بھی معترف ہوئی ہوگی ہے، لیکن یہ کام کچھ آسان نہیں، بڑا بھاری ہے، مدت چاہیے جب ان علوم کی کتابوں کا ترجمہ ہو، اس خیال سے اپنے ہم وطنوں کی بہبود کے لئے اور اس نظر سے کہ یونیورسٹی مذکور کی افانت ہو، احقر الحلائق الخ“

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جو خواب شمالی ہند میں ۱۸۵۷ء میں دیکھا گیا تھا اسکی تعبیر پچاس سال کے بعد آگن میں پوری ہوئی نظر آرہی ہے،



مقالات

اسلام میں مختلف فرقوں کی نشوونما

اور

اسکے علل و اسباب

از مولانا عبد السلام ندوی

خیالات اگرچہ نہات خود مادی نہیں لیکن وہ مادیات کے سلسلے سے الگ نہیں ہیں، ہمارا دماغ جو خیالات کا گہوارہ ہے وہ خود مادیات سے گھرا ہوا ہے، اسلئے ذروں کی جنبش، ہوا کی حرکت اور یا کی موج، مناظر طبیعیہ کی دلفریبی، قوس و قزح کی بوقلونی، تنوار و ن کی جنبکار، غرض دنیا کی ایک ایک چیز ہمارے دماغ میں ایک غیر محسوس نمونہ لگاتی ہے، اور اس سے خیالات کی جولہریں اٹھتی ہیں وہ مختلف علوم، مختلف تفائید، اور مختلف مذاہب کی صورت اختیار کر کے بحر بیکران بنجاتی ہیں، یونٹن کا مسئلہ جذب و کشش کتنا عظیم اُشان اور کتنا قیمتی غیر مسئلہ ہے، لیکن اسکا رگ دریشہ صرف انکو ر کے ایک خوشہ کے ساتھ وابستہ ہے،

یونان اور ہندوستان دونوں کی سرزمین نے بکثرت دیوتا پیدا کئے، لیکن یونان کے دیوتا اکثر حین، اُخبر و اور نرم جو ہوتے تھے، کیونکہ وہ ان کے دلفریب مناظر اسی قسم کے لطیف مذہبی تخیل کو پیدا کر سکتے تھے، لیکن ہندوستان کے دیوتا سخت مہیب خوفناک اور ڈراؤنی شکل میں نمودار ہوئے، کیونکہ میان کے عظیم اُشان میدانوں، جنگلوں اور پہاڑوں کے قطار سے دماغ میں اسی قسم کے ہمایاک خیالات پیدا ہو سکتے تھے، دنیا میں جو لوگ کسی مذہبی عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں، انکا دماغ بھی مختلف اسباب سے انکے قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہتا ہے، مثلاً شیعہ مذہب کو سب سے زیادہ ایران میں فروغ حاصل ہوا، ابابو مذہب کے بانی اور اسکے پیرو سب سے پہلے ایران میں پیدا ہوئے، لیکن اسکا اصلی

سبب کیا تھا؟ اسکو یورپ کے مشہور مشرق ڈاکٹر براؤن کی زبان سے سنا چاہیے، وہ اپنی کتاب
نقطۃ الکاف میں لکھتے ہیں،

ایرانیان کہ از قدیم الایام ہمارے اعتقاد باینکہ سلطنت سو بیٹے الہی است در ذہن ایشان

را خشنود بود، و از عہد ساسانیان متاد بودند باینکہ پادشاہان خود را موجودات فوق بشری
و چیزے شنیعہ بالہ محسوب دارند (چنانکہ شاپور اول یعنی شاپور بن اردشیر باکان و کتہا خود را
سوس (خدا) و اہامی نامد، طریقہ شنیعہ در مسئلہ امامت بالضرورت خیلے مناسب طبع ایشان
می نمود، این است کہ کم کم مذہب شنیعہ در ایران رواج یافتہ خطہ ایران مرکز و پناہ گاہ این شنیعہ
از اسلام گردید، شنیعہ نیز فرق مختلفہ می باشند، بعضی آنکہ کہ ائمہ را نقطہ محصور می دانند بدین
ازین پایہ بالاتر روند، بیکر باین اکتفا کردہ ایشان را دارائے بعضی از فوت اتی یا آنکہ ظاہر
خداوند تعالی سیدانند و این طائفہ باسم غلاہ معروف اند۔ غلاہ نیز چندین فرقہ بودہ اند کہ در
جزئیات باہم اختلاف داشتہ اند، دے بقول محمد بن عبدلکریم شہرستانی در ملل و نحل معتقدات
ایشان ازین چار طریقہ بیرون بودہ است، تناسخ، شنیعہ، یا حلول رحبت بناء شنیعہ یعنی
پیردان شیخ احمد حسائی را در جز این طریقیہ اخیرہ باید محسوب نمود، بنا بر این اصل در شنیعہ طریقیہ
بایہ را در بین معتقدات و طریقیہ شنیعہ باید جستجو نمود، اصول عقاید شنیعہ از قرار ذیل است۔

- (۱) ائمہ اثنا عشر یعنی علی با یازدہ فرزندش مظاہر تہی و دارائے فوت و صفات الہی بودہ اند۔
- (۲) از انجائییکہ امام دوازدہم در سلسلہ از انظار غائب گردید و فقط در آخر الزمان ظہور فرماید
برائے اینکہ زمین را پر کند از قسط و عدل بعد از آنکہ پر شدہ باشد از ظلم و جور، و از انجائییکہ پیغمبر
و انما بہ ہدایت و ولایت او محتاج باشند و خداوند بمقتضای رحمت کاملہ خود باید رفع حوائج
مردم بنماید و امام غائب را در محل دسترس ایشان قرار دہد بنا علی ہذہ المقدمات

ہمیشہ باید باین مومنین یک نفر باشد کہ بلا واسطہ یا امام غائب اتصال و رابطہ داشتہ با سبط فیض بین امام و امت باشد و این چنین شخص را با صہ طلاح ایشان شیعہ کامل گویند۔

شیخ احمد اسائی و بعد از حاجی سید کاظم رشتی در نظر شیخہ شیعہ کامل و واسطہ فیض بودہ اند۔ بعد از فوت حاجی سید کاظم رشتی در ۱۲۰۷ھ ابتداً معلوم ہو کہ جانشین دس مینی شیعہ کامل پیدا از کوہ خواہد بود و سہ طول کشید کہ دہ مدتی بر اسے این مقام پیدا شدہ نیکے حاجی محمد کریم خان بکرمانی رئیس کل شیخہ متاخرین گردید و دیگر مرزا علی محمد شیرازی کہ خود را بلقب باب بخواند مفہوم د مقصود از این کلمہ تقریباً جان منی بود کہ از شیعہ کامل ارادہ می شد،

لیکن شیعہ اور بابیہ کے علاوہ اسلام میں اور بھی متعدد فرقے پیدا ہوئے، اور انھوں نے مختلف عقاید و مسائل ایجاد کئے، اسلئے اگر ان عقاید و اعمال کی تاریخ جدید طرز پر مرتب کرینی ہے تو ہر جگہ نہایت دیدہ ریزی سے تپہ کھانا چاہیے کہ یہ فرقے کن اسباب سے پیدا ہوئے؟ کن اسباب سے لوگوں نے انکے خیالات قبول کئے؟ کن لوگوں نے انکی تائید کی؟ کن اسباب سے وہ ایک خاص زمانہ میں پیدا ہوئے؟ اور ان تمام پیروں کا اسلام کی تاریخ پر کثیت مجموعی کیا اثر پڑا؟ یہ سچ ہے کہ ان فرقوں کی تعداد اور انکی شاخیں اس کثرت سے ہیں کہ اگر ہر ایک کے عقاید و مسائل پر ان جہتیتوں سے بحث کیجائے تو ہر کو کا سیلابی بہنیں ہونگی، تاہم مالا بدٹ کلمہ لا بد تو کلمہ کے لحاظ سے اس دھچپ بحث کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

تولیہ یا تناسخیم [شیعہ فرقہ اگرچہ اس عقیدہ کی بنا پر پیدا ہوا کہ خلافت صرف اہل بیت میں نصاً محدود اور کوئی دوسرا شخص پیغمبر کا جانشین نہیں ہو سکتا لیکن آگے چل کر یہ عقیدہ مختلف مظاہر میں نمایاں ہوا، غلاۃ کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو حضرت علیؑ اور دوسرے ائمہ کو خدا یا منظر خدا تسلیم کرتا تھا، یہ فرقہ جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوا انکی نسبت علامہ شہرستانی عل و عل میں لکھتے ہیں،

”غالبہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ائمہ کے حق میں غلو کیا یہاں تک کہ انکو مخلوقیت کی حد سے نکال دیا، اور ان پر خدا کے احکام لگائے، ان لوگوں نے کبھی کسی امام کو خدا سے تشبیہ دی اور کبھی خدا کو مخلوق سے، انکے یہ شبہات طلویہ، تناسیخہ اور یہود و نصاریٰ کے مذاہب سے پیدا ہوئے کیونکہ یہود نے خالق کو مخلوق سے اور نصاریٰ نے مخلوق کو خالق سے تشبیہ دی، میں یہ شبہی غلاۃ شنیعہ کے ذہن میں سرایت کر گئے، یہاں تک کہ انہوں نے بعض ائمہ پر خدا کے احکام لگا سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے جو یہودی تھا اس قسم کا خیال پیدا کیا، اور دوسرے یہودی یعنی عبداللہ بن سودا نے اسکی تائید کی،

ان دونوں کا مقصد اگرچہ عیساکہ علامہ ابو منصور نے کتاب الفرق بن الفرق میں تصریح کی ہے یہ تھا کہ مسلمانوں میں بھی حضرت علی اور انکی اولاد کے متعلق وہی مذہبی عقیدہ قائم کر دیں جو عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت قائم ہو چکا تھا، لیکن انکے چل کر اس عقیدہ نے تالیف اسلام میں متعدد پولیٹیکل پیچیدگیاں پیدا کر دیں، ابو سلمہ اصفہانی اسی قوت کی بل پر بنواسیہ کے مقابلہ میں کھڑا ہوا، اور چونکہ اس عقیدہ کے قائل تھے انہوں نے اسکی اعانت کی، شیبان بن سلمہ الحارثی کی نسبت کتاب الفرق بن الفرق میں لکھا ہے،

واعان ابامسلم علی اعدائہ فی حرقہ
وکان مع ذلک یقول بتشبیہ اللہ بنی الخلفۃ
اس نے ابو سلمہ کو اسکے دشمنوں کے مقابل میں مدد دی
اور اسکے ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ خدا اپنی مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے
خلفائے عباسیہ جو اس عقیدہ کے سیاسی خطرات سے واقف تھے، اس قسم کے لوگوں کو کبھی ابھرنے نہیں دیتے تھے، منصور نے ابو سلمہ کو اسی بنا پر قتل کر دیا کہ وہ خود اس خدائی طاقت کی بنا پر مستقل سلطنت کا دعویدار ہو سکتا تھا، خراسان میں یوسف البرم نامی اسی قسم کا ایک شخص پیدا ہوا اور بہت سے لوگوں کو اپنا متبع بنالیا تو محمدی نے فوج کے ذریعہ سے اسکو گرفتار کر لیا اور پانسی دیدی، اسی زمانہ میں

مستغنی نے نبوت کا دعویٰ کیا، بہت سے شہدے دکھائے اور تنازع کا مدعی ہوا، حمدی نے اسکا بھی
 اتصال کر دیا، انقسم کے زمانہ میں بابک نے اسی قسم کی قوت کا اظہار کیا اور وہ بھی قتل ہوا۔
 بادشاہ کی انتہائی طاقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی شکل میں نظر آئے، لیکن خلفائے عباسیہ
 چونکہ اس عقیدہ کی سیاسی پیچیدگیوں سے واقف تھے اسلئے جو لوگ انکو خدا بناتے تھے وہ انکو بھی ناپسند
 کرتے تھے، ایک بار خراسان سے بہت سے معتقدین تماشہ آئے اور منصور کے محل کے گرد گھوم گھوم کر
 کہنے لگے کہ ”یہ ہمارے خدا کا محل ہے“ منصور سخت برہم ہوا، اور چونکہ اسوقت محل میں کوئی سواری تھی
 پیادہ پانچواں، عام اعلان کیا گیا اور ان میں چہ سو آدمی قتل کر دیئے گئے۔

اس عقیدے کے سیاسی خطرات کے پیش نظر کہنے کے بعد تاریخ علم کلام کے بہت سے
 عقدے خود بخود حل ہو جاتے ہیں، فرق اسلامیہ میں صرف معتزلہ کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو خدا کو
 ہر حیثیت سے منزہ مانتا ہے، اس بنا پر انکا مذہب عقیدہ تشبیہ و حلول کے بالکل مخالف ہی چنانچہ
 علامہ شہرستانی محل و محل میں لکھتے ہیں،

وكان التشبيه بالأصل والوضع في الشيعة
 وانما عادت الى بعض اهل السنة بعد ذلك
 وتمكن الاعتزال فيهم لما راوا ان ذلك اقرب
 الى المعقول وابتعد عن التشبيه والحلول له
 ورسائل تشبيه کا عقیدہ شیعوں تک محدود تھا، بعض
 اہل سنت میں یہ عقیدہ بعد میں پیدا ہوا، اہل سنت میں
 اعتزال کو رسوخ حاصل ہوا کہ انکے نزدیک یہ عقیدہ
 عقل سے فریب اور تشبیہ و حلول سے بعید تھا۔

اہل سنت والجماعت میں خلفائے عباسیہ نے اعتزال کی جو تائید کی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ
 عقیدہ تشبیہ و حلول کی بنیاد سرے سے اکھڑ گئی، اور جو سیاسی پیچیدگیاں اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں
 وہ پیدا ہونے پائیں۔

معتزلہ نے نفی صفات کا مسئلہ جکا جھل یہ ہے کہ خدا کی ذات میں الگ الگ صفات نہیں پائے جاتے، بلکہ اسکی ذات ہی تمام صفات کا مظہر بن جاتی ہے، اس غرض سے ایجاد کیا تھا کہ تقدیر اللہ یا تقدیر خدا کی نفی کی جائے، لیکن چونکہ اس عقیدے سے مسئلہ حلول خود بخود باطل ہو جاتا تھا، اس لئے خلفائے عباسیہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکی تائید کی، علامہ شہرستانی نے مل و نخل میں لکھا ہے -

ونصرہم جماعۃ من بنی امیۃ علی قولہم بالقدر اور بنو اسمیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ قدر میں انکی وجہاً من خلفاء بنی العباس علی قولہم تائید کی اور خلفائے عباسیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ نفی صفات اور خلق قرآن کی حمایت کی -

خلفائے بنو اسمیہ نے مسئلہ تقدیر کی تائید میں سیاسی مصالح کی بنا پر کی اسکی تفصیل آگے آئیگی، لیکن خلفائے عباسیہ نے مسئلہ نفی صفات و خلق قرآن کی جو حمایت کی اسکا مقصد صرف عقیدہ تشبیہ و حلول کا قلع دق کرنا تھا جو انکے نزدیک سلطنت کے لئے خطرناک تھا -

فرقہ خرمیہ | اسلام سے پہلے نو شیروان کے عہد میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو مردکیہ کے نام سے مشہور تھا ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر چیز مباح ہے، کوئی چیز ناجائز نہیں، تمام لوگ ذر، زمین اور زمین میں شریک مساوی ہیں، ایک شخص نہایت آزادی کے ساتھ دوسرے کی دولت، جائداد اور بی بی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، روس میں باشتویرم کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم ہوئی ہے،

اسلام میں بھی اسی قسم کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو خراسان، رے، ہسٹمان، اور بائجان، کرخ، ابی دلف، دور، در بجان، ہروان، مہرہ، ماسندان اور ان اطراف کے تمام دیہات اور قصبہ میں پھیل گیا -

اس فرقہ کی دو قیمیں تھیں، بائیکہ اور مازیارہ، اور دونوں کے دونوں عمرو کے لقب سے

مشہور تھے، فرقہ بایکیم، بابک خرمی کا پیرو تھا، جو آذربائجان کے ایک کومستانی علاقہ میں پیدا ہوا اور اسقدر مطلق امن میں اور فتنہ پروازی شروع کی کہ خلفائے بنو عباس کو تقریباً ۲۰ برس تک اسکے مقابلہ میں مصروف کارزار رہنا پڑا، بالآخر معقم کے عہد میں اپنے بھائی اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ گرفتار ہوا اور پانسی پائی، مازیاریہ، مازیار کے پیر تھے، جس نے جرجان میں اس عقیدہ کا اظہار کیا، اور وہ بھی معقم کے زمانہ میں گرفتار ہو کر مصلوب ہوا۔

تمام دنیا کی عیدوں کو مہوتی ہے، لیکن فرقہ بایکیم اپنی عید ایک مخصوص رات میں کرتا تھا جہاں مرد اور عورت دونوں جمع ہو کر شراب پیتے تھے، گاتے تھے، اور جب زن و مرد کا کامل اجتماع داخل ہوتا تھا تو چوڑی بجھا دیا جاتا تھا، اور جو عورت جسکے ہاتھ میں آجاتی تھی وہ اس سے متنع ہوتا تھا۔
بظاہر یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ فرقہ خواجہ حافظ کے فلسفہ عیش و سرور کی عملی تفسیر کرتا تھا جنہوں نے یہ تعلیم دی ہے،

روزِ مہکت خویش خسروان مانند گداسے گوشہ نشینی تو حافظ مخدومش

لیکن اوپر جو تفصیل گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسکی حوصلہ آزمائی کے لئے رع فراغت و کتابے و گوشہ نشینی کے علاوہ میدان کارزار کی بھی ضرورت تھی، کیا اسلام میں ایسی قسم کے عیش پرست لوگ پیدا ہو سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی علاوہ شیعہ میں فرقہ علویہ یا تنہا سنیہ میں شامل تھا، ان لوگوں کا خیال تھا کہ جو لوگ امام سے ربط و اتصال پیدا کر لیتے ہیں وہ شریعت کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو جاتے ہیں، یہی خیال تھا جو انکو تمام سماجی و منکرت کے ارتکاب کی جرأت دلاتا تھا، چنانچہ علامہ شہرستانی مل و نخل میں لکھتے ہیں،

وتناول قوله تعالى ليس على الذين آمنوا و
عملوا الصالحات جناح فيما طعموا الآية على
ان من وصل الى الامام ارتفع عنه الحرج
في جميع ما يطعم وصل الى الكمال والبلوغ
وغه نشأت الخرمية والمزكية بالعراق
استاذ ابو منصور عبد قاهر بن طاهر بن محمد البغدادي كتاب الفرق بين الفرق من لکھنؤ میں :-

فاما غلاتهم فلا دين قالوا لا الوهية الاثمة وابا
حواحج حركات الشريعة كالبيان والمغيرية
والجناحية والمنصورية والحجابية و
الحلولية ومن جرائمهم فها هم من
فرق الاسلام وان كانوا متبين اليه

لیکن انکے وہ غلام جو ائمہ کی الوہیت کے قائل ہوئے
اور حرکات شریعت کو مباح کر لیا، اور فرائض فرائض کو
ساتھ کر دیا، جیسے بیانہ، مغیرہ، حجابہ، منصوریہ،
خطابیہ، حلویہ، اور انکے مثل اور لوگ تو یہ اسلام کے
فروق میں نہیں ہیں اگرچہ انکی طرف منسوب ہیں۔

اسی بنا پر جب ان مظاہر خدا میں کوئی مظہر انکی نگاہ سے غائب ہو جاتا تھا تو ان لوگوں میں
سخت اضطراب پھیل جاتا تھا، خراسان میں ابو مسلم کے قتل کی خبر پہنچی تو یہ لوگ سخت مضطرب ہوئے
اور اس اضطراب کی حالت میں کسی نے کہا کہ وہ جب تک عدل و انصاف کا منارہ بلند نہ کرے نہ مر سکتا
نہ مرا ہے، کسی نے اسکی موت کو تسلیم کیا اور اسکی مٹی فاطمہ کو امام بنایا۔ اس لحاظ سے یہ لوگ بھی سلطنت
کے لئے اسی قدر خطرناک ہو سکتے تھے جقدر فرقہ حلویہ یا تناسخیہ خطرناک تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفائے
انکے استیصال کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی، اور انکے صنادید کو نہایت بیدردی کے ساتھ
قتل کیا تاہم تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں بکثرت زنا و فحشاء و ملاحہ پیدا ہوئے

اور انکو خلفاء نے قتل کرادیا، ہمدی کے زمانہ کے نزدیک ضرب المثل ہیں، ہمدی کے زمانہ میں نادوتا
ایک گروہ تھا جو مسلمانوں کو طواف کی حالت میں دیکھ کر کہتا تھا کہ یہ لوگ جانوروں کی طرح کہیدان میں
چکر لگا رہے ہیں، ہمدی نے ان سب کی تجو کی اور ان میں ایک جماعت کو قتل کرادیا۔ ان واقعات کو
پڑھ کر لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان ملاحدہ کو فلسفہ اور مذہبی آزادی نے پیدا کیا ہوگا، لیکن
درحقیقت یہ لوگ یا تو فرقہ خرمیہ میں شامل تھے یا ان پر اس فرقہ کا شبہ ہوتا تھا، اسلئے وہ پائیکس کی
زدین آکر تہ تیغ ہو جاتے تھے، درنہ خلفاء عباسیہ نے فلسفہ اور فلسفہ کے نتائج کو کبھی ہمدیہ نہیں پایا
فرقہ باطنیہ جس طرح شراب پینے سے رگون میں نہایت سرعت کے ساتھ خون دوڑنے لگتا ہے۔
اسی طرح یہ فرقہ تمام دنیاے اسلام میں اس سرعت کے ساتھ پھیلا کہ اسلام کے قالب میں مشرق سے
بیکر مغرب تک دفعتاً یہ زہر سرایت کر گیا، سب سے پہلے اس مذہب کو ایک جماعت نے قائم کیا جنہیں
محمد بن حسین بذبذبان، اور میون بن دیصان خاص طور پر مشہور ہیں، یہ دونوں عراق کے حیلخانہ میں
قید تھے، اور اسی میں اس مذہب کی بنیاد ڈالی، اور قید خانہ سے نکل کر بذبذبان نے اس مذہب کی
دعوت کا آغاز کیا، مورخین کے بیان کے مطابق اس دعوت کا ظہور مامون کے عہد میں ہوا اور منقسم کے
زمانہ میں وہ عام طور پر پھیلی، یہاں تک کہ خود آفشین جو منقسم کی فوج کا سپہ سالار تھا، اس مذہب میں
داخل ہوا اور بابک خرمی کے اتباع بھی اس میں شامل ہو کر باہم مدغم ہو گئے، یہ یاد رہے کہ خلافت
عباسیہ میں عجمیت کو جو رسوخ حاصل ہوا تھا اسکا بھی عہد شباب تھا، فرقہ باطنیہ کا جادو خصوصیت کے
ساتھ جن لوگوں پر چلا وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) عوام، ان پرٹھ، اور جاہل لوگ مثلاً بنعلی، کردی اور مجوس کی اولاد،

(۲) فرقہ شوبیہ جو عجم کو عرب پر ترجیح دیتا تھا اور یہ تمار کہتا تھا کہ سلطنت پھر عجمیوں کو واپس مل جائے،

۳۔ نور بیہ جکا دل قبیلہ مضر پر اسلے جتنا ہتا کہ پیغمبر اسلام کا ظہور انہی میں سے ہوا، اسی رشک و حسد کی بنا پر جب سیدہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو بنو حنیفہ سپر ایمان لائے، تاکہ جسطرح قبیلہ مضر میں ایک پیغمبر پیدا ہوا اسی طرح نور بیہ میں بھی ایک پیغمبر پیدا ہو جائے۔

فرقہ باطنیہ کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے، علامہ ابن صاعد اندلسی کی تصریح کے مطابق وہ قدیم فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ انہوں نے طبقات الامم میں جہان بند قلیس کا تذکرہ کیا ہے وہاں لکھتے ہیں،

وطائفة من الباطنية تنهى الى حكمته وعظم
ان له رموزا قلمها يوقف عليها فان حمدا
برعبد الله بن مرام الجبلي الباطني من
اهل قوطبة كلفا بفلسفة د و باعلى
باطنية کے ایک گروہ کا سلسلہ اسی کی حکمت تک منتهی
ہوتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے چند رموز ہیں جن سے
ہر حکم و اقیقت حاصل ہو سکتی ہے محمد بن بلال بن مرہ الجبلی
الباطنی جو قوطبہ کا رہنے والا تھا اس کے فلسفہ کا واندادہ تھا اور
ہمیشہ اس کا درس دیا کرتا تھا۔

یہ لوگ چونکہ قرآن، زبور، تورات اور انجیل وغیرہ میں شکوک پیدا کرتے تھے اور حشر و نشر و ملائکہ
وغیرہ کے منکر تھے، اسلے بعض شکنجہ کا خیال ہے کہ وہ دہریت کے قائل تھے، چنانچہ استاد ابو منصور
بن ہادی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھتے ہیں،

وفي هذا الذي ذكرناه دلالة على ان
غرض الباطنية القول بمذاهب الدهرية
وامتناع المحرمات وترك العبادات،
یہ تمام باتیں جو ہم نے بیان کیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ
باطنیہ کا متعدد دہریت اور محرمات شریعہ کی باجمت
اور عبادات کا چھوڑنا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ صابی المذہب تھے کیونکہ حمدان قوطب جو یمون بن یحسان کے

بعد اس مذہب کا داعی ہوا، حرائک صابئی تھا، اور حرائک کے صابئی اپنا مذہب کسی پر ظاہر نہیں کرتے اور یہی حال باطنیوں کا بھی ہے۔

فرقہ باطنیہ نے بھی فرقہ خرمیہ کی طرح احکام شریعت کے متعلق مطلق العنانی اختیار کی تھی اسلئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ فرقہ خرمیہ سے الگ نہیں ہے، مسعودی نے مردج الذہب میں لکھا ہے کہ فرقہ خرمیہ کو خراسان میں باطنیہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اسکی تولید کا اصلی سبب یہ ہے کہ جو قدیم قوانین کسی جدید مذہب میں داخل ہوتی ہیں انکے دلوں میں مدتوں انکے مذہب، انکی سلطنت اور انکے تمدن کی یاد تازہ رہتی ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے مذہبی احکام و روایات کو اس جدید مذہب میں شامل کرنا چاہتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں:

اور مذہبی تحریف کے اسباب میں ایک سبب ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ساتھ اسطرح مدغم ہو جاتا ہے کہ دونوں باہم تماکز ہوں یہ اس وجہ سے کہ جب ایک انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے اور انکے دل میں اس طبقہ کے علوم تنگن ہو جاتے ہیں پھر وہ مذہب اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسکے دل کا میلان اس قدیم مذہب اور قدیم علوم کی طرف رہتا ہے، اس لئے اسکے اس مذہب میں کوئی وجہ چاہے وہ ضعیف ہو یا موضوع تلاش کرتا ہے اور بسا اوقات ضوع روایت اور وضع کو بھی اسکے لئے جائز رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ بنو اسرائیل کا مذہب ہمیشہ متبدل حالت میں قائم رہا، یہاں تک کہ ان میں فونڈی زادے پیدا ہوئے، اور انھوں نے اپنی رائے سے باتیں بھالیں اسلئے خود گمراہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو گمراہ کیا اسی بنیاد پر ہمارے مذہب میں بنو اسرائیل کے علوم، خطبائے جاہلیت کی تذکیر، یونان کی حکمت، اور بائبلوں کی دعوت اور پارسیوں کی تالکج اور نجوم رمل اور کلام اسی بنیاد پر داخل ہوا۔ باقی

اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان میں اتنا بڑا عالی دماغ موجود ہے، اسی طرح ان دونوں صاحبوں کی سیاسی اور قومی خدمات بھی میرے موضوع کے لئے حیثیت اضافی رکھتی ہیں، لیکن یہ بات بھولنے کے لائق نہیں ہے کہ جہاں تک سرسید کی ادبی تبلیغ کا تعلق ہے یہ دونوں گویا ان کے دست و بازو تھے، سرسید کے ساتھ محسن الملک کی نوک جہنم ادبی راز و نیاز جب کا ایک خاکہ مراسلات دلچسپ میں دکھایا گیا ہے اور جبکہ عالمانہ اور سخن گسترانہ خواہد ”مرحوم تہذیب الاخلاق“ کے سیزدہ سالہ فائل میں بکثرت ملین گئے، فتوحاتِ ادب کا بہترین سرمایہ ہیں، جن پر مستقلاً اظہارِ خیال کی ضرورت ہے، میرے موضوع کے صفحات محدود ہیں ان کے پھیلانے کی گنجائش نہیں بیان صرف چشم سخن کے اشارہ پر قناعت کرنی ہوگی، بہر حال کس کسکو یاد کروں، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، ذکا، اللہ، نذیر احمد، حالی، شبلی وغیرہ وغیرہ سبھی سبجائی محفل تھی جو دیکھتے دیکھتے درہم برہم ہو گئی، ”سرسید کی بزمِ ادب“ ایسا وسیع موضوع ہے کہ اگر مولوی وحید الدین سلیم نے اپنی عمر ضائع نہ کی ہوتی اور سرسید اور ان کے رفقاء کے ساتھ جو دانشگاہی انگوٹھی ہے اور جبکہ آثار ”معارف“ کے نقشِ اول میں باخراہ موجود ہیں، وہ افسانہ یارانِ کمن کی حقیقت سے ایک ضخیم الادراق اور نہایت دلچسپ کتاب طیار کر سکتے تھے، اگر یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کی اخلاقی فوقیت کا راز دراصل اسکی پاکیزہ سوسائٹی میں مضمر ہوتا ہے تو سیر الصحابہ کی طرح علیگڑھ کی یہ آخری بزمِ ادب ہمارے لئے وقت کی چیز اور نتیجہ خیز رہتی،

غیر، ان تصریحات کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹے، سرسید نے ہمیشہ معاصرینِ ادب کی حوصلہ افزائی کی، انکی بااثر شخصیت خلوصِ تصرف کے ساتھ دوسروں کی قلبِ ماہیت کرتی رہتی تھی، شبلی نے مولویت، علیگڑھ میں پہنچ کر جھوڑی، انکے خیالات کی کایا پلٹ، مذاقِ تصنیف اور وسیع النظر غرض یہ جو کچھ ہوئے سرسید کے دامنِ تربیت کا اثر تھا، شبلی نے الامون کا دوسرا اڈیشن جب شائع کیا ہے تو سرسید نے جس غلوں کے ساتھ اس پر دیا چہ لکھا وہ کچھ بھی انکی شرافتِ ادبی کا پتہ دیتا ہے،

اسی طرح حالی کی نچرل شاعری خیالات کے لحاظ سے سرسید کے فیضِ محبت کی ممنون ہے، ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ حالی کی روشِ جدید نے پروفیسر آزاد کی ڈالی ہوئی داغ بیل یعنی آنکے نتائجِ فکر سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جھکوتا ریختی حیثیت سے کم سے کم ادیت کا شرف حاصل ہے، مختصر یہ کہ متاخرین ادب کے ساتھ سرسید کا درجہ مناسبہ صرف مریدانہ تھا اسلئے ایسی باوقار سب سے چشمک تو فیروسی کسرات بھی بشکل ہاتھ آئیگی،

پروفیسر آزاد اسقدر بند خیال اور اسادانہ دل دماغ رکھتے تھے کہ انکے ہاں بھی جہانگیر صاحبین کا تعلق ہے ”چشمک“ کا گذر نہیں، ایک واقعہ دلچسپ، اہل ذوق کی ضیافتِ طبع کے لئے نکلتا ہوں، لاہور میں پہلی دفعہ جب ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہوا تو پروفیسر آزاد زندہ تھے، گو داغ کسی حد تک متاثر ہو چکا تھا، نذیر احمد نے اس کے لئے گئے، حالی اور غائبانہ تہل بھی ساتھ تھے نذیر احمد کا لکچر ہونے والا تھا جو چپا ہوا انکے ہاتھ میں تھا، آزاد رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نذیر احمد نے یہ کہہ کر اس کے بڑا دیا کہ ایک نظر دیکھ لیجئے، کانفرنس میں پیش کرنا ہے، آزاد فوراً قلم سنبھال کر میٹھ گئے اور کاٹ چھانٹ شروع کر دی، نذیر احمد آزاد کی اس بے تکلفی سے اسقدر متاثر ہوئے کہ جوشِ محبت سے آہکینِ غم ہو گئیں، انکو قدرتی طور پر یہ خیال آیا کہ ابھی انکے دائرہ میں ایک شخص ایسا موجود ہے جو ایک ”بوزے“ کی مشقِ سخن پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

حالی بھی آزاد کی اسادی کا لوہا مانتے تھے، انکی مخلصانہ عقیدتِ کیشی کے لئے وہ تقریظ و تہنید دیکھئے جو ”آبِ حیات“ اور ”نیرنگ خیال“ پر حالی نے لکھی ہے، وہ جہنِ ضننا یہ طے کر دیا ہے کہ نچرل شاعری درہل آزاد کی صنعتِ فکر کا نقشِ اولین اور انکی ادبیات میں محبوب ہو چکے لائق ہے، حالی کہتے ہیں، ”نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، یعنی نثر پھر کے رقبہ کا طول و عرض بڑھ گیا، لیکن اسکا ارتقاء جہاں متادین رہا، یعنی اخلاقی سطح بہت اونچی نہیں ہوئی، لیکن آزاد کی

پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی نے یہ کمی پوری کر دی "نیز نگ خیال" کی بہت کچھ داد دی ہے، کیونکہ آزاد کے قلم نے "پہلے پہل جذبات انسانی کی تجسیم و تشخیص کی، اور معقولات کی تصویریں محسوسات کی شکلوں میں کھینچی ہیں، اور خصائل انسانی کے فطری خواص ایسے موثر اور دلکش پیرایہ میں بیان کئے ہیں جن سے اردو لٹریچر اب تک خالی تھا۔"

شبلی بھی آزاد کا ادب کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے، "آزاد اُدوسے مٹلی کا ہیرو ہے، اسکو کسی ہمارے کی ضرورت نہیں، وہ اصلی مسنون میں ایک زبردست انشا پرداز ہے،" تاہم ایک ہلکی سی جھلک یحییٰ، ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیزنگ خیال میں جاگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے، اس کے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا، وہ خود نشہ میں چورتا، ایک عورت صاحب جمال (نور جان) اسکا ہاتھ پکڑے آتی تھی، اور ہر چاہتی تھی پھر آتی تھی، وہ کچھ دیکھتا تھا، اس کے نور جمال سے دیکھتا تھا اور کچھ کہتا تھا اسکی زبان سے کہتا تھا، اس پر بھی ہاتھ میں ایک زرد کاغذ لکھا ہوا اور کاغذ قلم دہراتا یہ سوانگ دیکھ کر سب سکرے مگر چونکہ دولت اس کے ساتھ ساتھ تھی، اور اقبال آگے آگے اتہام کرتا آتا تھا، اسلئے بدست بھی نہیں ہوتا تھا، جب نشہ سے آنکھیں کھلی تھیں تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔"

"تزک جاگیر" کی ریویو میں شبلی فرماتے ہیں "اُدو دیکھیں اس جوٹ میں کچھ سچ بھی ہے، ہمارے انشا پرداز نے جاگیر کے کبھی کبھی ہوش میں آئینکا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اسکی کتاب تزک جاگیر اس کے بعد شبلی نے جو کچھ لکھا ہے ناقدانہ اور سخن گسترانہ ہے، یعنی بے ضرر جھلک کی ایک خوبصورت مثال جو عنوان زیر بحث کے تحت میں آسکتی ہے،

لے معارف: آزاد مرحوم کی وفات پر مولانا شبلی نے دارالعلوم کے صدر ہال میں جو لکچر طلبہ کے سامنے دیا تھا اسکا پہلا فقرہ یہ تھا، "آج اردو کا خدا سے سخن کر گیا"

”شعرا لہجہ“ میں زمانہ میں لکھی جا رہی تھی میں نے شبی کو توجہ دلائی کہ آزاد کی تالیف موجود پر گاہ کر کے جو موضوع مشترک پر نکلنے والی ہے، وہ سبھی میرا مطلب، ”سخندان فارس“ سے ہے ایک دوست کو لکھتے ہیں،

”آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ، لیکن الحمد للہ میرے شعرا لہجہ کو ہاتھ نہیں لگایا ہے“

”مجھے تحریر فرماتے ہیں، ”آزاد کی کتاب آئی، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہیں، تاہم ادھر ادھر کی گیمیں بھی ہانک دیتا تو وحی معلوم ہوتی لیکن خدا کا شکر ہے کہ گیارہ لکچر تک اس نے میری سرحد میں قدم نہیں رکھا، بارہویں میں یہ میدان میں آتا ہے، لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا، یونہی سرسری چکر لگا کر نکل گیا،“

میں نے لکھا، ”میری غرض، سخندان فارس سے نہیں بلکہ آزاد کے ”تذکرہ شعرا“ سے تھی، اس پر تحریر فرماتے ہیں، ”میں آزاد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تھا، لیکن آپ نے پھر ڈرا دیا، مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو اس مضمون پر ہاتھ نہ ڈالتا، یہ جزئیات جو دکھارہا ہوں خارج از موضوع نہیں ہیں، ان سے یہ پتہ چلیگا کہ شطرنج کی اصطلاح میں بباط ادب کے یہ شاطر مہرے آپس میں کس طرح کھتے ہوئے تھے۔“

نذیر احمد بھی تحقیق پسند نہیں تھے، انکی لے دے زیادہ تر سرسید پر رہتی تھی لیکن اسطرح کہ:

”وہ کہیں اور سنا کر سے کوئی“

خلوص تھا کہ حرف حرف سے پکڑتا تھا، طبیعت میں منقولہ رنگ غالب تھا اسلئے شروع شروع شروع سرسید کے اجتہادات سے انکو جھجک سی تھی جو رفتہ رفتہ گئی اور اس طرح گئی کہ سرسید کے عقیدت کی شان باصفائیں یہ کسی سے چھپے نہیں تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، یہ فراخ دلی جسکے

شواہد اس کے لٹریچر میں کثرت سے نظر آئیں گے اسرید تک محدود نہ تھی اور ہون کے ساتھ ہی
یہ معاملہ تھا، ایک آدھ واقعہ اشتہار دیا لیجئے،

علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں کانفرنس کی مقتدر جماعت کا اجلاس ہے، اطراف ملک سے
پڑھے لکھے اور رو دار لوگ آکر جمع ہوئے ہیں، خطیبانہ بلند آہنگی کے سلسلہ میں ایک آواز یوں
گونجا رہی ہے، ”میں نے کسی زمانہ میں عربی اچھی پڑھی تھی، اب تو ایسا ذہول ہو گیا کہ مولوی شبلی
ایک صیفہ پوچھ بیٹھیں تو نفلین جاکنی پڑیں، ان نفروں کا نکلنا تھا کہ اس زمانہ کے مولوی شبلی
جونسے نے علی گڑھ آئے تھے ہزاروں نکاحوں کے نقطہ شماعی بنے ہوئے تھے، اور یہ انکی قابلیت کا
پہلا اعتراف تھا جسکا اثر بجلی کی طرح ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈور گیا،

اسی طرح نذیر احمد کچر سے پہلے کبھی کبھی اپنی نظم سنایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہیں :-
”جس طرح جیسے اینیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھے ایک بہت
بڑا پیغمبر آنے والا ہے، اسی طرح میری نظم گویا مذاے عام ہے کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی
نظم پڑھیں گے، اور میں اپنی پندار میں انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں“، اخلاقاً ایک ہم عصر کی
شاعرانہ فوقیت کے اعتراف کا یہ کتنا تلخ اور خوبصورت پیرایہ ہے،

اب میں نفس مطلب سے قریب ہوتا جاتا ہوں، یہاں تک صرف بیانات اضافی تھے، اصلی
کام حالی و شبلی کو باہم مکرنا ہے، لیکن ترتیباً پہلے یہ دیکھیے کہ حالی نے شبلی کی نسبت جن خیالات کا
اظہار کیا ہے اس میں جھجک کا کوئی عنصر موجود ہے، یا نہیں؟ معارف میں نامہ حالی و شبلی کا سلسلہ کچھ
عرصہ سے جاری ہے، ان خطوں میں حالی، شبلی کو اس خلوص میں اشتیاق سے یاد کرتے ہیں، انکی
ایک ایک تصنیف کا جس شوق و ذوق سے نام گنا تے ہیں وہ بھی اس آرزو کے ساتھ کہ کوئی کتاب
انکی لائبریری کے آغوش میں جگہ پائے سے رہ نہ جائے، اخلاص کی آخری حد ہے، خط ویر میں

تو کہتے ہیں ”اس قدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے درود نے میری آنکھوں کے ساتھ وہی کیا جو پیر میں یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا، جس خط کو دیکھئے درو محبت اور ایک خاص طرح کی صدق مقام جو بڑے بوڑھوں کا حصہ ہوتی ہے، لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے، شبلی کے پادرن کا واقعہ پیش آتا ہے تو گھبرا کر انکے فرزند رشید یعنی حامد شبلی سے خیر دعائیت دریافت کرتے ہیں، اور باوصف اسکے کہ آنکھ نے جواب دیدیا ہے، تو یٰ مین باتقنا سے سن عام اضحلال ہے، پھر بھی اعظم گدھ کے سفر کی آمادگی ظاہر کرتے ہیں، یہاں تک کہ اندوہ میں شبلی کے احباب کی رباعیات دیکھ کر حالی کو خیال آتا ہے کہ وہ مولانا شبلی کے زمرہ احباب میں ہونیکا فخر حاصل کریں، اسلئے ایک رباعی موزون کہے بھیجے ہیں کہ اندوہ کے کسی آئینہ نمبر میں اسے بھی جگہ دیدیجیگا،

سیرۃ النعمان جب شائع ہوئی تو حالی نے اسپر ریو لکھا، فرماتے ہیں، ”اُنھوں نے (یعنی شبلی نے) اپنی ہر ایک پہلی تصنیف میں جس بلندی پر آپ کو دکھایا ہے، اسکے بعد کی تصنیف میں انکی میاقت اور روشن دماغی اس سے بلند تر منظر پر جلوہ گر ہوتی ہے، اور جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے سیرۃ النعمان کو ان سب اعلیٰ منظر پر پاتا ہوں، کتاب کی ترتیب، اصول استنباط اور طرز اجتہاد کے لحاظ سے شبلی کو حالی نے ”فائل، ادیب، محقق اور اگر وہ منظور کریں تو مغنی اور شاعر کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور دکھایا ہے، کہ جس طرح حُن تناسب اعضا کا نام ہے، سیرۃ النعمان میں روایت و روایت کی تطبیق، اور جس موزون طریقہ پر اسے اور قیاس سے کام لیا گیا ہے، اس طریقہ استدلال فلسفہ مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور مصنف (یعنی شبلی) نے اپنی فضیلت اور میاقت پر سے بہت سے پردے اُٹھا دیئے ہیں“

شبلی ”دستہ نگل“ ہدیہ بھیجتے ہیں تو حالی جواباً لکھتے ہیں :-

”کوئی کیونکر بیان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور

سوانح مولانا ردم جی مقدس کتا بین لکھی ہیں، غزلیں کا، یکوین شراب دوا تہ ہے جسکے نشہ میں
خارجیم ساتی بھی ملا ہوا ہے، غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی اور بیاکی کے مضامین پر مشتمل ہے
ممکن ہے کہ اسکے الفاظ میں زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلیں اس سے
بہت زیادہ گرم ہیں۔“

آپ کہیں گے کہ ان مسلسل انکشافات میں سوائے ہلکی ہوئی باتوں کے مقصود اصلی یعنی چشمک
اب بھی پتہ نہیں، لیکن میں عرض کر چکا ہوں کہ میں اصلی نکتہ سے قریب تر ہوتا جاتا ہوں، اصولاً
اخلاق کے ساتھ عورتی سی کج آدائی بھی ہو تو زیادہ اجاگر ہوتی ہے، جو آنکھیں روشنی کی عادی
ہوتی ہیں انکو تاریکی گراں گذرتی ہے، اسی طرح نفس انسانی کا رخ روغن اسکے دوسرے رخ کو
زیادہ نمایاں کر دیتا ہے، اسلئے میری اضافی تصریحات بیکار نہیں ہیں، بہر حال اظہار خصوص کی
حد ہو چکی، کچھ اصل موضوع یعنی ”چشمک“ کی مثالیں لیجئے،

حیات جاوید میں ایک موقع پر حالی دہاتے ہیں، ”اے تعلیم کی حمایت کے جوش میں سرسید کے
قلم سے بعض مواقع پر ایسے الفاظ نکل گئے ہیں کہ ترجموں کی غرض سے سوسائٹی قائم کر نیو گاہی
ایک غلطی تسلیم کرتے تھے، اور اسی بنا پر شمس العلماء مولانا شبلی نے مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم میں اس
غلطی کا جسکو سرسید ۶-۷ برس پہلے ایجوکیشن کمیشن میں تسلیم کر چکے تھے ذکر کیا ہے، اور اس بنا پر کہ
مغربی علوم و فنون کا دینی زبان میں ترجمہ ہونا ممکن نہیں ہے، اساتذہ کرام سوسائٹی قائم کرنے کو
سرسید کی ایک غلطی قرار دیا ہے، اور اپنے اس دعویٰ پر کہ ترجمہ ممکن نہیں زیادہ تر وہی دلیل جو خود
سرسید نے بعض مواقع پر بیان کی تھیں پیش کی ہیں۔“

حالی کہتے ہیں کہ ”اگر مولانا (میں شبلی) کی یہ اصلی رائے ہوتی تو ہکو اس سے تعرض کی ضرورت

نہ تھی، لیکن چونکہ اعجاز نے خود سرسید کے بعض بیانات سے یہ رائے استنباط کی ہے، اسلئے ہجو سرسید کے خیالات کا اصل منشا ظاہر کرنا ہے، حالی نے ایک ایک کر کے اعتراضات کی تردید کی جو در نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ شبلی کے اعتراضات کا زیادہ تر حصہ خود سرسید کے خیالات سے ماخوذ ہے، ”چمک“ کی یہ پہلی مثال ہے جہاں حالی کی حیثیت نسبتی اقدامی نہیں بلکہ دفاعی ہے اور جہاں ناقولہ اظہار خیال کے سوا دوسرے کوئی چوٹ نہیں ہے،

یہاں تک تو آپ نے دیکھا کہ حالی کا شبلی کے ساتھ کیا رنگ تھا، لیکن یہ شراب اب تیز ہوا چاہتی ہے، اب یہ دیکھئے شبلی کے خیالات و مقالات کا جہاں تک خوش صفات حالی کا تعلق ہے، کیا حال ہے، شبلی نے اعلیٰ الامون نہیں لکھی ہے، یا لکھی ہے، لیکن لکھنے سے پہلے ”حیات سعدی“ پیش نظر ہے، ایک عزیز کو لکھتے ہیں، ”ایک کتاب حال میں مولوی حالی صاحب نے لکھی ہے اور ہجو تختہ بھی ہے، شیخ سعدی کی نہایت دلچسپ مختلفہ سوانح عمری ہے، میں نے بے اختیار اسکو تمہارے لئے پسند کیا، اور مولوی حالی صاحب کو لکھ دیا ہے کہ وہ تمہارے نام بھیج دیں، واقعی بے شراب ہے اور تم کو اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے، لیکن یہ دیکھنا ہے کہ شبلی جب خود تصنیفات کے مالک ہوئے تو حالی کے ساتھ تمکا یہ حسن ظن کہاں تک قائم رہا، ؟

سوانح مولانا روم میں شبلی یوں اظہار خیال کرتے ہیں، ”تمام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ جن لوگوں نے غزل کو غزل بنایا، وہ سعدی، عراقی اور مولانا روم ہیں، اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر یوں کو کرتے ہوئے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی سے انکا موازنہ کیا جاتا، قینوں بزرگوں کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کی جاتی تھیں، اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہیں، اسلئے مذاق حال کے موافق

۱۔ جس مضمون کا حوالہ حالی نے دیا ہے، رسائل شبلی کے طبع جدید میں اسکے دو کٹرے ہو گئے ہیں، یعنی قدیم تعلیم اور نثر، جدید مولانا کے اضافہ کے ساتھ وہ حصہ نکال ڈالا گیا ہے جہاں سرسید پر کچھ اعتراضات تھے،

خودخواہ بھی اکتور ترجیح دے جاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا واقعہ نگاری کے ذرائع کے بالکل خلاف ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھئی یہ مان لیا جائے کہ شبلی کا ردے سخن حیات سعدی، یا یادگار غالب کی طرف ہے تو ”چٹک“ کی یہ نہایت ہی چھٹی ہوئی مثال ہوگی، جو ناظرین کے سامنے پیش کیا سکتی ہے لیکن ایک نکتہ سنج پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہی طریقہ نمایاں طور پر موازنہ انیس و دہرین اور ایک کافی حد تک ”شعر العجم“ میں اختیار نہیں کیا گیا،؟ کلیات خسرو جسکی تہذیب و ترتیب برعزم علیگڑھ آجکل کے معرکہ ادبی میں پیش پیش ہے اور جہن تنقید کے سلسلہ میں معاصرانہ کلام کا موازنہ کیا گیا ہے کہ اتناک واقعہ نگاری کے خلاف ”مذاق حال“ سے بے نیازی کا دعویٰ کر سکتی ہے، اور بے برہم کر یہ کہ آیا حالی اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر تھے؟

چٹک کی دوسری مثال یہ ہے،

تذکرہ گلشن ہند کے حاشیہ میں شبلی کہتے ہیں:- ”مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن چونکہ انکے نزدیک شعراے لکھنؤ سے ایسی نصاحت اور سلاست کی توقع نہیں ہو سکتی، اسلئے اسکی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ اثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اسکا طرز اڑایا تھا، یہ اشعار اسی مثنوی کے ہیں، اسکا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے۔“

اسی طرح جیسا کہ دیا چہ گلزار نسیم کے حاشیہ ذیلی میں تھریج کیگئی ہے شبلی نے لائق حکیمت کو لکھا تھا کہ گلزار نسیم کی تنقید میں مولانا حالی نے سخت بے رحمی اور نا انصافی سے کام لیا ہے۔“ میں اسکے متعلق خود کچھ لکھنا نہیں چاہتا مولوی عبدالحی کے ذمہ دار قلم سے چٹکی ہوئی سیارہ جس طرح پہلی ہے۔ ایک نظر دیکھنے کے لائق ہے، جس طرح ناممکن ہے کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتابچہ اسکا مقدمہ ہو، یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاسداری میں یہ شبلی پر چوٹ

نہ کرے ہوں، یعنی ”چٹک“ کے جراثیم انکے مقدمات میں اس کثرت سے ملیں گے کہ یہ امر انکے لٹریچر کے خصائص کا ایک جزو ہو گیا ہے، پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کے تاک میں رہتے ہیں اور اظہار خیال سے کبھی ہنسن چمکتے، لیکن اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہیں نکتہ سجانہ لکھتے ہیں، یعنی تشبیہ کی تنقیص مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

میانک ”تو چٹک“ کی صرف نرم مثالیں ہیں یعنی تلخ گولیاں غلاف شکر میں، اب ذرا قوی تر شواہد لیجئے، مناقب عمر بن عبد العزیز کے ریویو کے سلسلہ میں شبلی فرماتے ہیں۔

”سوانح نویسی کے دائرے میں سے جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے، یعنی مصنف نے اپنے ہیر و کی خوبیاں دکھائی ہیں، اُسکے کسی قول و فعل پر نکتہ چینی نہیں کی، لیکن یہ اس زمانہ کے تمام سوانح نگاروں کا انداز ہے۔“

اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

”مصنفین اسلام آجکل کے فریب دہ طریقہ سے بالکل آشنا نہ تھے، آجکل کی سوانح نگاری کا انداز یہ ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرینکے لئے ہیر و پر نکتہ چینی کیجاتی ہے، لیکن اسطرح کہ محاسن نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھائے جاتے ہیں، پھر نہایت کمزور اور ضعیف الفاظ میں ایک آدھ اعتراض بھی کر دیئے جاتے ہیں، جس سے دراصل مداحی کو اور قوت دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری کے لحاظ سے کسی واقعہ کو چھپانا نہیں چاہا ہے، اور اس لحاظ سے ممدوح کی چھوٹی سی چھوٹی برائی کا بھی ذکر کر دیا ہے، ورنہ ایسے محاسن اور خوبیوں کے مقابلہ میں ایک ذرا سی برائی بالکل نظر انداز کرینکے قابل تھی، یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگاروں نے پورے سے سیکھا ہے، اردو کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمریوں کا یہی انداز ہے، لیکن یہ طریقہ قدیم طریقہ سے بہت زیادہ قابل اعتراض بلکہ خطرناک ہے، قدیم طریقہ صرف سکوت کا

مجرم تھا، لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو دائیہ نگاری سے بجا اصل دُور ہے، یقیناً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ بشلی کار دوسے سکن کی طرف ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمری سے مدد و ح کا مقصد کیا ہے؟ شیش محل میں بیٹھ کر اردو ن پر پتھر پھینکنا ایک خوش ادائی سہی، لیکن کیا دانائی بھی ہے؟ اسکا جواب صفات زیر تحریر میں ملایگا، لیکن جلدی نہ کیجئے، اور لیجئے اثر رحیمی کے ریویو میں ارشاد ہوتا ہے،

اس کتاب میں تمام خوبیوں کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خانخاناں کی خوبیاں ہی خوبیاں گناہی ہیں، نکتہ چینی کا نام نہیں، حالانکہ آج کل کے مذاق کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے، لیکن اس طریقہ کو ہم آج کل کے پُر فرب طریقہ سے زیادہ پسند کرتے ہیں، جس میں راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعویٰ کر کے بھی سوانح عمری کے بجائے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہے اور کوئی عیب اور وہ بھی خف کر کے لکھا جاتا ہے تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانیکے کام آئے یعنی جب عیب نہیں چھپایا ہے تو محاسن کیوں غلط لکھے ہونگے، بہتر سے بہتر سوانح عمری جو ہماری زبان میں لکھی گئی ہے، اس طریقہ کی عمدہ مثال ہے، ابھی اور لیجئے۔

موازنہ انیس و دبیر میں اسی خیال کا اعادہ یوں کیا گیا ہے۔

”ہمارے زمانہ میں جو سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں ان میں باوجود دعویٰ آزادی کے تنقید اور حرج بالکل کام نہیں لیا گیا، اور اسکا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہیں کہ تصویر کے دونوں رخ اسکو دکھائے جائیں لیکن عذر کرنے والے خود اپنی فہمت غلطی کر رہے ہیں، جس چہرے نے انکو اظہارِ رخ سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے، جسکا اثر رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے اور ہڈی کرنے والوں کو خود اسکا احساس نہیں ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تعقید کرتے ہیں، ان میں ہزاروں ایسے ہوتے ہیں جنکو خود نیک و بد کی تمیز نہیں ہوتی، اسلئے وہ اچھی

باتوں کے ساتھ اکابر کی غلطیوں کی بھی تہقید کرنے لگتے ہیں اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم میں اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔
 اخلاقی حیثیت سے مولانا کی نگاہ جس نکتہ پر بار بار پڑتی ہے، اس کے اہم نتائج سے کون نکال کر سکتا ہے آپ دیکھیں گے ابھی تک اظہار خیال پر ایک نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ نقاب اس قدر ہلکی ہے کہ باریک تاروں سے چن چن کر ”چٹک“ کی شوخیان آپ کے ذوق پر وہ دری کو اکسائینگے، لیکن ذرا ٹھہریئے اسکا حسن عریانی دیکھنے کے لائق ہے، یعنی اس وقت تک تصریحات کی جگہ صرف اشارات و کنایات تھے، اب صاف صاف لیجئے، بشلی کہتے ہیں:

”حیات جاوید میں مولانا (حالی) نے سید صاحب کی کیر خنی تصویر دکھائی ہے، اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کے صاحب دکھانے تنگ خیالی اور بد طبعی ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ دور کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائیں، پھر انشائی شاعری میں کیا برائی ہے، سو اے اسکے کہ وہ محض دعویٰ کرتے تھے، واقعات کی تہذات پیش نہیں کرتے تھے، بہر حال حیات جاوید کو محض مدلل مداحی سمجھتا ہوں۔“

اس پر بھی تسکین نہیں ہوتی ایک دوست کو پھر کہتے ہیں،

”اختلاف آرا جمی کیا چیر ہے، حیات جاوید کو میں لائف نہیں سمجھتا بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل خیر والناس فیما یحشون مذاہب۔“

میان یہ دھپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آجکل کا پرفریب طریقہ سوانح نگاری، خوشی کے خیال میں ایک طرح کی خیانت اور خدای ہے، اور جس پر بار بار بے چینی کے ساتھ زور دیا گیا ہے، دراصل حالی کی ایجاد ہے، یا بشلی کی تصنیفات ہی اسی دائرہ میں آجاتی ہیں، تاریخی تہقید کا یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس پر مولانا نے اگر مزید روشنی ڈالی ہوتی تو دنیا سے ادب کے لئے ایک جدید انکشاف ہوتا۔

اسی طرح حالی کی یہ صنعت گری جان یورپ کے طرز تحریر سے ماخوذ بتائی گئی ہے بشلی بی بی فراتے ہیں کہ اس پر فریب طریقہ ہے جو ایشائی شاعری سے ملتا جلتا ہے، موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائیگی، لٹریچر کی طرف سے مولانا کی اس فی الوقت دقیقہ رسی اور جوش انتفا کا شکریہ، لیکن ایک نکتہ دان یہ سوال کر سکتا ہے کہ جس خطرے کا اقبال غاہر کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکھائی جاسکتی ہے جہیں مجاس کے ساتھ مصائب اہبار کر دکھائے گئے ہوں، کم سے کم جتنی مستند کتابیں سیرۃ (لائف) کی حیثیت سے انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں، وہ اکثر دن کے دائرہ نظر میں ہونگی، لیکن افسوس ہے کہ حیات جاوید کی طرح کسی کتاب مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی، یعنی ان میں ایسے متعلل ابواب نہیں ملتے، جنہیں آپ کے ازاتواں جرائم پیشہ، یا باب الاشرار کے عنوان سے کسی شخص کے حفظ غیب کا غیر ضروری خاکہ اڑایا گیا ہو۔

ایک ادیب محارضہ بالشل کی حیثیت سے پوچھ سکتا ہے کہ لمحاتِ حالی کے جس اقتدار کی طرف نیک نیتی سے بشلی کا ذہن منتقل ہوا ہے خود انکی تصنیفات میں یہ رعایت کہاں تک ملحوظ رکھی گئی ہے یعنی المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق اور الغزالی میں انسانی کمزوریوں کس حد تک اہبار کر دکھائی گئی ہیں؟ اس کا جواب مجھے خوف ہے غیر امید فراہم ہوگا، کیا یہ علم النفس کی حق تلفی نہیں ہے جو ایک نکتہ سنج مورخ کے قلم سے ہو سکتی ہے کیونکہ عظمت خود ملک کے سب سے بڑے مورخ کے خیال کے مطابق واقعات کو بدل نہیں سکتی،

بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیات جاوید کے لئے حالی کی طرف سے اعتدال پالوچی کی بالکل ضرورت نہیں، ایک شریف نے ایک شریف شہر انسان کی ہمدردانہ سگدشت لکھی اور آتشاے فن ہلک لکھی، اور یہی آدھے سے ادنیٰ سمیٹا تحریر ہے جو ایمان بالنبی کی حیثیت سے

یورپ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے :-

یہ قطعی ہے کہ حیات جاوید کا رئیس تذکرہ فرشتہ نہیں تھا، انسان تھا لیکن اسکے اخلاقی اوصاف اسکی اضطرابی لغزشوں پر چہنیں انسانی کمزوری سمجھے غالب تھے، یہی ماہ الامتیاز ہے جسکی بنا پر سوانح نگار کسی بڑے سے بڑے شخص کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے، سرسید کی کمزوری ان جسکی بے نقابی پر بشی کو اسقدر اصرار ہے اور جسکے اظہار میں حالی نے صرف بیدوی سے کام نہیں لیا، واصل سرسید کی زندگی کے وہ عناصر ہیں جسکے بغیر انسانی اخلاق کی تکمیل ناممکن ہے، لیکن اس قسم کی اضافی تصریحات کا بے ضرورت پسلا نا اور تفیقی پہلو کا اس طرح نمایاں کرنا کہ اصل محاسن دب و با جائیں بالکل ایسا ہی ہوگا جس طرح مددہ کے آخری مناقشات کوشلی کی ادبی زندگی سے وابستہ کیا جائے، جیسرولانا کا سوانح نگار کبھی راضی نہیں ہوگا، اور جسے بشی کی علمی "نفیست" "سایگانوی" دراصل کوئی تعلق نہیں ہے،

یہ غور طلب ہے کہ غالب کی طرح بشی کی افراط و تفریطی مساہرانہ کمالات کے اعتراف میں فیاض نہیں ہے، بشی نے اسلام لکھی لیکن سرسید کا نام تک نہ آیا، حالانکہ سرسید پہلے شخص ہیں جنہوں نے دور جدید میں مذہب کو معقولات عصریہ سے تطبیق دینکی کوشش کی اور یہ امر بلا اختلاف ان کی ادبیات میں محبوب ہونیکے لائق ہے، ہکومصر کے مذہبی لٹریچر کی اوقات "لوم ہے" اسے مصطلح جہہ و دستار کی فضیلت سے اگر قطع نظر کریجے تو سرسید اور انکے رفقاء نے جو کچھ لکھ دیا ہے مشکل سے اسپر کچھ اضافہ ہو سکتا ہے، اور یہ سرسید کے اختراعی دماغ اور انکے زبردست اجتہاد کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ عدم اعتراف دراصل لٹریچر کی خوش ظرنی ہوگی، میں بیان اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتا کہ عقاید کو جو جذباتی چیز ہیں، معقولات سے بھڑانا جیسرولانا کے متکلمین کو اسقدر ناز ہے دراصل کمانٹک کوئی غافلین

چشمی چیز، "کا مصداق ہے، میرا شمار صرف یہ ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ اس وقت لکھا گیا یا آئندہ لکھا جائیگا وہ محض سرسید کے قلم کی آواز بارگشت ہوگی۔ یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے کہ حالی کے میرد کے ساتھ شبلی کو اس قدر "چٹک" کیوں ہے کیا یہ جامع حیثیات شخصیت شبلی کے ناموران اسلام کا رنگ پھیکا کرنے والی ہے؟ یا جس طرح ایک خوبصورت عورت دوسری پر کالا آتش کو دیکھ نہیں سکتی دراصل جذبہ رشک اسکی تہ میں ہے، ہر ملک کے ایک بہت بڑے فاضل کی رائے کے مطابق سرسید کے بعد اگر اردو میں کوئی قلم اٹھا سکتا ہے تو وہ حالی ہیں، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حالی نے "سرسید کی صرف کثیر الادراک لائف نہیں لکھی" بلکہ یہ اردو لٹریچر میں ایسا اضافہ ہے جو حالی کی ذات پر ختم ہو گیا، لیکن کیا "شعرا لجم" کے مصنف کو بھی اس پر رشک کرنا چاہیے۔ اسکا جواب آگے چل کر تاریخ دیکھی نہ جانا کبھی کبھی جاننے سے زیادہ باکیف ہوتا ہے، اسلئے سرسید بن اس لطف کو کھونا نہیں چاہتا۔ لیکن شعرا لجم کے ساتھ جو ایک ذوقی چیز ہے میری بڑی ہوئی حسن عقیدت اس موازنہ کو جائز نہیں رکھیں گی، اسلئے حیات جاوید کے مقابلہ میں شبلی کی صرف ان تصنیفات کو رکھیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے جس مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں، آجکل کی عوامی رسیمہ (ایٹی کیٹ) کی نزاکت میں شائستہ سوسائٹی میں موازنہ اوصاف کو جائز نہیں رکھتیں، لیکن مصنفین کے دماغوں کی رگڑ، فن تنقید کا ایک سخن گسترانہ فرض ہے، جس سے قطع نظر نہیں کیا سکتی، اسلئے "چٹک" کے وہ عقیدہ سربستہ جن میں حالی کے مقابلہ میں لائق عزت شبلی کا پہلو کچھ دبا ہوا سا ہے، کھلے ہوئے راز کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہیں۔

۱۔ میرے مخاطب صحیح وہ حضرات ہیں جن جو متعین و متعقد میں اختیار نہیں کر سکتے، یا گرا نہیں چاہتے، نہ جاننا (جل) چندان لائق اعتراض نہیں لیکن یہ بھی نہ جانا کہ نہیں جانتے (جل مرکب) قطعاً لائق معافی نہیں، ایک بیباک نے حال میں لکھا تھا کہ شعرا لجم پر دفیس براؤن کی "ٹریڈی ہسٹری آف پریشا" کا مترجم ہے، شاید کتنا یہ منظور ہوگا کہ براؤن کی کتاب سے ماخوذ ہے، لیکن غریب کو معلوم نہیں کہ براؤن نے فارسی شاعری کی تاریخ نہیں لکھی (بقیہ صفحہ آئندہ)

قبل اسکے کہ میں اسے ختم کروں ایک فقرہ مترضہ بارطبعیت ہو رہا ہے جس سے اسی سلسلہ میں
ہیٹ لینا چاہتا ہوں۔ ”چٹلک“ جسکے متعدد نظائر جہان تک گنجائش مٹی بہم پہنچائے گئے ہیں، وراثت
طبعی کے اثر سے اسکا سلسلہ اور بڑھتا ہے، ایک زاویہ علمی کا نوجوان سید الطائفہ ہے آگے
چل کر نظام ادبی کا ایک قوی تر عنصر ہوتا ہے، ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ میں یوں
اظہار خیال کرتا ہے،

”مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہیں، جس قلم نے مرآۃ العروس، نبات النعش،
توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامی لکھنے میں زندگی بسر کی ہو وہ العزّاء لکھنے، اجتہاد، ترجمہ قرآن،

بلکہ دراصل وہ اسلامی طریقی کی دماغی تاج ہے، ایران سے جو کچھ تعلق ہے یہ ہر کہ براؤن، ان معنیوں کو الگ کرتا گیا ہے
جو اسلام کے وسیع دور میں خاک عجم سے وقتاً فوقتاً اٹھتے رہے، زمین شہر کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ بھی تاریخی حقیقت ہے
ذوقی اور جذباتی حیثیت نہیں کہ یہ براؤن کے بس کی بات نہیں تھی، شعرا عجم کا موضوع بالکل جدا گنا ہے،

ہماری زبان پر فلسفہ ارتقا اور جانے کیا کیا ہے سچے سمجھے اس بری طرح چڑھا گیا ہے کہ خیریت منومات
میں تو کچھ اضافہ ہوا نہیں، لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی، جس ملک میں تنقید عالیہ (ہائپر کریٹیکل سرزم)
منوم صبح، چنے خالص پر ہے لکھتے نہ سمجھ سکتے ہوں، میں نہیں جانتا شعرا عجم کی نزاکتیں کس طرح انکے ذہن میں داخل کی جائیں
مجموعہ میں اسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہوں جس سے ادروں کو باز رکھنا مقصود ہے، اور جھگڑا کرنا پڑتا ہے کہ شعرا عجم تذکرہ شعرا
نہیں بلکہ جہان تک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اسکی ارتقائی تاریخ ہے، (دیکھئے) ”ارتقا“ زبان پر آئی گیا
جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے، بعینہ دنیا سے ادب میں بھی یہی ترتیب عمل جاری ہے

مقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کئے، بالفاظ غیر سعدی، حافظ، فردوسی اور خیام حسن نامین
ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ میں لکھا ہونا اگر پر سامتا، اسی طرح انکے کلام کی عصری خصوصیات دراصل ان کے
کمال اجتہاد سے زیادہ وراثت ادبی کے قدرتی نتائج ہیں۔ شعرا عجم نے اسی ظلم کی عقدہ کشائی کی ہے، لیکن یہ
باتیں ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ میں آئیں گی، اسوقت تک اس کتاب پر اظہار خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا۔

بغلی نوکیلا براؤن کا خاکہ لڑائی لگے، لیکن ایک صاحب نے علی گڑھ میں جھکڑ لکے کی چوٹ شاعری پر جس جاہلیت کے ساتھ
اظہار خیال کی شہرانی، ایڈیٹر معارف کے سپیڈ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا شعرا عجم ”ہے ایک چھوٹے سے لفظ کے
زہر کو دیکھ لگا جگا تریاق ایک دفتر بھی نہیں ہو سکتا، ہمدی

احیاء الامۃ کے لئے سنجیدگی عبارت، متانت کلام، اور تقاہت بیان کہاں سے لائیگا، مقصود یہ ہے کہ مذہبی کتابوں اور بزرگان دین کی تائید کے لئے سنجیدگی چاہیئے، شوخ اور ظریفانہ عبارت اور سخیف محاورات موزوں نہیں،

یہ مولوی نذیر احمد کون؟ وہی جسکا تصنیفی نام عوام میں ”ڈپٹی نذیر احمد“ ہے، آہا! آقا سے اردو علامہ نذیر احمد، ایل ایل ڈی، جو ملک میں السنہ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا، جسکی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت غریب بھی اسکا لوہا مانتے تھے اور اس کے تبحر علمی سے مرعوب رہتے تھے جس نے اردو کی کم پایہ زبان کو اپنے خاص طرز ادا اور زور فصاحت سے ایسا کر دیا کہ آئینہ دنیا سپردِ لبِ عالیہ (کلاسیکس) کا اطلاق کر گئی، جسکی طبیعت میں قدرت نے عربی کا مذاق اسے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفہ آسمانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمہ قرآن کا یہ رنگ بنا:-

”مستی نکالتیان اور یار کرتیان چپکڑ“

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اردو کا ایسا متق ہے جس پر انشا پر دازی ناز کر سکتی ہے، نذیر احمد نے مرآۃ العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی انکے کمال انشا پر دازی کے ثبوت کے لئے یہ اکیلی کتاب کافی تھی بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اس وقت ایک گران پایہ مصنف تھے جب ہمارے لائق ادب بزرگوں میں بہترین نے قلم ہاتھ میں نہیں لئے تھے، رہی انکی ظرافت جو اعلیٰ کا حصہ ہے اور جسے آپ کہانے میں نمک سمجھئے، اور میں لٹریچر کے چہرے کا قسم کھونگا، جو نئی تحقیقات کے مطابق صرف خوش ادائی نہیں بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی دلیل ہے،

صرف ایک مثال ایجئے، نزول قرآن کے سلسلہ میں نذیر احمد اپنے فصیح لکچر میں ایک جگہ

کہتے ہیں:-

”جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے چون پر ایک ہمارا ہی تھی“

لوگوں میں یہ مادہ ایسا برسرِ ترقی تھا کہ کوئی تنفس مذاقِ شہری سے غالی نہ تھا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تھا، یوں بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا، انھوں نے اپنے سوادِ سرون کا نام رکھا، علم، یعنی گونگے یا جھکو بات کر نیکا سلیقہ بہنیں، ایسے لوگوں سے کسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیہٴ فصاحت سے عاری تو ان کے کان پر جون بھی نہ پڑتی، بس ضرور تھا کہ اسی داؤسے ان کو پھاڑا جائے جو داؤ ان کو خوب روان تھا، یعنی فصاحت، قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید، محسن الملک، سید محمود، اور حالی دہشتی تھے سب کے چمکے چوٹ گئے،

یہ بلاغت ہے جسکی بنا پر کہا گیا ہے کہ انشا پر دار کا ایک فقرہ ہزار دنِ علمی اور تارِ بخی اور تانِ بہاری ہوتا ہے، اور یہی تصرفات ہیں جنکے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح دینی۔

یہ بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ میں حیدر آباد دکن کے ہمارے کو نذیر احمد کا شیدائی بنا رکھا تھا، سرسار آراجنگ اول اسٹیٹ ڈسٹرپر ہیں، اطلاعی قانون کا دور چل رہا ہے، چھری کا نٹوں کی دھیمی موسیقیت میں دفعتاً سرکاری ڈاک کے آئینکی اطلاع ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے، نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کیجائے، ایک منٹ کے بعد طویل تقدیر میزبانِ شام کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہوتا ہے، برقی روشنی کی جگہ گاہٹ میں شائقِ ادب امیر الامرا کی نگاہ نقوشِ حرفی پر دوڑ رہی ہے اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے ہم زیر لب کی ہلکی لہریں کہیں، نذیر احمد کے خوانِ ادب کا یہ وہ نقشہ تھا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکی، لیکن اب یہ ہمارے گھر میں پھنسے لٹکا ہے جسے ہم اگنا چاہتے ہیں، مگر یہ بے نکی روایاتِ سابقہ کے لحاظ سے کچھ تنہا بہنیں معلوم ہوتی ہو، چاہتا ہے انکا کمال انشا پر دازی غیر سانشی جنبشِ لب سے ہمیشہ بے نیاز رہیگا۔

لے معارف: ان فضائل و مناقب کا منکر بنکر کوئی بھی کافر ادب، بنا گوارہ کرے، لیکن اس اعتراض کا (بقیہ صفحہ آہندہ)

آخر میں مجھے ایک نکتہ صاف کرنا ہے یعنی حالی کے ساتھ بشلی کی چٹک کے جو خواہد پیش
کئے گئے ہیں ان سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ بشلی کو حالی سے خلوص نہیں ہوتا، بشلی حالی کو
ہیشہ عزت کے ساتھ یاد کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ”جب تک مواد تحریری ہو میں ایک قدم بھی
چل نہیں سکتا، مگر حالی کی نکتہ آفرینی اسکی محتاج نہیں، انکی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت ایسی
جگہ سے مطلب نکال لاتی ہے جہاں ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا اور یکال اجتہاد کی دلیل ہے۔“
پاؤن کے واقعہ کے بعد بشلی کو حالی نے وفور جوش میں جو رباعی لکھ کر بھیجی تھی اور جسکا ذکر اوپر
گذر چکا ہے، بشلی الذہد میں ”مولانا حالی کی ذرہ نوازی کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں :-

”مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض انکی ذرہ نوازی ہے، وہ میرے احباب میں
شامل ہونے کا ننگ گوارا فرماتے ہیں، لیکن میری عزت یہ ہے کہ مجھکو اپنے نیاز مندوں کے
زمرہ میں شامل ہونکی اجازت دیں، اب چند ہی ایسی صورتیں باقی رہ گئی ہیں جنکو دیکھ کر قدامت کی
یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ خدا ان بزرگوں کا سایہ قائم رکھے۔“

بہر حال چٹک ”جو کچھ مٹی ادبی حیثیت سے تھی“ بخ کے تعلقات دونوں صاحبوں کے اتنے ہی
خوشگوار تھے، جتنے باد صنف اختلاف و کلامے مقدمہ کے اجلاس سے باہر ہوا کرتے ہیں، ان چند معنوں میں
خصائص نفسی کے مختلف رخ نمنا سنے آگئے ہیں، اور نہ میری غایت محض تنقید ادب یعنی احباب کی
دماغی تفریح کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس حیثیت سے اردو لٹریچر میں غالباً یہ ایک نیا معنوں ہے،

اب بھی جواب باقی ہے کہ ثونی تحریر و لطافت کلام جو تھریچر کے چہرہ کا تسمیرہ ہے، ہر جگہ اور ہر موقع پر اسی طرح نمایاں رہنا چاہیے، لیکن اپنی
اوس کو ضبط مٹی کرنا چاہیے، مرد مقدس، بنکر برسر منبر آپ کو کون کو حیفہ الہی اور احکام مذہبی کا مطلب سمجھاتے ہیں اور مٹی کا یہ حال
وہ ایک منٹ کے لئے کتنی ہی نہیں، ایسی حالت میں لامی لکھنے کا اور لکھنے کا لڑا نہایت اس منصب و شغل پر کسی فیاض رئیس کے
موجم تقریب کا اشتہار کیسے ممکن اس عنوان میں جہاد اقتباسات لئے گئے ہیں، انکے لئے اردو لٹریچر کے عناصر غنہ (سر سید، آزاد، ندیم، اہل
حالی و بشلی کا پورا دوفریش نظر ہوتا، لیکن انوس پر کسلسلہ اقتباس میں جن نے صفات متعلق کے حوالے غنونا نہیں کیے، غم کرینگے اور کانی
آیا، اب یہ ایک مرد مٹی کی جیسے مٹی کی طرح گوارا نہیں کر سکتا، تاہم میں یقین دلا نا چاہتا ہوں کہ اس پونڈ کاری میں میں نہیں کوئی تصرف
یا غنا نہ نہیں کیا، اور جہاد اقتباسات جہاں سے لئے گئے ہیں، علامہ اقتباس میں جہاد میں کوئی گت، نہ جوئے نہیں بلایا ہے۔

باب التدریس والتعلیم

اصول تعلیم

از جناب نضر عین خان صاحب گزشت ٹریننگ کالج لکھنؤ

ماہیت و مقصود تعلیم | دور جدید نے جہاں تجربہ انسانی کی گونا گون اور علمی تصاویر کے دوسرے رخ کو ہمارے پیش نظر کر دیا ہے وہاں تعلیم کی ماہیت و مقصود پر بھی نیا درق الٹ دیا ہے، آج ”تعلیم“ کا لغت، ذہنی اخلاقی اور جسمانی تربیت کے وسیع ترین مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، مسلم کا فرض درس و تدریس کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ تلامذہ کے قواسم ذہنیہ کے دوش بدوش، درستی اخلاق و صحت بدن کا لحاظ بھی اُسپر واجب ہے، چنانچہ معلم، مدرس بھی ہے اور مرشد و داعی عظمیٰ، جسمانی و ورزش کا استاد بھی ہے اور طبیب بھی جس زمانہ میں تعلیم کی ”ماہیت“ اس غلط فہمی میں مدفون تھی کہ تعلیم کو تدریس کا مرادف سمجھا جاتا تھا تعلیم کا انشاء و مقصود بھی صرف اس قدر تھا کہ تسلیم کا حافظہ رنگارنگ معلومات سے بھر دیا جائے، اس غلط فہمی میں یہ رسم تعلیم کمال قبیح، لئو و مضحک تصور کی جاتی ہے، کہ علم کو طاب علم کے دماغ میں ٹھونس دیا جائے، علم انفس کی موٹو گائیون نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ تعلیم کی غایت اصلی، دیگر قواسم انسانی کے ساتھ قواسم ذہنیہ کے نشو و ترقی میں امداد کرنا ہے، طریق قدیم سارا بوجہ حافظہ پر ڈالتا تھا، لیکن طریق جدید ذہن انسانی کی جملہ قوتوں کو کما حقہ تربیت اور متناسب بالیدگی کو پیش پیش رکھتا ہے، اعرض تعلیم کمال حسب ذیل امور کی ضمانت ہے،

(۱) درس و تدریس کے ذریعہ قواسم ذہنی کی نشو و نما،

(۲) ارشاد و ہدایت، پنہ و نصیحت اور ذاتی نمونہ کے ذریعہ تمذیب اخلاق،

(۳) بلاناغہ ورزش، صفائی اور اصول حفظانِ صحت کی باقاعدہ پابندی کے ذریعہ صحتِ جسم، طاقتِ بدن اور چستی و مستعدی کی برقراری،

علمِ تعلیم اور فنِ تعلیم | ایسا میں علم و فن باہدگر مترادف بولے جاتے ہیں، لیکن یورپ کے نزدیک ان کے درمیان بین فرق ہے، علم، کائناتِ عالم کے کسی خاص شعبہ کے حقائق و واقعات لیکر محض بیان کر دیتا ہے، فن، ان علمی مقدمات و قضایا سے علمی نتائج اخذ کرتا، اور انکو ہدایات، قواعد اور تینہات کی شکل میں تدوین کرتا ہے، علم کا تعلق فہم و نظر و ادراک سے ہے، طالبِ علم مباحث و مطالبِ علمیہ کو پڑھتا، غور کرتا اور انکو سمجھتا ہے، اسکے خلاف فن کا رشتہ عمل سے قریب تر ہے، کسی فن کے ہدایات محض پڑھ کر سمجھ لینے کی چیز نہیں، بلکہ عملی تفصیل اور مشقِ لازمی ہے، علم کی تحدید تحصیل میں ختم ہو جاتی ہے کہ معلومات صاف صاف ذہن میں مرتب ہوں، جبکہ فن کا تقاضا ہے کہ ان معلومات کو قوت سے عمل میں لایا جائے علم و فن کے باہمی فرق کی وضاحت اشغالِ ذیل سے ہوگی،

تشریح ایک علم ہے جسکے اندر جسمِ انسانی کا کچا چٹا ہے، اس علم کا موضوع، ہڈیاں، جوڑ، رگ، چمچے وغیرہ ہیں، علم تشریح ہکوا جزا سے بدن کے حالات سے خبردار کر دیتا ہے، اور بس، لیکن اسکے مقابل فنِ جراحی ہے، جو علم تشریح کے اخبار و بیانات سے مفید عملی ہدایات استنباط کرتا ہے، یہی علاقہ علمِ افعال الاعضاء اور فنِ طب کے درمیان ہے، اول الذکر اعضا سے بدن اور انکے افعال کا ذکر کرتا ہے، اور فنِ طب ان معلومات سے استفادہ کرتا اور علمی قواعد اخذ کرتا ہے، علمِ افعال الاعضاء کے علاوہ طب کی بنا دیگر علوم پر بھی ہے، مثلاً طبعیات، نباتات، کیمیا وغیرہ، ریاضی ایک نظری علم ہے، لیکن فنِ معماری کی داغ بیل تا سترسی پر پڑتی ہے، فنِ ملاحی، علمِ ہیئت اور علمِ جغرافیہ کا دستِ نگر ہے، غرض کہ ہر فن کی تدوین ایک یا ایک سے زیادہ علوم کی محتاج ہے، اور کسی مخصوص فن سے متعلق علم یا علوم کے ان اصول کی کجائی جو گویا اس فن کی جڑ ہیں، اسکے علم کے نام سے تعبیر کی جائیگی یعنی فنِ جراحی کے خلاف

علمِ جراحی سے مراد تشریح کے وہ اصول و قوانین ہیں جن پر فنِ جراحی مبنی ہے، اسی طرح فنِ طب کے خلاف علمِ طب سے مراد علمِ افعالِ الاعضاء، طبعیات، کیمیا، نباتات وغیرہ کے وہ اصول و قوانین ہیں جن پر فنِ طب کا دار و مدار ہے، دقت علیٰ ہذا،

علمِ تعلیم و فنِ تعلیم کی تفریق بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، یعنی علمِ تعلیم عبارت ہے ان علوم کے قوانین و اصول کے وغیرہ سے، جن قوانین و اصول پر فنِ تعلیم کا مدار ہے، علمِ تعلیم کا مایہ خیر کم سے کم حسب ذیل علوم ہیں،

۱۔ علم النفس،

۲۔ علم الاخلاق،

۳۔ علم حفظانِ صحت،

۴۔ علم افعالِ الاعضاء،

تعلیمی نقطہ نظر سے ان علوم کی شیرازہ بندی، علمِ تعلیم کی تدوین کا دوسرا نام ہے، چنانچہ بچہ کے نفسی حالات، سن و سال کے اعتبار سے قوائے ذہنیہ کا نشو و نما، تعلیم کا اخلاقی نصب العین، جسمانی قوت اور لنگہ ترقی و انحطاط کے اسباب، علمِ تعلیم کے مہمات موضوع ہیں،

فنِ تعلیم کا موضوع بحث چیدہ اور آزمودہ دستور و طریقِ تعلیم ہے، انگریزی، حساب، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ پڑھائی کی بہترین صورتیں، اور مدرسہ کے نظم و ضبط کے کامیاب طریقے فنِ تعلیم کی جان ہیں،

مشرق و مغرب | چونکہ ارتقاءِ انسانی کی پہلی منزل فطرۃً جسمانی ترقی، دوسری منزل فطرۃً ذہنی ترقی اور تیسری منزل فطرۃً اخلاقی ترقی ہے، لہذا ہم تعلیمِ انسانی پر اسی ترتیب سے بحث کریں گے، یعنی اول جسمانی نقطہ نظر سے، دوم ذہنی نقطہ نظر سے، اور سوم اخلاقی نقطہ نظر سے، لیکن یہ تمام مباحث

ہندوستان کی معاشرت اور اسکے موجودہ حالات و حاجات کے تابع ہونگے، پوربین فلسفہ تعلیم کے اصول و ہدایات کی آزمائش کا میدان خود یورپ ہو سکتا ہے، نہ کہ ہندوستان، ہندوستانی، بچہ کے تعلیم کے اصول یورپین بچہ کے تعلیم کے اصول سے اسقدر مختلف ہونا چاہئیں، جبکہ ایک ہندوستانی بچہ اور ایک یورپین، بچہ کے درمیان جسماً و ذہناً اور اخلاقاً اختلاف ہے، یورپ کے پرستار مغربی فلسفہ تعلیم کا تختہ نشین ہندوستان کو بناتے ہیں، اور خلاف توقع نتائج و اثرات پر تعجب کرتے ہیں حالانکہ کفدر بدیہی ہے کہ جب تک مشرق، مشرق اور مغرب، مغرب ہے مشرق کو مغرب کے قالب میں ڈھالنا اسقدر محال ہے جبکہ مغرب کو مشرق کے قالب میں ڈھالنا، ایک دوسرے کی جزائی تاریخی عمرانی خصوصیات اسقدر متباہن ہیں کہ ایک ہی ذوالدونوں مزاج کے موافق آنا محض تعجب ہے نہ کہ عمل توقع مستحیات سے بے نکتہ کلیات سے،

اس بنا پر دونوں ملکوں کی جسمانی تربیت کے اصول میں جبکہ فرق ہو نا چاہیے ظاہر ہے، حفظان صحت کے بعض اصول جو یورپ کی صحت کے ضامن ہیں، ہندوستان کے حق میں سراسر صحت انگن بد احتیاطیان ہیں، اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر ہم سب سے پہلے بچہ کی جسمانی تعلیم کی جانب رجوع کرتے ہیں،

جسمانی تربیت

غذا جو بخوبی ہضم اور جزو بدن ہو جاتی ہے، دو فائدہ مرتب کرتی ہے،

(۱) بدل یا تحلیل، اعضا اور عضلات کی بامیدگی اور انکی فرسودگی اور ٹوٹ پھوٹ کی مرمت،

(۲) حرارت غریزی کا قیام، اور قوت کی پیدائش،

اس بنا پر غذا کی تین قسمیں ہوئیں، یعنی ایک وہ جس سے محض ہمارے پیٹھے گوشت اور ہڈی بنتی ہیں

دوسرے وہ جس سے محض حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسرے وہ جو پیٹھے بھی بناتی ہے اور حرارت بھی

پیدا کرتی ہے،

اطباء غذا کی تین حالات قرار دیتے ہیں، جامد، سیال اور ہوائی، ہوائی غذا آکسیجن گھسی ہے جسکو ہمہ وقت ہم سانس لیتے ہیں باقی ماندہ غذاؤں کے اجزاء ذیل ہیں،

(۱) لمحات (پروٹینز) مثلاً انڈے کی سفیدی، ان سے پٹھے وغیرہ بنتے ہیں،

(۲) مدھنات (فیٹس) مثلاً گھی، کہن، دودھ، یہ حرارت پیدا کرتے ہیں،

(۳) نشاسجات (اسٹارج) چاول، گیہوں وغیرہ یہ بھی حرارت آفرین ہیں،

(۴) لمحات (سالتز) یعنی نمک جو ترکاریوں میں بناتی حالت میں پایا جاتا ہے، نیز معمولی نمک ہضم غذا میں مدد دیتا ہے،

(۵) پانی، غذا کو ہضم کرنا اور فضلات کے اخراج میں گردن کی امداد کرتا ہے،

غذا ان تمام اجزاء کا مناسب مرکب ہونا چاہیے، اگر کوئی جزو غیر معتدل طور پر زیادہ ہوگا تو نقصان پہنچے گا، ہندوستان کی آب و ہوا کے لحاظ سے جوان آدمی اور بچہ کی غذا کی مقدار نمک اور پانی کے علاوہ یہ ہونا چاہیے،

جوان آدمی	بچہ
(۱) لمحات -	ڈبائی چٹانک (۱) لمحات -
(۲) مدھنات -	ڈیڑھ چٹانک (۲) مدھنات -
(۳) نشاسجات -	سارے سات چٹانک (۳) نشاسجات -

معمولی غذا میں یہ سب اجزاء موجود ہوتے ہیں، ہندو جو گوشت یا انڈا نہیں کھا سکتے، لمحات کی ضروری مقدار دیگر اشیاء سے حاصل کر سکتے ہیں، اصل شے ان سب کا باہمی توازن ہے،

مختلف غذاؤں میں اجزاء کے اوسط نقشہ کی شکل میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے،

اس نقشہ کی مدد سے کافی و مناسب غذا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

عام غذاؤں میں اجزائے تغذیہ کا اوسط فی صدی

غذا	لحمات	مدھنات	نشا سجات	لحات	پانی
دال	۲۳.۵۰	۲.۳۳	۵۶.۶۷	۳.۶۰	۱۴.۵۰
چاول	۷.۵۵	۵.۵۵	۷۷.۵۰	۵.۵۵	۱۴.۵۵
گھی	۲.۵۰	۸۸.۶۰	۰.۰۰	منفعل	۸.۵۰
روٹی	۸.۵۰	۱.۵۵	۴۹.۶۲	۱.۵۳	۴۰.۵۰
آلو	۱.۶۲	۵.۳۳	۲۲.۵۵	۱.۶۰	۷۵.۵۰
ہری ترکاری	۱.۵۵	۵.۵۵	۷.۶۸	۱.۵۲	۸۹.۵۰
گوشت	۲.۵۵	۳.۵۵	۰.۰۰	۱.۵۴	۷۹.۵۴
چھلی	۱۸.۵۱	۲.۶۹	۰.۰۰	۱.۶۰	۷۸.۵۰
دودھ	۳.۶۴	۳.۶۸	۵.۵۰	۰.۵۸	۸۷.۵۰

مدھنات اور نشا سجات چھوٹے بچوں کے لئے از میں ضروری ہیں، چونکہ ایک ہی قسم کی غذا بار بار ہوجاتی ہے، اسلئے ایک روز لحمات زیادہ کھانا چاہیئے اور دوسرے روز نشا سجات،

ہندوستان میں غریب بچے ہو کون مرتے ہیں اور امیر زادہ حد سے زیادہ کھا جاتے ہیں، صحت پر اس قلت و کثرت دونوں کا اثر کیسا بڑا پڑتا ہے، اور مدرسہ کے کثیر التعداد قابل افسوس مظاہر کا مشہدہم اور ناکامیوں کا سبب اصول تغذیہ سے بے اعتنائی یا لاعلمی ہے،

آرام بہ طعام | جس طرح مٹین کے کیل پر زدن کو حرکت کے وقت تیل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اعضا

جسم کو خون کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر خون کی رسد ناکافی ہوگی تو یہی نہیں کہ حسب دستور نسل میں خلل

پڑے گا بلکہ وہ عضو بھی خراب جائیگا،

درزش کے وقت خون کا بیشتر حصہ چھون میں ہوتا ہے، مطالعہ کے وقت دماغ کے اندر خون درکار ہوتا ہے، جو وقت کھانا کھاتے ہو خون معدہ میں مطلوب ہوتا ہے، اسی لئے کھانے کے بعد درزش ممنوع ہے، چونکہ نظام ہاضمہ کو خون کی بڑی مقدار کی حاجت ہوتی ہے، درزش کے تقاضہ سے خون چھون میں آجاتا ہے، اور جب خون اس طرح دو جگہ تقسیم ہو گیا تو معدہ اپنا فعل اچھی طرح نہیں کر سکتا اور لازمی نتیجہ سوء ہضم ہوتا ہے، علی ہذا کھانے کے بعد فوراً پڑھنا بھی نہیں چاہیئے، اسلئے کہ معدہ اور دماغ کی باہمی کشاکش پھر مین دونوں کی خرابی کا باعث ہوتی ہے،

بعض اطباء کھانے کے بعد مٹی کی صلاح دیتے ہیں، لیکن علم افعال الاعضاء کا مشورہ اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسکے ہدایت کے مطابق کم از کم ایک گھنٹہ طلقاً آرام کرنا چاہیئے،

لباس | ہندوستان کے موسمی حالات کے لحاظ سے لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ جبین ایک طرف تو گرمی سرایت نہ کر سکے، اور دوسری طرف اس میں پسینہ خوب جذب ہو سکے، گرمیوں کی ٹواہر برسات کا پسینہ بہت سے مصدوموں کی موت کا اصلی سبب ہے، جاڑوں کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جو جسم کی حرارت کو قائم رکھ سکے، یعنی باہر نکلنے نڈے، یہ الفاظ دیگر ہر موسم کے لباس میں دو اہم صفیتیں پائی جانا ضروری ہیں،

(۱) لباس ایسا ہو کہ جبین حرارت سرایت نہ کر سکے، نہ اندر سے اور نہ باہر سے، خارجی گرمی سے جسم کو محفوظ رکھے اور داخلی گرمی جسم سے نکلنے نڈے، حکمیات کے اصطلاح میں ایسے مادہ کو عبیر النفوذ (بیڈ کنڈکٹر) کہتے ہیں،

(۲) جو پسینہ نکلے اُسے فوراً جذب کر لے،

کپڑوں میں ریشم اور اون دو ایسی چیزیں ہیں جن میں یہ دونوں صفیتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، یعنی عبیر النفوذ بھی ہیں اور جاذبِ رطوبت بھی، گرمی اور برسات میں ریشمی شلوکہ اندر پہنا چاہیئے، اور

چاروں میں دبیز اونی سینہ بند، اوپر کا لباس گرمیوں میں سوتی اور جاڑوں میں اونی ہو سکتا ہے لیکن اندر کا لباس کسی حال میں سوتی ہونا چاہیئے،

ہندوستان کے لئے سفید رنگ کا لباس زیادہ موزوں ہے، اسلئے کہ سفید رنگ نمازِ آفتاب کی مدافعت میں بے مثل ہے، لیکن ہندوستان کی فرنگی مابی کا تقاضا دوسری جانب ہے بڑے شوق کے ساتھ رنگین سوٹ پہنے جاتے ہیں، اور بعض جٹلین تو سخت گرمیوں میں اونی سوٹ پہنتے ہیں، قطع نظر اسلئے کہ رنگین کپڑا بہت جلد گرم ہو جاتا ہے، ہندوستان کے مشور گرد و غبار کے لئے بھی اسکا دامن قدرۂ حمایت وسیع ہے، پہنے والا اسکو صاف سمجھ کر پہنے جاتا ہے، حالانکہ اسکی کثافت مملک امراض کے جراثیم کا کشتزار بن چکی ہے، ہندوستان میں اشد شہید ضرورت کہ لباس نہایت صاف، ستھرا اور پاکیزہ رکھا جائے، اسلئے کہ گرم ملک ہونکی وجہ سے پسینہ کثرت سے آتا ہی اور پسینہ میں فاسد مادے بالبر خارج ہوتے رہتے ہیں،

صفائی | کمال میں دو قسم کے مسامات ہوتے ہیں، ایک سے پسینہ خارج ہوتا ہے اور دوسرے سے ایک چمکا مادہ نکلتا رہتا ہے یہ اسلئے کہ جلد ملائم رہے، گرم ملکوں میں جسم بہت جلد میللا ہو جاتا ہے، اسلئے کہ پسینہ بہت نکلتا ہے، پسینہ میں جھقور پانی کا جزو ہے، وہ تو خشک ہو جاتا ہے، لیکن فضلات جسم اور نمک کمال پر چپے رہ جاتے ہیں، نیز باہر کی خاک چکھنے مادہ سے مل کر مسامات کا منہ بند کر دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے فضلات خارج ہونے نہیں پاتے، خون خراب ہو جاتا ہے، پھر ٹان نکل آتی ہیں اور ان اعضا پر جبکہ فعل جسم کو نجاسات سے پاک کرتا ہے، مثلاً پھیپڑے اور گردے، ان پر خون کی خرابی کی وجہ سے زیادہ بار پڑ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ ضعیف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دن بالکل جواب دیدیتے ہیں، علاوہ برین جلد کا ایک فعل یہ ہے کہ سردی اور گرمی سے خون کو ضبط کر دیتی ہے جہاں سردی معلوم ہوئی خون فوراً اندر دوڑ جاتا ہے، اوپر نہیں رہتا، لیکن جب جلد نہایت کثیف ہو جاتا ہے

تو صحیح احساس نہیں ہوتا، خون اوپر ہی دورہ کرتا رہتا ہے، اور سردی لگ جانے سے صدمہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں،

چنانچہ صحت کا دار و مدار بہت کچھ جسم کی صفائی پر ہے خصوصاً بچوں کی لیکن انکی صفائی کی جانب جعفریات کی ضرورت ہے، اسبقہ غفلت برتی جاتی ہے، مہندستان میں مدارس کے کیف مناظر اسکے شاہد ہیں، بلاشبہ بچوں کو نہلانے دھلانے کی ذمہ داری تمام سڑاؤں پر عاید ہوتی ہے، اور چونکہ یہ بحث دراصل مسئلہ تعلیم نسوان کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا ہم قلم انداز کرتے ہیں،

الغرض جسم کا میل بلاناغہ روزانہ دد کرنا چاہیے، اور چونکہ اسکے اندر چکنا مادہ شریک ہوتا ہے اسلئے صابن سے دھونا چاہیے، صابن میں سوڈے کا جزو ہوتا ہے اور سوڈا دہنی مادہ کے ساتھ حل ہو کر میل کو جسم سے چوس لیتا ہے، نہایتکے بعد جسم کو تولیہ سے خوب رگڑ کر خشک کرنا چاہیے، بیماری کی حالت میں اگر نہانہ سکو تو کم از کم پاؤں، جاگلہ اور بغل دھو ڈالنا چاہیے، پاؤں کثافت کی جمع ہو جانکی خاص جگہ ہے، سوتے وقت بلاناغہ دھونا چاہیے، پاؤں دھونے سے میذ خوب آتی ہے، اور غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے،

دانتوں کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے، صبح، سوتے وقت اور کھانا کھانیکے بعد دانت ضرور مانجنا چاہیے، دانتوں میں جو غذا رہ جاتی ہے وہ سڑ کر زہر بن جاتی ہے، لوگ یورپ کی تقلید میں برش سے دانت صاف کرتے ہیں، لیکن برش بہت جلد خراب ہو جاتا ہے، دانتوں کا میل اس میں اگر سڑتا، گھلتا، اور زہر بنتا ہے، اور اگر اسکے استعمال میں جاہلانہ شوق سے کام لیا جائیگا تو عنقریب دانت کو میل سے صاف کرینکی جگہ منہ کو دانتوں سے صاف کر دیں، زہور کا کام دیں،

اشتہاری منجھون سے بہاگنا چاہیے، غریب طاہل علم کے لئے کوئلہ اور نمک بہترین منجھ ہے، بہ نسبت یورپ کے مہندستان میں ناخون کی صفائی کی جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے،

اسلئے کہ کمانا ہاتھوں سے کھایا جاتا ہے، ناخن زیادہ بڑھے نہینا چاہئیں، اور انکے اندر خال کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ میل جمع ہونے پائے،

ہندوستان جیسے ملک میں چاہیئے تو یہ تاکہ اندر کا لباس روزانہ تبدیل کیا جاتا، لیکن کم استطاعت لوگوں کے لئے ایسا کرنا دشوار ہے، بہر طور کم از کم دو جوڑے ہونا چاہئیں، شب کو وہ کپڑا جو دن بھر اندر پہنے رہے ہو پہیلا دتا کہ ہوا آکھین کے عمل سے اسکو صاف کر دے، دوسرے تیسرے دن پانی اور صابن سے بھی دھو ڈالنا چاہیئے،

درزش بالمرہ درزش صحت کے واسطے لازمی ہے، جسم کی کثافتیں خارج ہوتی ہیں، معدہ اپنا فعل متعدی کے ساتھ کرتا ہے اور جسم فریہ ہوتا ہے، اعتدال سے تجاوز ہر حال میں برا ہے، اور درزش بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، چھوٹے بچوں کو ڈرل کرنا چاہیئے اور بڑے بچوں کے لئے جمناسٹک اور کھیل زیادہ مفید ہیں، اسلئے کہ ان سے نفسی و اخلاقی صفات کی نشوونما میں مدد ملتی ہے، مثلاً غم، جرات، توبہ، ہمدردی، ایثار وغیرہ جمناسٹک اور کھیل بچہ کو اس عمر میں اختیار کرنا چاہیئے، جب اخلاقی و ذہنی کلی کے کھلنے کا موسم ہو، قبل از وقت اور بعد از وقت عبت ہوگا۔

انار علیہ السلام

سرید کے چند خطوط

بنام

مولوی سید شرف الدین صاحب لمبی (گیا، صوبہ بہار)

مخدومی مکرئی سید شرف الدین صاحب لمبی عظیم آبادی

آپکا نوازشاہ چچا، ممنون عنایت ہوا، جو خیال آپکا میری طرف ہے وہ صحیح نہیں ہے، اسکو دل سے دور کر دیجئے، میں صرف ایک گنگا رشر سارا دی ہوں، ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی مجھ گنگا ر سے ہزار درجہ بہتر ہے اپنے مجھے سوال کیا ہے اگر جو فرض اسکے آپ بھی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو میں نہایت خوشی سے اسکا جواب دیتا،

۱۔ نماز بیچگانہ فرض ہے یا نہیں؟

۲۔ ہر مسلمان کو عالم ہو یا جاہل، درویش ہو یا دنیا دار نماز بیچگانہ اسکو فرض مذہبی سمجھکر ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟

۳۔ جو مسلمان اسکو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہیں، بلاشبہ کافر ہے،

۴۔ نماز نہ پڑھنے یا قضا کر دینے سے مسلمان گنگا ر ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں؟

۵۔ نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہوا اور اپنے تین گنگا ر سمجھتا ہوا، اور سخت گناہ کا مرتکب

تسلیم کرتا ہو وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے،

۶۔ اُسکے ساتھ یہ بھی سوال کرو جو لوگ مسجد میں جاتے ہیں اور اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ

لوگ انکو نمازی اور نہایت پاک سمجھیں انکا کیا حال ہے،

میرے نزدیک جمع ہیں اہل صلوٰۃ میں جائز ہے، میں ایک گنگا ر آدمی ہوں نماز پڑھتا بھی ہوں قضا

بھی ہو جاتی ہے، جب تقنا ہو جاتی ہے شامت اعمال سے اسکی ندامت ہوتی ہے، اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہوں، خدا سے معافی چاہتا ہوں،

جس شخص نے آپ سے کہا کہ میں نماز مغرب میں جو مسجد مدرسہ میں ہوتی ہے، شریک نہیں ہوا، سچ کہا ہے، کیونکہ جب تک میں مدرسہ سے واپس نہ آؤں اور کپڑے نہ تبدیل کروں وہ کپڑے نمازی نہیں ہوتے بہر حال میری اندرونی تفتیش محض بیجا ہے، نہ میں مقدس ہوں نہ مقدس ہویکا دعویٰ ہے، نہ کییکا ہادی بنا چاہتا ہوں، ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا، البتہ مسلمانوں کی مہلانی اور زنی خیال ہے اس میں کوشش کرتا ہوں، والسلام خاکسار

سید احمد، علی گڑھ

۲۔ اگست ۱۹۹۲ء

مخدومی کمری مولوی شرف الدین صاحب،

آپکا نوازش نامہ پھنچا، رسالہ جن و تحریر فی اصول التفسیر روانہ خدمت ہو چکا، جس کتاب کی تحریر کی ضرورت آپ نے تحریر فرمائی ہے بلاشبہ بہت ضروری ہے، کوئی شخص ایسا ہو جسکو جمیع مذاہب اسلامیہ سے نہ محبت ہو نہ عداوت، بلکہ سچے مورخ کی طرح صہلی حالات کو بیان کرے، خدا کسی کو ایسی توفیق دے، میں تو جب تک سری تفسیر ختم نہ کرے کوئی بڑا کام اختیار نہیں کر سکتا، میری نسبت تو لبیب میری تصنیفات کے فتوایے کفر ہو چکے ہیں، آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں، آپ پر بھی فتوایے کفر ہو جائیں گے، رسالہ استیجاب دعا علیحدہ لکھا ہے، اسکو بھی ملاحظہ فرمائیے، خطوط سب میرے نام ہوں، میں خود قلم کی گنگا

والسلام خاکسار

سید احمد

۴۔ فروری ۱۹۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب لمبئی

آپ کا نواز شہ نامہ مورخہ ۱۱۔ فروری میرے پاس پہنچا، آپ نے جو الفاظ اپنی عنایت سے میری نسبت لکھے ہیں، انھوں نے مجھے تکلیف دی، براۓ خدا مجھ کو امام نہ سمجھے بلکہ احسن الانام کا لانعام سمجھے، آپ نے لطیف بات لکھی ہے کہ علماء تبادین کہ جن ممدی ہوں یا دجال، میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ علماء نے میرے دجال ہونے پر فتویٰ دیا ہے، میں تلاش کر دوں گا اگر اتنا تو اسکی نقل آپ کے پاس بھیج دوں گا، والسلام
خاکسار سید احمد

۱۵۔ فروری ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب لمبئی

عنایت نامہ پہنچا، نسبت جواب کے ایک بہت بڑا معنون تفسیر جلد پنجم میں بذکر خواب ہاں حضرت یوسف و فرعون وغیرہ مندرج ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے،
بیعت کی رسوم ظاہری لغو و بیچکارہ ہیں، صرف ارادت رہبر مقصود ہے، حقیقت بیعت پر میرا رسالہ ہے، جو مجموعہ تصانیف میں پہنچا ہے، اسکو دیکھیے،
بیعت مسندہ جسکی تفصیل میرے رسالہ میں ہے دو شخصوں سے یا متعدد اشخاص سے کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

والسلام خاکسار

سید احمد

علی گڑھ - ۲۰۔ فروری ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی

تفسیر صرف سورہ النحل تک چھی، اس سے اگلی سورتوں کی تفسیر لکھی گئی ہے، مگر ابھی تک چھپنے کی

نوبت نہیں آئی، خدانے چاہا تو عنقریب چینی شروع ہوگی، سید محمد محمود نے جو اپنیجہ آباد کے قیدی تھیں
 کی حق دے صرف زبانی حق، وہ کھلی گئی اور نہ چھپی ہے، مجھے تو یہی یاد ہے، مگر حال میں سید محمود نے
 کانفرنس میں ایک بے نظیر لکھ دیا ہے انگریزی تعلیم پر اور دکھایا ہے کہ مسلمانوں نے اس سے کس قدر
 فائدہ اٹھایا اور ہندوؤں نے کس قدر راز دہی گرام بنا کر انکوں سے دکھایا ہے، وہ چپ جائیگا تو ایک
 کاپی خدمت عالی میں بھیجینگا،

دس قطع اشتہارات در باب اجرا سے تہذیب الاخلاق مرسل خدمت میں، از راہ مہربانی
 آنکود دستون میں تقسیم فرمادیجئے،

والسلام خاکسار

سید احمد

علی گڑھ، ۲۰ فروری ۱۹۹۲ء

(بقیہ مطبوعات جدیدہ)

انقلاب

اخباری حثیت سے لاہور اور کلکتہ آج آگیا، لیکن اب لکھنؤ اور خاصکر دہلی آباد ہو رہی ہے
 حال ہی میں ہفتہ وار انقلاب جناب عارف عثمانی اللہ کے زیر ادا رت دہلی سے شائع ہونا شروع
 ہوا ہے، ابھی چند پرچے اسکے شائع ہوئے ہیں، لیکن انہیں کوہیکریہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ اخبار انہیں کی
 سطح کو بلند کرنا چاہتا ہے۔ سیاسی مضامین مناسب بحث و تقریر کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں سچہ سیاست
 ہند میں ملک کی خواہشوں کا شدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسلامی مسائل خصوصیت کے ساتھ کچھ صفات میں
 زیر بحث رہتے ہیں، الکمانی چپالی بہت صاف اور اچھی نوعیت، مضامین مناسب اور ترتیب بھی عمدہ ہوتی ہے،
 ۸ صفحہ، قیمت سالانہ ۳۰ پتہ: کوچہ چلیان، دفتر انقلاب دہلی -

البیاء

مستی چشم تبان ساغر شرار داشت نشه ر داشت و لے نشه بسیار داشت
 نامه دوست که صد بار بخاندنم آن را ذوقا داشت و لے لذت گفتار داشت
 گرچه در جلوه گهت موسی عمران برسد لیک آن نیز بخلوت که تو بار داشت
 این همه رو و قبولی که بود که دوش حرف انکار تو هم معنی انکار داشت
 ذوق از زندگی خویش چه برد؟ آید آنکه خط مکره داشت و لے بار داشت
 دل و دین باخته است مانند کبوت چرن مدعا داشت و لے از در دیوار داشت
 رونق شهر در گشت چو یوسف آمد پیش ازین بهر چنین کچه دینار داشت
 زاهد، خیر از جلوه زلف و قد و دست بود منصور و لیک رسنم دار داشت
 گه که از ما به ثبات قدم خویش برود آنکه در کچه تو طاقب رفتار داشت
 واسه بر دیده شوقم که مژگان نگاه دامن داشت در دولت دیدار داشت
 در بساط دل طایح در عالم انداخت عشق زان پیش که اندازه و پکار داشت
 از دل ندوی و مژگان ازت آفت ارتباطی که بهم آید و خا ر داشت

عبد السلام ندوی

— ۲ : ۲ : ۲ —

قدوزدن تو یک سرو بگلزار داشت شیوه چشم تو یک نگرس یار داشت
 گرچه صد جام بکف لاله می داشت باغ لیک چون چشم تو یک ساغر شرار داشت
 نقش نبیات که شد مایه تسکین دلم شیوه داشت و لے شیوه گفتار داشت

پرزادِ اوازہ عشقِ من تو گشت جان
این نوا پیش ازین گنبدِ دوازِ داشت

واعظِ شکرِ دی جلوه بمنبر میکرد
صد سخن داشت مگر یک ہم انداز داشت

رازِ عشقِ ہمہ در کوچہ و بازار افتاد
شکرِ صد شکر کہ دل پرده پندار داشت

ہر کہ در صحبتِ یار سے می گلزارِ نچزد
نقدِ فصاحتِ بلفش بود و سہ کار داشت

شوقِ راہین کہ برد کار ز اندازہ بردن
جلوہ میخاست دلے طاقت دیدار داشت

تا سر زدن این غلغلہ عشقِ بدہر
حسنِ خود گری می نگامہ بازار داشت

بسکہ یک یک بشمرم خم زلفش آن
کہ شکن در شکن آن طرہ طرہ داشت

دوش آن ساقی سرت بجا می سخت
آن سے تند کہ در میکدہ خارا داشت

انجن را چہ دم شرح چہ برگ است پیاز
ردق کار کش اسال بُد پار داشت

حرف ز لفظہ آن شوخ ہم می سخت مگر
نامہ برد نہ ولا دیزی گفتار داشت

حیف حدیث کہ نیر بہ منزل دست

پائے بیداشت دلے طاقتِ قرار داشت

ابوالحسنات ندوی

مساوات فاروقی

ہیر المؤمنین حضرت عمر کے عہد میں اک دن
کیا دعویٰ آئی تھی کہ آپ پر دائرۃ العزت میں

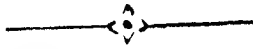
قضا کے منصب عالی پہ ماورائے نابت تھے
اعوان نے حاضری کا حکم بھیجا انکی خدمت میں

ہوے حاضر وہاں تو زین نے تعلیم دی انکو
کہا حضرت عمر نے یہ نہیں چاہئے شریعت میں

خطا پہلے تمہاری تو ہی ماسے بن ثابت ہے
کہ غفلتِ عدل سے کی آگے مرعب ظافرت میں

یہ فرما کر اُن کے پاس ہی وہ خود بھی جا بیٹھے
کہ داخل تھی مساوات اُنکی عادت میں طہنیت میں

تہا دعویٰ بے دلیل اُنکا، نہین اُنکا ردِ دعویٰ
 قہم دین اُنکو یہ سوچا اُنی نے ایسی صورت میں
 ادب ملحوظ امیر المؤمنین کا ہتا جو قاضی کو
 کما ایسی رنگت اُجی کر دھرت کی خدمت میں
 جہین مل فاروقی پہ بل پڑنے لگے فوراً
 کما اویذ یہ تم حق پر نہین تہم اس عایت میں
 قہم دینے نہین ہنکر کو اسکا تکلوح کیا ہے
 خطایہ دوسری سرزد ہوئی تم سے عدالت میں
 تماری ہے ہی حالت اگر جی عایت کی
 تو اس منصب کے تم قابل نہین ہوی صورت میں



یہی وہ اسوہ فاروقِ عظیم ہے کہ اک عالم
 مثالین اسکی سُن کس غرق ہو دریا کھیرت میں
 نظیر اسکی نہین ملتی سادات عدالت میں
 نظر ڈالو تم حق سے ذرا تاسخ عالم پر

حامد حسین قادری پچھرا لونی

ایڈیٹر اخبار سعید کان پور

غزل

مرزا تاقب قزلباش لکھنوی

دل سے میں کہہ رہا ہوں تجھ پر ہوا فدا میں
 دل مجھے کہہ رہا ہے او بیخبر جلا میں
 تڑپا دیا ہے دل کو شائبش ہمعصیرو
 یونہین پھراک صدا دوٹو ناقص چلا میں
 وہ نفع کی خوشی جا ہم جان نہا تھی
 اک عمر کی کہانی دم بھر میں کہہ گیا میں
 دیرانہ نقص میں باتیں کرنا تو کس سے
 پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا میں
 دل کی جراتوں کے مرہم کہاں لادوں
 پستار بادہ دامن جسکو سیا کیا میں
 پھراور کس طرح سے اُجڑے مکان کو سمجھا
 قصر لحد میں اگر تصور ہو گیا میں
 انکی رضا پہ مرنا اک قہم زندگی تھی
 اپنے دل حزن سے پھر کیوں ہوا خفا میں
 تہرون پہین نے پھینکا تاقب دل دھکر کو
 کچھ اور تہا نہ ممکن شمعین چڑھا گیا میں

مطبوعات جامعہ جدیدہ

مسلمانانِ انڈس، مشہور مغربی مصنف اسٹینلی لین پول کی کتاب ”مورس ان ایپن“ کا ترجمہ جناب مولانا سید عبدالغنی صاحب دارثی بہاری مرحوم سابق مدوکار صدر محاسب ریاست حیدرآباد نے کیا تھا، اور حال میں مترجم مرحوم کے انتقال کے بعد مطبعہ الناظر لکھنؤ نے یہ کتاب شائع کی ہے۔

مصنف نے مغربی مذاق تصنیف کے مطابق اپنی کتاب کے ابتدائی ابواب میں انڈس کی قدیم تاریخ مسلمانوں کے داخلہ سے پہلی کی حکومت اور اسکے طریق حکومت سے بقدر ضرورت اعتنا کیا ہے، جس سے اسلامی فتوحات پر بھی کیف قدر روشنی پڑتی ہے، مسلمانانِ امریکا انڈس، انڈس کا پانچواں خلافت سے تعلق و انقطاع اور اسکا اثر و دمشق کی خلافت کا بنو عباس سے نکل کر بنو عباس کے قبضہ میں جانا، پھر انڈس کا استقلال حکومت، ان تمام بیانات میں مصنف نے ان تمام جزوی دکی امور کا استقصا کیا ہے، جس سے انڈس کی مکمل تاریخ عمداً بعد کی ترقیان اور انقلابات کا نقشہ آئینوں کے سامنے چھڑ جاتا ہے، ہر واقعہ کے اصلی اسباب و علل پڑھنے والے کو یک نظر معلوم ہو جاتے ہیں،

مترجم ہر ذی قدرت ترجمہ کا یہ کمال ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے وقت ذرہ برابر اسکا احساس نہیں ہوتا کہ دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، زبان کی سلاست و روانی، طرز ادا کی صفائی و بے تکلفی سے ترجمہ پر اصل کتاب کا دھوکا ہوتا ہے، چونکہ مترجم مرحوم انگریزی و عربی دونوں زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے، اسلئے مقامات و اداوی دریا پہاڑ اور اسلئے رجال وغیرہ میں ایسی غلطیاں بھی نظر نہیں آتیں جیسی عموماً اسلامی تاریخوں کے مترجم انگریزی میں مرتبین کرتے ہیں، صفحہ ۲۰۸ قیمت غیر پتہ: الناظر لکھنؤ،

نتائج بعثت، تحریر و تقریر دارالعلوم ندوہ کے طلباء کی عام خصوصیت ہے، اور وہ جہاں بھی جو ہیں اپنی خصوصیات کے نمونے پیش کرتے ہیں، نتائج بعثت بھی ایک ندوی کی تحریری خصوصیت کا نتیجہ ہے،

سالہ میں مجلس میلاد البنی سکندر آباد نے علیگڑھ کالج، دارالعلوم دیوبند، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ
عابدیہ کلکتہ، سہارنپور، دہلی، اور ریاست حیدرآباد کے تمام مدارس اسلامیہ میں یہ عام اعلان بھیجا تھا کہ
وہاں کے طلبہ نتائج کثرت پر مضامین لکھ کر بھیجیں، جسکا مضمون بہترین ثابت ہوگا اسکو ایک طلائی
تمغہ انعام دیا جائیگا، مولوی خواجہ ابوزیر منظور احمد ندوی متعلم جامعہ الہیہ کانپور کی تحریر میرا امتحان پر پوری
اتری اور وہ طلائی تمغہ انکودیا گیا، وہ تحریر اب رسالہ کی صورت میں شائع کی گئی ہے، توحید، تکمیل، اخلاق،
تمدن، مساوات، مذہبی بے تعصبی، حکومت جمہوری، اور عبادات وغیرہ اس بحث کے اجزاء ہیں، بہاؤتک
مباحث کا تعلق ہے یہ مضمون علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلام کو پیش نظر لکھ کر لکھا گیا ہے اور اچھا لکھا گیا ہے
تسل و ترتیب مناسب ہے، طرز بیان بھی بہت معقول ہے، لیکن زبان کی نسبت مضمون نگار سے
کنا ہے کہ وہ اس سے عمدہ اور سلیج ہوئی بنائیکی کوشش کریں،

صفحہ ۷۵، تقطیع چوٹی، قیمت ۶/۱، منیجر مکتبہ الہیہ کانپور،

ہاروت ماروت مولوی حبیب حسین صاحب حب نے اپنا ایک مدرس اس نام سے شائع کیا ہے
جس میں مشہور قصہ ہاروت ماروت کو اخلاقی حیثیت سے نظم کیا ہے، دنیا کی حالت، اہل دنیا کے اخلاق،
نفس انسانی کی خباثت وغیرہ کو دکھایا ہے، طرز بیان گو سہمی ہے لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہے، صاف اور
واضح ہے، بعض بعض جگہ بندشیں بہت سست واقع ہوئی ہیں، بلکہ بعض الفاظ بھی غلط استعمال کئے گئے ہیں،
مثلاً عرق (۳) و شرف (۷) حالانکہ نفع را ہونا چاہیے، اسی طرح فرش بجٹا ہوا (۵) یہ تشدید غلط ہے،
صفحہ ۷۲، قیمت ۴/۱، حاطہ موسیٰ خان یکم بازار حیدرآباد (دکن)

جلد سوم

ماہ مئی ۱۹۰۶ء مطابق شعبان ۱۳۲۵ھ

عدد پانزدہم

مضامین

۵۶۶ — ۵۶۲	مولوی عبدالماجد بی۔ اے	شذرات
۵۹۲ — ۵۶۷	مولانا ابوالکلام آزاد	مساجد اور غیر مسلم
۶۰۰ — ۵۹۳	مولانا عبد السلام ندوی	اسلام میں مختلف فرقوں کی نشوونما
۶۱۰ — ۶۰۱	مولوی عبد الرزاق ندوی	مصری کہانے
— ۶۱۱	مولانا حبیب الرحمن خان شروانی	غزل فارسی
۶۱۲ — ۶۱۱	جناب گرامی شاعر خاص حضور نظام	”
— ۶۱۲	مولانا آزاد سبجانی	غزل اردو
۶۱۳ — ۶۱۲	جناب عزیز گلشنوی	”
۶۱۶ — ۶۱۴		مطبوعات جدیدہ

مکالمات برکے

از مولوی عبدالماجد بی۔ اے

برکے کی ڈالگس کا ترجمہ چیکر تیار ہے، قیمت پندرہ روپے، باخلاف کاغذ،

”مینجر“



نشست

منصائب جنگ کا ہندوستان کے غریب مطالع پر جو اثر پڑا وہ محتاج اعادہ نہیں، کاغذ کا قطعہ، سامان طبع کی نایابی، کام کر نیوالوں کی تعداد میں قلت اور شرح اجرت میں اضافہ، ان سب دشواریوں کا بار بار بیان ہو چکا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ انگلستان کا متول و باثروت پریس انکی زد سے کس حد تک محفوظ رہا؟ اس کا جواب اعداد ذیل دینگے :-

سال	تعداد مطبوعات	سال	تعداد مطبوعات
۱۹۱۳ء (سال قبل جنگ)	۱۲۳۷۹	۱۹۱۴ء (سال آغاز جنگ)	۱۱۵۳۷
۱۹۱۵ء	۱۰۶۶۵	۱۹۱۶ء	۹۱۴۹
۱۹۱۷ء	۸۱۳۱	۱۹۱۸ء	۷۷۱۷

جب انگلستان کا پریس یہ این متول و ثروت اس قدر متاثر ہوا تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ناچار و قلیل بضاعت اہل مطالع کو جعفر جی دشواریاں پیش آئی ہوں بجا میں،

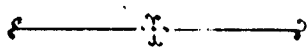
پروفیسر لارکن، ڈائریکٹر رصد گاہ کا یغورینا نے حال میں ایک امریکن پریس میں ایک دلچسپ و پر معلومات مضمون حالات آفتاب سے متعلق شائع کیا ہے جو نوائے یاس کی دسالت سے ہندوستان پہنچا ہے، پروفیسر مروف لکھتے ہیں کہ آفتاب جکا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے، دیگر اجرام فلکی کے مقابلہ میں بہت ہی چھوٹا کرہ ہے، تاہم اسکی جسامت کرہ ارض کی نسبت سے ۱۳ لاکھ ۱۰ ہزار گنی زیادہ ہے، اور اسکی موجودات مادی، بمقابلہ زمین کے

۳۰ لاکھ ۳۳ ہزار ۲۰۰ مربع زائید ہے، آفتاب کی عمر کا آفتاب اب بھل چکا ہے، یعنی اسکی حیات جیسی کا پڑا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور اب اسکی اخطا کا دور ہے،

موجودہ تعلیمت گورنر کے عہد حکومت میں ہمارا صوبہ متحدہ تعلیمی حیثیت سے غیر معمولی ترقی کر رہا ہے، متحدہ جدید کا بچوں اور یونیورسٹیوں کا نظام تیار ہو رہا ہے، سب بڑھکر یہ کہ گورنمنٹ تعلیم کی مد میں شاہانہ فیاضیوں کا اظہار کر رہی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۷۰ء کے تازہ بجٹ میں ۳۳ لاکھ کا اضافہ منظور کیا گیا جس سے تعلیمی بجٹ کی میزان ایک کروڑ چھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے، اس توجہ والی بات کے لئے ہر شخص ممنون ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ اس تعلیمی بجٹ کو تمدن ممالک کے تعلیمی بجٹ سے کیا نسبت ہے؟

انگلستان دو ملین کی مجموعی آبادی صوبہ متحدہ کی آبادی سے بقدر ایک کروڑ کے کم ہے، اس لحاظ سے وہاں کا تعلیمی بجٹ ۷۰-۵۰ لاکھ کا ہونا چاہیے نہ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۷۰ء میں وہاں کا تعلیمی بجٹ ۲۲ کروڑ کا تھا! اور رعایا کو اسپر بھی تسکین ہوئی، اخبارات نے سخت شور و غل برپا کیا، چنانچہ گذشتہ اگست میں جدید قانون تعلیم کا نفاذ ہوا، جس نے مصارف تعلیم پر کافی اضافہ منظور کیا!

اپنی پست فاسی کا احساس کرنا ہے تو کسی دیوبیکل کے پلو میں کھڑے ہو جانا چاہیئے۔



آغاز جنگ کے وقت جو لوگ مطالب اور انکے دفاتر سے تعلق رکھتے تھے، انکی مجموعی تعداد انگلستان میں دس ہزار تھی، ان میں سے پورے پانچ ہزار فوج میں داخل ہو گئے، خاتمہ جنگ پر ان میں سے جو اشخاص صحیح و سالم کام کر سیکے قابلِ واپس آئے، انکی تعداد تیس سے بھی کچھ کم نکلی! پریس سے زیادہ آبادی انگلستان کے کسی حصہ نے جنگ میں انہماک ملا یا ر دسرفروشی کا عملی غوت نہیں دیا۔

ہندوستان میں سالانہ جلسہ اب صرف قومی و سیاسی مجالس ہی کے نہیں ہوتے بلکہ چند سال
مختلف علی انجمنیں بھی اپنے سالانہ اجلاس کرنے لگی ہیں، اس قسم کی مجالس میں سب سے ممتاز انجمن سائنس کا گزرتا
جسکا اجلاس گذشتہ جنوری میں مشہور ڈاکٹر و مکشف سر یونارڈ راجس کی زیر صدارت بمبئی میں منعقد ہوا
اور علم الحیات، طبیعیات، ہیئت، زراعت وغیرہ کے متعدد مسائل پر محققانہ بحث ہوئی اسی زمانہ میں
انڈین میٹھیٹکل سوسائٹی (انجمن ریاضیات عند) کا دوسرا سالانہ اجلاس بھی بمبئی میں منعقد ہوا اور
ریاضیات سے متعلق دلچسپ مباحث درج پیش رہے، ان کے علاوہ بمبئی میں اکانولک کانفرنس (انجمن اقتصادیات)
اور کلکتہ میں انٹرنیشنل کانفرنس کے اجلاسات ہوئے۔ ان میں سے ہر انجمن اپنے اپنے دائرہ میں مفید و
قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے، اور یہ دیکھنا خاص طور پر مسرت ہوتی ہے کہ ان علی کا گزرتا میں
یہ سہ پہل کے دوش بدوش، بنگالی، مرہٹہ و پارسی فضلا بھی سرگرم عمل نظر آتے ہیں، ہم اپنے مہذبوں کو
اس ترقی پر مبارکباد دیتے ہیں، لیکن ہماری مسرت یقیناً بہت زاید ہوتی اگر خدا مان علم و فن کی اس
طویل فہرست میں مسلمانوں کے دو ایک نام بھی موجود ہوتے:

—:—:—

کانفرنسوں اور انجمنوں کے سلسلہ میں یوزک کانفرنس (انجمن موسیقی) بھی قابل تذکرہ ہے،
اس کے انعقاد کی ابتدائی تحریک ملک کے مشہور روشن خیال و علم دوست رئیس ہڑہانس گیکو ابرو داد نے
کی، چنانچہ ۱۹۳۷ء میں انہیں کی زیر صدارت دوسرے پرستی اسکا پہلا اجلاس ہوا۔ دوسرا اجلاس پٹنا ہوئے
دہلی میں زیر صدارت نواب صاحب رامپور منعقد ہوا، اور آئندہ اجلاس کے لئے بنارس کا مقام تجویز ہوا ہے
موسیقی درحقیقت ریاضی و فلسفہ کے ہم مرتبہ ایک نہایت اعلیٰ فن تھا، ہندو حکما کے نزدیک یہ فن خود
برہما (خالق کائنات) سے نکلا ہے، اور عبادت کی بہترین صورت ہے یونانی فلاسفہ انسانی نعمہ کو
صوت سرمدی کا عکس قرار دیتے تھے، مسلمانوں میں اکثر تصوفیائے کرام اسے وسیلہ عرفان سمجھتے ہیں

اور بعض حکماء اسلام (مثلاً فارابی) تو اس فن کے امام ہوئے ہیں، غرض موسیقی کی عظمت و اہمیت برہنہ مند قوم کو مسلم ہے، لیکن ہندوستان میں ایک عرصہ سے یہ فن جس گروہ کے ہاتھ میں ہے، اس نے اسکی ساری عظمت کو خاک میں ملا دیا ہے،

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است

بلکہ مے میشود از صحبت نادان بدنام

کاش اس کا نفوس کے ذریعہ سے اس مہذبہ فضلہ کی جلد اصلاح ہو اور یہ فن لطیف اپنا گزشتہ وقار از سر نو حاصل کرے۔

دولت و ثروت، اکل دنیا کی طرح یورپ میں بھی سنجیدہ مصنفین کے نصیب میں نہیں، علم و ادب کے بہترین خدمتگزاروں نے اکثر وہاں بھی تنگدستی بلکہ فقر و فاقہ میں بسر کی ہے، لیکن عموماً افسانہ نویس اس کلیہ سے مستثنیٰ رہے ہیں، اور ان مستثنیات میں سب سے زیادہ حیرت انگیز مثال فرانس کے نامور ناول نگار ڈوماکی ہے، اسکے ناول اس قدر مقبول ہوئے کہ رفتہ رفتہ وہ ایک نہایت متمول رئیس ہو گیا، ثروت و متول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سونے کی رکابیوں میں کمانا کھاتا تھا، اور دسترخوان اس قدر وسیع ہوتا تھا کہ اتنا کسی بڑے رئیس کا بھی بٹیکل ہوتا ہوگا، لیکن اس ”دولت قارون“ کے ساتھ ہی ہمت قائم رہی، ”میں اتنی غنی، ساری آمدنی احباب کے ساتھ حسن سلوک کے لئے وقف تھی، یہاں تک کہ طرف طلائی جھینجا بکے کمانا کھاتا تھا، اکثر انہیں کی مذکر دیتا تھا۔“

ہندوستان کے مصنفین کے لئے یہ واقعات ”داستان ظلم ہوشربا“ سے زیادہ اہمیت نہیں کہتے۔

پیرس کی مشہور علمی اکاڈمی نے سنہ ۱۸۷۷ء کے لئے متعدد علمی وظائف کا اعلان کیا ہے جنہیں سے اکثر کیلئے کسی ملک و قوم کی تخصیص نہیں، اور عنوانات اس کثرت سے رکھے ہیں کہ سائنس کا شاید ہی کوئی شعبہ

باقی رہ گیا ہو، ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، طبعیات، تشریح، طب، کیمیا، حیاتیات، ارضیات، وغیرہ سب مضامین قابلِ صلہ ہو سکے ہیں، طبعیات میں پہلا وظیفہ دس ہزار فرانک (چھ ہزار روپیہ) اس شخص کیلئے جو اس سال میں اس فن پر بہترین کتاب لکھے، ایک ہزار فرانک (چھ سو روپیہ) کا وظیفہ اسکے لئے ہے جو برقیات پر بہترین مضمون لکھے، دہائی ہزار فرانک (دویسہ ہزار روپیہ) کا وظیفہ اس شخص کے لئے جو قضاطیس یا علم البرق سے متعلق کوئی اجتہاد کرے، اور اسبق در رقم اس باشندہ فرانس کے لئے ہے جو برقیات میں کسی خاص کمال یا شغف کا ثبوت دے،

جس قوم میں علی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کے یہ طریقے رائج ہوں، اگر وہ حیرت انگیز ترقی کرے تو حیرت نہ کرنا چاہیئے۔

ہندوستان میں اس وقت قدیم ہندی علوم کے سب سے بڑے محقق پونڈ کے ڈاکٹر بھنڈارکر ہیں جن کا فضل و تبحر یورپ کے بڑے سے بڑے سنسکرت کوہی ستم ہے، انکے زیرِ اہتمام انکے قائم کردہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں نیم موعکہ الاط کتاب مہابارت، تصحیح و تہذیب کے ساتھ از سر نو شائع ہوئی ہوئی ہے، اس کام میں کئی سال لگیں گے اور ہزاروں روپیہ کا صرف ہوگا، صوبہ بمبئی کے ایک ہندو رئیس نے نصف مصارف اپنے ذمہ لئے ہیں، امید ہے کہ بقیہ نصف کی کفالت بھی ملک جلد سے جلد کر لیگا۔

— ۳۰۰ —

ہندوستان میں حکومت تعلیم پر جو خرچ کرتی ہے اسکا سالانہ اوسط فی کس سات آنہ پڑتا ہے، ہم اسکے مقابلہ میں امریکہ کی نظیر نہیں پیش کرتے، جہاں فی کس سالانہ اوسط مصارف ۱۷ شلنگ (بارہ روپیہ) ہے بلکہ ہندوستان ہی کی ایک ریاست کا نام لیتے ہیں جہاں اوسط مصارف نو آنہ فی کس ہے، افسوس ہو کہ یہ کوئی اسلامی ریاست نہیں بلکہ مغرب کی مرہٹی ریاست برمودہ ہے۔

مقالات

مساجد اور غیر مسلم

افادہ فاضل ہمام مولانا ابوالکلام

مسجد دن کی مجال میں مسلمانوں کی اجازت سے ہندوؤں کا شریک ہونا شرعاً جائز نہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ . بعض اخبارات نے مسلمانانِ دہلی و گلگتہ کے اس طرز عمل کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے کہ مسجد دن کی مجال میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا گیا، اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ دہلی کے مسلمان سب زیادہ نشانہ ملامت ہیں کہ انھوں نے سوامی شردھانند سے جان مسجد میں تقریر کرائی۔ ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے، بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعت سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مساجد کی توہین کی گئی، اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ بھانپنا نہیں کیا گیا، وغیرہ۔

بن صاحبوں نے یہ خیالات ظاہر کیے ہیں، انھوں نے اس مقصد کے لیے بڑی بڑی تہمیدیں اٹھائی ہیں، اور شاندار عنوانات اختیار کیے ہیں، مثلاً مسلمانوں کے ہر حال میں چاہیے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں اور جوش اتحاد میں ایسے بیخود نہو جائیں کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہو جائیں، ان شاندار و اعطاء تہمیدوں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانانِ دہلی و گلگتہ نے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شرعیہ کی کی ہے، اور اب اس پر ماتم کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہو۔ اس دور فتن و بدعات میں اگر مسلمانوں کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام کیا ہو تو وہ یہی ایک کام ہو کہ مقاصد صالحہ سے مسجد دن میں مجال منعقد کیں، اور اپنے غیر مذہب ہمسایوں اور حلیفوں یعنی ہندوؤں کو بھی اُسی مقصد سے ان میں شریک کیا، جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندوں اور دوستوں کو مسجد میں بلائے اور ٹھہراتے تھے، (فتاویٰ بنی عزم)

کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ فوجِ مستحقین اور ہڈیِ نبوت سے ماخوذ ہے، اس کو بدعت قرار دیا جبار ہے، اور طرح طرح کی عینینِ علانیہ مسجدوں میں ہو رہی ہیں، مثلاً انعقاد مراسم و محافل بدیعہ دفع الصوات و شرو فی المسجد، وجوم مساکین، و سائیسین و جمع فی الجماعۃ، و سکونۃ فساد و تارکین صلوٰۃ، و صلاتان معاً، و غیر ذلک، ان کو کوئی نہیں روکتا، بلکہ بہت سے دعیان علم میں جو انکو عین سنت سمجھ رہے ہیں، احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب و مقصود ہے لیکن اسکے و غاک استعمال صحیح موقع پر ہونا چاہیے، ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کر لیا تھا کہ کہیں وہ خود توحید و شرع سے متجاوز نہیں ہو رہے ہیں؟ شرعیہ کی پابندی کے معنی صرف یہی ہیں کہ شرعیہ کی پابندی یا تحکم یا ناطق و الہائی اور ”اعجاب کل ذی ملیٰ بہ ایہ“ کا نام شریعت نہیں ہے، ”وَلَا تَقْفُ لَوْ اِلٰہًا نَصَفَ اَلْسِنَتُکُمْ هٰذَا اَحْلَالٌ وَ هٰذَا اِحْکَامٌ“

خود اصل و اصل و اتو بھی غلط سمجھا گیا ہے، جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ سوامی شرعاً نندنے ممبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی، اور ممبر کو گوگون نے ممبر پر سمجھ لیا، جو سجدوں کے ال میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ممبر سے مقصود ممبر کا چہرہ ہے، جو محض سجدہ میں ہے اور اس پر ممبر مصطلح مساجد کا اطلاق کسی طرح درست نہیں۔ یہ چہرہ بڑی بڑی مسجدوں میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ تکبیرات افعال کو ایک بلند مقام سے دھرایا جاسکے۔ پھر اگر اس چہرہ پر ایک غیر مسلم دست نے مسلمانوں کی اجازت سے کھڑے ہو کر تقریر کی تو اس میں شرعاً کیا تابعت لازم آئی؟ ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان۔

اصل مسئلہ یعنی غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا، تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہی ہونا جائز ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اگر مصالح تقضی ہوں تو انکو مسجد میں عارضی طور پر بطور مہمان کے ٹھہرانا بھی جائز ہے۔ اور مسلمانوں کا جو اہام یا مسلمانوں کی جو جماعت رعایت مصالح آخری کے ساتھ ایسا کرتی ہے وہ ٹھیک ٹھیک اس سہ حنہ کی پیروی کرتی ہے، جو صاحب شریعہ معلوم نے امر کو دکھلایا ہے، فخیبر اھدیٰ ہدیٰ محمد و شہد لا موہد نا تھا۔

(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتیں مسجد نبوی ہی میں منعقد ہوتی تھیں، بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے، اور بلا کسی روک ٹوک کے ان صحبتوں میں شریک ہوتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک مسجد سے متصل تھا، جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے انکو بعض اوقات مسجد ہی میں آپ کا انتظار کرنا پڑتا تھا، اور ان لوگوں میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے، یہ امور ضحّا ستودہ روایات سے مستنبط ہوتے ہیں، آپ کے بعض یہودی قرضداروں نے مسجد میں اگر تقاضا کیا ہے، اور آپ نے اپنے علم و خلق کی وجہ سے انکے قی طلب و تقاضا کو تسلیم فرمایا ہے، غیر مسلم اقوام سے پولیٹیکل علایق، سفراء کا ایاب و ذیاب، معاہدہ و موافقت کی مجالس شوری۔ عرائض و شکایات مسلمین و غیر مسلمین، یہود و مدینہ اور شریکین اطراف و جوارب سے پولیٹیکل تعلقات کی گفت و شنید، یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی میں طے پاتے تھے۔ خود مسلمانوں کو آپ نے مسجد کے متعلق متعدد معاملات میں تنبیہ فرمائی اور انہی سے احکام احترام و حقوق مسجد متنبط ہوئے، مثلاً منع آکل بصل و ثوم، و منع انشاء صلاہ، و منع بیع و شراء و غیر ذلک، مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے ثابت کیا جاسکے کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ آپ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلیفہ دوم تک تمام سرکاری عمارتوں کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جعفر و فد (ڈیوٹیشن) اور سفراء آتے تھے وہ یا تو مسجد میں ٹھہرائے جاتے تھے، یا شہر کے مسلمانوں نے ان تیارخ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہانسرا بنائی جیسا کہ مقربزی اور عسکری نے لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں تصریح کی ہے کہ مدینہ کی مہانسرا سے سلسلہ ہجری میں حضرت عمرؓ کے حکم سے تعمیر ہوئی،

(۲)

از بخلفہ و فد بخران کا واقعہ ہے جو صحاح و سیرہ میں تفصیل موجود ہے اور جسکی نسبت سورہ آل عمران

کی آیات مباہلہ و احتجاج اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئیں، بخزان (دین) میں عیسائی آباد تھے، اسلام کا پیام دعوت پہنچا تو آمد و رفت شروع کی، دوسری مرتبہ ان کا وفد آیا تو اتوار کا دن تھا، اور شام قریب تھی، مسجد نبوی میں پہنچے تو انھوں نے پایا کہ پہلے اپنی نماز ادا کر لیں، بعض مسلمانوں پر یہ بات ناگوار گزری کہ اسلام کی عبادت گاہ میں عیسائیوں کو یہ سچی عبادت کی اجازت کیوں دیجائے؟ انہوں نے روکنا چاہا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روکو، نماز پڑھنے دو، چنانچہ وفد کے تمام عیسائیوں نے پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ زاد المعاد میں ہے: ”لما قدم وفد بنی النضر علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجد بعد العصر فحانت صلاتھم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منھم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتھم۔“ ۱۰

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہوئیں: اولاً یہ کہ غیر مسلم مسجد میں بلائے جاسکتے ہیں۔ بخزان کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے، مگر آنحضرت نے انکو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا،

ثانیاً اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے اور کوئی فعل محسوس و مشہود بت پرستی کا یا خلاف احترام مسجد نہ کرے، تو شرعاً اسکو نہیں روکنا چاہئے، الایہ کہ اس سے کسی فساد و مضرت یا عادت و التزام یا قبضہ و تمکین کا اندیشہ ہو، مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے، پس اس کا ہر بندہ عبادت کر سکتا ہے، لیکن شرک عبادت نہیں ہے، عبادت کی ضد ہے، ایسے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ میں نہیں دی جاسکتی، یہی نماز کے تین رکن ہیں۔ تلامذہ، سجدہ، دعا، پس انہوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے، ساٹھ آدمیوں کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے، نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایان حالت ہوگی، کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیوں نے کسی

گوشے میں چپکے سے کوئی کام کیا اور جلد سے، بااثر ہمہ آپ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ اپنی نمایاں اور ممتاز شکل میں بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا، در نہ آپ ضرور روکتے، اور ظاہر ہے کہ خلاف کیونہ ہوتا، اسلام قیام عبادت کے لیے آیا تھا، نہ کہ منع عبادت کے لیے۔ یہود و نصاریٰ پر سب بڑا الزام تو اُس نے ہی لگایا کہ یہی عبادت کرتے ہیں، مگر وہ شے جس کا نام ”قیام عبادت“ ہے، منقود ہو گئی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے فقہ پر بھی بحث کی ہے،

”ففيهما جواز دخول اهل الكتاب مساجد المسلمين وفيهما تمكين اهل الكتاب من صلاتهم بحضرة المسلمين وفي مساجدهم ايضا اذا كان عارضا ولا يمكنوا من اعتياد ذلك“ (جلد دوم صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر)

رابطاً اس واقعہ سے اُن مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو چند جزئی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانوں کو اپنی مسجد دن میں آنے سے روکتے ہیں اسکے لیے مقدمہ بازیاں کرتے ہیں، اور وہ من اظلمہ ممن منع مساجد اللہ الخ کی وعید میں داخل ہوتے ہیں، اعاذ اللہ تعالیٰ منہ،

(۳)

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعہ سے صرف اہل کتاب کے لیے حرج ثابت ہوتا، جو نہ کہ غیر اہل کتاب غیر مسلموں کے لیے، تو یہ بھی صحیح نہیں، نفع کہہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرتؐ نے ان کو نہ صرف مسجد میں آنے دیا، بلکہ بہ خشیت مہمان کے مسجد میں ٹھرایا، اور چند گھنٹوں کی شرکت مجالس اور کئی دن کے متصل قیام میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اس وقت بھی بعض لوگوں کو اسپر وہی شبہ ہوا تھا جو آج لوگوں کو ہو رہا ہے، اور دنیا میں سمجھ کی طرح نا سمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا ”انزلہم فی المسجد وہم مشرکون“؟ آپ ان کو مسجد میں ٹھراتے ہیں، حالانکہ وہ مشرک ہیں؟ فرمایا ”ان الارض لا تقبض“ زمین انسانوں کے سوا قیام سے ناپاک نہیں ہو جاتی اور مسجد نہیں

و مکان کے ایک مخصوص کمرے ہی کا نام ہے، یعنی نجاست دل کی نجاست اور گندگی اعتقاد کی گندگی جو ابو داؤد اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کیا ہے: "ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلہم فی المسجد لیکون ارق لقلوبہم"۔ اسی روایت کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط میں لیا ہے، اور ابو داؤد نے بروایت حسن مرسلًا اس پر اس قدر زیادہ کی ہے "ان وفد ثقیف اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضرب قبة فی المسجد ینظرہا الی صلوٰۃ المسلمین فقیل لہ یا رسول اللہ انزلہم فی المسجد وهو مشرکون؛ فقال ان الارض لا ینجس انما ینجس ابن آدم"، چونکہ صاحب ہدایہ نے اس واقعہ سے جواز دخول پر استدلال کیا ہی اس لیے اسکی تخریج میں زمی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیے، اس وقت میرے پاس نہ نصب الزاہ ہے اور نہ حافظ عطلانی کی درایہ۔ لیکن اگر حیرا حافظہ غلط نہیں کرتا تو عطیہ بن معیان کی روایت میں ہے کہ: "قدم وفد ثقیف فی رمضان فضرب لہم قبة فی المسجد" (او کھا قال) یعنی یہ وفد رمضان میں آیا تھا، پس انکے قیام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمہ مسجد نبوی میں نصب کرا دیا۔

اس واقعہ میں متعدد امور قابل غور ہیں،

اولاً جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ مجھے انکے ٹھرانے اور خدمت کرنے کا موقعہ دیا جائے، آپ نے فرمایا انکی خدمت و کیرم سے نہیں رکوتا لیکن ایسی جگہ ٹھراؤ جہاں سے وہ قرآن سن سکیں "فقال لا منعک ان تکرم قومک ولكن انزلہم حیث یسمعون القرآن"، (زاد المعاد) اس سے معلوم ہوا کہ انکو مسجد میں ٹھراناسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا بلکہ قصد اٹھرایا گیا، اور اسکی ایک خاص علت تھی۔ یعنی سماع قرآن و نظارہ صلوٰۃ کا سیاقی بیانہ۔

ثانیاً یہ وفد فتح مکہ کے بعد مدینہ ہجری میں آیا ہے، اور یہ وہ وقت ہے کہ اذاجاء نصر اللہ والفتح و کرايت الناس یدخلون فی دین اللہ اذاجا کا پورا پورا انور ہو چکا ہے، پس یہ وقت

غلبہ و شریک کا تھا، اور خود فرد عاجز انداز میں فتوحانہ آہا تھا، یہ بات نہ تھی کہ بجز درمادگی کی وجہ سے بہ نظر
تالیف قلب و اعزاز و بحکم مخالف اُلگوٹھرا ہو،

مثلاً معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے، اور مشرک بھی کیسے؟ اشد شدید، اور بغض
اسلام و صاحب اسلام اور تَصَلُّب فی الشَّرک و الجاہلیۃ میں مشہور و معروف، اس وفد کا سردار ابن عبد اللہ
تھا، اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابوطالب کے انتقال کے بعد جب قریش مکہ کا ظلم و جور اس حد تک پہنچ گیا
کہ آنحضرتؐ کے لیے مکہ میں رہنا بھی دشوار ہو گیا، تو آپ نے طایف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قابلِ حق
کا ساتھ دیں۔ لیکن جب قبیلہ ثقیف کی بستی میں پہنچے تو اسی عبد اللہ اور اسکے دونوں بھائیوں نے آپ کے
ساتھ یہ سلوک کیا کہ طایف میں دم لینے کی ہمت نہ دی، دعوتِ حق کا یہ جواب ملا کہ ”اما وجد الله احداً
یرسلہ غیبک“؟ کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جسکو پیغمبر بنا کر بھیجتا؟ جب آپ واپس ہوئے
تو بستی کے لوگوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک و تحقیر کریں، انہوں نے آپ پر کچھ پھینکا، اُس
جسم مقدس کو جسکے بقا پر تمام کرہ انسانی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی، پتھر دن کی بوچھاڑ سے زخمی
کر دیا، پیشانی مبارک کا خون بہرے مبارک کو رنگین کر رہا تھا، اور یہ دعا در زبان تھی ”اللہم ایلک
اشکو ضعف قوتی و قلة حیلتی و هوانی علی الناس یا ارحم الراحمین!“، یعنی

بجرمِ عشق تو ام می کشند غوغایت
تو نیز بر سرِ بادِ اگم خوش تماشایت

اس کے بعد جنگ ہوازن و ثقیف کے جو واقعات پیش آئے، کتب سیرۃ کے مطالعہ کرنے والوں
سے مخفی نہیں، جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ آیا، اور مشرف بہ اسلام ہوا، مسلمان ہونے
کے بعد تبلیغِ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آنحضرتؐ روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت
کے اعتماد پر طائف واپس گیا، اور دعوتِ اسلام شروع کر دی۔ لیکن ثقیف نے اسکے ساتھ یہ سلوک کیا کہ
ایک دن عین حالتِ غار میں شہید کر دیا۔ یہ حال تو اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا تھا، مشرک

وجاہت کے مجبور و تصلب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد مدینہ آیا اور مسجد کے قیام، کلام الہی کی سماعت، جامعہ صلوٰۃ کے نظارہ، اور آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم کے اسطیجت سے مستحضر ہو کر اسلام لانے کے لیے آمادہ ہو گیا تو گویا اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیہ کا کانا دل سے نہیں نکلتا تھا، چاہتے تھے کہ اپنی شرطیں منو کر مسلمان ہوں، پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے ہموں، دیکھئے، فرمایا ”لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع“ وہ دین ہی کیا جس میں خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہ ہو! پھر کہا اچھا زنا کے بغیر تو چارہ نہیں، ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ فرمایا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلا، پھر کہا سود چھوڑنا تو کھل ہو، شراب تو ہماری غذا ہے، فرمایا ”اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربا“ اور جہنم میں عمل الشیطان فاجتنبوا، جب ان ساری شرطوں میں سے کوئی نہ چلی تو آخر میں کہا کہ اچھا ساری باتیں منظور مگر رب کو تو ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں ڈھا سکتے، رب یعنی دیوی، رب کا مومنٹ، اس بات کو آنحضرتؐ نے منظور کر لیا، اور خالد بن ولیدؓ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف کی دیوی کو ہندم کر دیں، حضرت خالدؓ نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی، مگر یہ لوگ بھی کہتے رہے کہ دیوی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا،

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ سخت بت پرست اور اسلام کی عداوت میں کس درجہ سگدل تھے؟ با این ہمہ آنحضرتؐ نے انکو مسجد میں ٹھرایا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعہ طائف کو مسلمانوں کی بمغینت چالیس دن تک سنگ باری کر کے بھی فتح نہ کر سکی، اُسکے بسنے والوں کے دونوں کو آنحضرتؐ کے خلقِ عظیم، اسلام کی مسامت، مسجد کے قیام، اور اسلامی عبادت کے نظارہ نے چند گھنٹوں کے اندر فتح کر لیا، لوہے کی تلوار کو سپر پروردگار کا جاسکتا ہے، لیکن محبت کی تلوار کے لیے کوئی سپر نہیں۔

درسِ دفا اگر بود زمرہ مجتہد جمعہ بہ مکتب اور طفل گریز پاسے را

مسلم میں بروایت حضرت عائشہؓ ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ صلم سے پوچھا اهل اقی علیک یوم،

کان اشد من یوم اُحد و جنگ احد والے دن سے بھی بڑھ کر کوئی مصیبت و شدت کا دن آپؐ پر آیا ہے

فرمایا ان "یوم العقبة اذ عرضت فلسفی علی ابن عبد یلیل بن عبد کلال فلم یحیی الی ما اردت"
 وہ دن جب میں طایف گیا اور اعانت و قبول حق کی امید سے اپنی دعوة ابن عبد یلیل کے سامنے
 پیش کی اور اُسے میری کچھ پرواہ نہ کی، وہ دن اُحد کے دن سے بھی میرے لیے اشد تھا، تن تنہا
 بے یار و مددگار طائف کی گھاٹیوں میں پھر رہا تھا، اور ایک انسان بھی نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس
 کی نظر ڈالتا، آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپ کے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک
 کیا تھا، کہ اپنی ساری زندگی کے اُن مصائبِ عظیمہ میں جو دعوة الی الحق کی راہ میں پیش آئے، طائف
 کی گھاٹیوں والی مصیبت کو اشد فرمایا، اسی روایت میں ہے کہ باوجود ان تمام مظالم و شدائد کے
 آپ نے فرمایا تھا "ارجوا ینحی جہ اللہ من اصابہم من یعبد اللہ وحده لا یشک بہ شیئاً"
 اس پر بھی میں اُن لوگوں کے لیے بدعا نہیں کروں گا۔ میں نے صدائے حق کا بیج ڈال دیا ہے اور آج
 نہیں تو کل پھل لاسے گا، یہ لوگ اگر بت پرستی پرستے ہوئے ہیں تو انکی نسل سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو حق
 کو قبول کریں گے اور اللہ کی پرستش کے سوا ان کی کوئی پرستش نہ ہوگی؛ غرض وہ طایف میں جب قلمہ مسخر
 نہ ہوا، اور مختلف مصالح مقتضی ہوئے کہ حصار اُٹھالیا جائے، تو لوگوں نے کہا "ادع اللہ علی ثقیف"
 ثقیف کے لیے اللہ سے التجا کیجیے، فرمایا "اللہم اھد ثقیفاً و اھد بہم"، خدا یا ثقیف کے دونوں کو
 حق کے لیے کھول دے، چنانچہ وہی ہوا، جن لوگوں نے پھر پھینکے تھے خود دھڑے ہوئے آئے کہ
 حق کے بے پناہ تیروں سے اپنے دونوں کو دینم کر دیں، یہ تیرا دشمنوں پر کہاں چلائے گئے تھے؟
 میدان جنگ میں؟ نہیں، خدا کی مقدس عبادۃ گاہ کے محن میں۔ "ضر بوالہم خیمۃ فی المسجد"
 جن لوگوں نے منجیق کے پتھروں سے اپنی دیواروں کو بچا لینے کا بندوبست کر لیا تھا، وہ ان تیروں کے
 اپنے دونوں کو نہ بچا سکے، عثمان بن ابی العاص راتوں کو چھپ چھپ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے
 اور قرآن سیکھتے، یہ تھا وہ ہمدی نبوۃ اور اسوۃ حسنہ رسالت جس نے فحی کالجہ راۃ ادا شد قسواً بھی

سوم بنا کر بچلا دیا، اس کے مقابلہ میں آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ انکے ہمسایے اور شریک وطن عشق و محبت کے جوش سے بچو ہو کر انکی مسجدوں میں خود بخود دوڑے آتے ہیں، کاغذ سے کاغذ لٹا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، خود کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری نماز پڑھیں گے، نماز جنازہ کی صفین کھڑی ہوتی ہیں تو تسبیح و صغوت کی خدمت خود انجام دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے پانی دیکر نمازیوں کو وضو کرا دیتے ہیں، مسجد کے چبوترہ پر کھڑے ہو کر بکارتے ہیں کہ ہم سب ایک کے بندے اور ایک ہی گھرانے کے بھائی ہیں، مگر مسلمان ہیں کہ اس نعمت الہی پر سجدہ شکر بجالانے اور آنے والوں کو اور زیادہ اپنے طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھون چڑھا رہے ہیں، کہ ہماری مسجد غیر دن کی چھت سے بے احترام ہو گئی؛ غور کرو۔ پہلے کیا حالت تھی؛ اور اب کیا حالت ہے؟ جب حالت میں انقلاب ہوا تو نتائج میں بھی انقلاب لازمی ہے۔

سادت مشرق و مغرب نشان بین مشرق و مغرب

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ آج اشاعت اسلام میں بڑی روک مسلمانوں کا یہی طرز عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے قرآن سننے کے علم و عمل حق سے بعد اور وہی نبوت سے جہل و غفلت کا، یا بالفاظ مختصر علماء حق و راجحین فی العلم کے فقدان کا۔ افسوس کہ مسلمانوں کو اسلام کی قوت و صداقت پر بھروسہ نہ رہا، نادان دیکھتے ہیں کہ دوسروں سے اگر ہم ملین گے تو ہم ان میں جذب ہو جائیں گے، انکو اپنے میں جذب نہیں کر سکیں گے۔ اور یہ ہے کہ اس وہم فاسد بڑھ کر اور کوئی خیال اسلام کے لیے ایہ صد توہین و تذلیل نہیں ہو سکتا، اگر مسلمانوں کے پاس لوہا نہیں بلکہ تقاطیس ہے تو تقاطیس اور لوہے کا جب آنا سامنا ہو گا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا تقاطیس کی طرف کھینچے گا، یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں اللہ اور اس کے دین حق کی نسبت سو ظن، ظن الجاہلیتہ، اور ہر معاملے میں خود اپنے نفس پر کلم و شہد و اعلیٰ انفسہم شہدت بطلان و ضعف و ہلاکت؛ خالی اللہ ملشتکی

(۵)

وَذِثْفِيفَ كِي رَوَايَاتِ بِرَغْوَرِ كُرُو سَجْدِ مِيْنِ طَهْرَانِي كِي عِلْتِ كِيَا بُتَا كِي گِي ؟ يِه دِه تَعْلِيلِ نِهِيْن سِي جَو تَعْلِيلِ
 بَاطِلِ هِي . يَحْيٰى نَحْكُمُ بِالْفَنِّ وَالرَّاسِ اَوْ جَهْر تَعْلِيلِ بِالْقِيَاسِ غَيْرِ مَوْتِدَ الْبَنْصِ ، بَلَكِه يِه دِه تَعْلِيلِ هِي جَوْ خَوْ دِ شَارِعِ نِي
 تَبْلَاوِي ، مَغْيِرِه كُو كَمَا كِه وَذِكِي تَكْرِيْمِ سِي نِهِيْن رُو كُنَا ، لِيَكِيْن ” اَنْزَلْهُم حَيْثُ يَسْمَعُوْنَ الْقُرْآنَ “ اَوْر اَبُو دَاوُدْ وَ اَحْمَدُ
 وَ طَبْرَانِي كِي رَوَايَتِ مِيْنِ هِي ” لِيَكُوْنِ اَرْقَ لِقُلُوْبِهِمْ “ اَوْر اِيَكِي رَوَايَتِ مِيْنِ هِي ” لَكِي يَسْمَعُوْنَ الْقُرْآنَ
 وَ يَرُوْنَ النَّاسَ اِذَا صَلَّوْا “ (ابنِ هِشَامِ) ، يَحْيٰى دِه كُو سَجْدِ مِيْنِ اِسِي لِيَه طَهْرَا كِه دِه اِسْلَامِ كِي مَحَاسِنِ سِي
 دَا تَقِ هُو سَكِيْن ، قُرْآنِ كِي صَدَائِيْنِ اَنَكِي كَا نُوْنِ مِيْنِ پُرِيْن ، سِلْمَا نُوْنِ كُو نَازِ پُرِ هَتِي هُو سِي دَكْهِيْن اَوْر خُذَا
 كِي سَجْدِي اَوْر فُطْرِي عِبَادَتِ كِي خُورِيَانِ اَنَكِي دِلُوْنِ مِيْنِ رَا هِ پِيَا كَرِيْن ، اِسِي يَكِي بَاتِ سِي بِي شَا رُفُوْعَاتِ
 دَعْوَةِ وَ تَبْلِيْغِ اِسْلَامِ اَوْر جَزَائَاتِ طَرُقِ اَصْلَاحِ اَقْوَامِ دَا مِ سَتَبْظُ هُو تِي هِيْن جَكُوْنَا يَتِ تَفْصِيْلِ سِي رَسَالَةِ
 دَعْوَةِ وَ تَبْلِيْغِ اِسْلَامِ مِيْنِ لَكِه چَكَا هُوْنِ جَوْنَحْلَه تَالِيْفَاتِ قِيَامِ بَا نَحْيِي كِي هِي ، اَزَا بَحْلَه كِيَه كِه اِسْلَامِ كُو اِيْنِي صَدَا قَتِ
 وَ حَقِيْقَتِ كِي خَافَتِ پَر پُورَا بَهْرُ و سِه هِي اَوْر قَا نُوْنِ اِلَهِي يِه هِي كِه هَر قُوِي ضَعِيْفِ كُو اِيْنِي طَرَفِ كَهِيْن چِتَا اَوْر هَر
 طَاقَتِ كُرُو رِ پَر چَهَا جَاتِي هِي ، قُوِه مِيْنِ فَا عِلِيَه هِي اَوْر كُرُو رِي مِيْنِ اَفْعَالِ - اَوْر قُوِه وَ ضَعْفِ مِيْنِ اِتْبَا كِيْفِيَّتِ
 كَا هِي نَكِه مَجْرُوكِيَّتِ كَا - اِسِي قَا نُوْنِ جَذِبِ وَ اِنْجَذَابِ فِعْلِ وَ اَفْعَالِ وَ حَلْبِ وَ اِنْجَلَابِ پَر كَا رِفَا ءُ وَ جَوْ هُو سَتِي
 كِي تَامِ حَوَادِثِ وَ اَعْمَالِ كَا دَا رُو دَا رِهِي ، اَوْر يِه قَا نُوْنِ مَادِه جَمِ كِي طَرَحِ تَامِ مَقْوَلَاتِ اَوْر مَنُوْبَاتِ مِيْنِ بَحْيِ
 هُو هُو دِهِي هِي جَارِي وَ سَارِي هِي - يَسِي اِسْلَامِ كَا دَعْوِي هِي كِه دِه قُوْتِ هِي ، طَاقَتِ هِي - اَصْلَحِ هِي -
 اَشْلَحِ هِي ، اِيْلِي جَبِ كَبْهِي اِسْلَامِ اَوْر غَيْرِ اِسْلَامِ مِيْنِ قُرْبِ هُو كَا ، تُو اِسْلَامِ اِيْنِي مَسُوْلِي كُو كَهِيْن چِي كَا ، اَوْر اِيْنِي
 مِيْنِ جَذِبِ كَر لِي كَا ، يِه نِهِيْن هُو سَكْتَا كِه اِسْلَامِ كُو غَيْرِ اِسْلَامِ اِيْنِي مِيْنِ جَذِبِ كَر لِي ، اِگَر اِيْسَا هُو تُو قَا نُوْنِ اِلَهِي
 بَاطِلِ هُو جَا ءِي ، اَوْر اِگَر يِه قَا نُوْنِ بَاطِلِ هُو تُو تَامِ نِظَامِ عَالَمِ دَر هِمِ بَر هِمِ جَا ءِي ، يَحْيٰى مَنِي مِيْنِ اِسِي اِيَه كَرِيَه كِي

کہ دُعا تَبِيعُ الْحَقِّ اَصْحَاءُ تَهْتَدُ السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ اور یہی معنی ہیں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے
 جسکی تفسیر میں لوگوں کو کیا حیرانیاں نہیں ہونیں، حلالہ کلمات بالکل صاف اور قدرتی تھی، اس عالم
 میں بقا صرف اسلحہ کے لیے ہے، اور بالآخر تمام غیر اسلحہ عقائد و اعمال کو مٹ جاتا ہے، والعاقبة للمتقين۔
 اور فیصلہ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے قُلْ مَا شِئْتُ لَكُمْ اَلَكُنْ شَهِادَةً قُلْ كَفَى بِاللّٰهِ بَيِّنًا
 وَبَيِّنَةً شَهِيدًا، اور یہی معنی ہیں اِس آیت و امثالہا کے اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَنُفُوتٌ
 تَعْلَمُوْنَ مَنْ يُّكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ؟ اور یہ کہ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
 الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ، و امثال ہذا فی الکتاب والسنة، اسی اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے
 اپنے تمام عقائد و اعمال، اکنہ اور مواہم و اجتماعات میں دوسرے مذہبوں کی طرح کوئی راز اور مخفی
 بات نہیں رکھی ہے اسکی ساری باتیں دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور پھیلی ہیں۔ اسکی عبادت گاہوں میں
 کوئی بھید نہیں جسکے کھل جانے کا اس کو ڈر ہو۔ دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کی کوئی
 ایسی پائی اور ستھرائی نہیں بنائی ہے جو جسم و وجود اور اس کے سایہ کی چھوت سے ناپاک ہو جائے
 وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حُسن کی طرح سب کو دعوت دیتا اور بلاتا ہے کہ اُمین، دیکھیں اور
 مفتون ہوں اسکی صداقت کی دعوت اسکی ہر چیز میں ہے، صرف چند چنے ہوئے واعظوں کی
 بولیوں ہی میں نہیں، ایک مسلمان کا وجود کیر دعوت و وعظ ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، ایک مسجد اور
 اسکی سادہ اور بے نقش و اشکال دیواریں محم وعظ و حق ہیں، جبکہ امامِ مَستَران پڑھ رہا ہو، اسکے
 نازیبوں کی صفوں کے نظارہ وحدت سے بڑھکر کوئی خطبہ تبلیغ اور درس دلائل نہیں، جبکہ ایک
 ہی خدا کے بندے بنیانِ مہصوص کی طرح کاندھے سے کاندھا جوڑے کھڑے ہوں، اور خدا
 کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو حکمِ شیشہ بعضہ بعضاً، کشتیکِ الاصابع دکھا رہے ہوں، پس
 وہ انسانوں کو اپنی ہر بات دکھانا، اور ہر مقام پر بلانا، اور ہر راہ میں اپنے سے جوڑنا، اور ہر شکل میں

اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہو اور اس کا دعویٰ ہو کہ جو اُس سے قریب ہو گا بالآخر اس میں جذبہ جارحیت کا
 قرب و اتحاد میں اس کے لیے خوف نہیں ہو کہ وہ غیر دین سے بھاگے اور الگ رہے بلکہ غیر دین کے
 لیے انجذاب و انفعال ہو جس کے لیے انکو ڈرنا اور بھاگنا چاہیے، اس کا سارا رونا تو یہی ہے۔
 کہ لوگ اُسکی سنتے نہیں اسکو دیکھتے نہیں، اس میں آتے نہیں، اُسکی طرف گردن موڑتے نہیں۔
 لو وار و مسہم و براہیمہ یصدون و ہم مستکبرون، یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ خدا کے بندے اُسکی
 طرف پیار اور اخلاص سے بڑھیں اور وہ اپنا اپنا گھر بند کر دے کہ تمہارے انذار نے سے میرے
 گھر کی تقدیس کو بٹہ لگ جائے گا؟ مسجد وں کا اصلی احترام یہی ہے کہ اُس میں انسانوں کی
 بھلائی کے لیے انسانوں کا اجتماع ہو، انسانوں کے نکال دینے میں اُسکی حرمت نہیں بلکہ بے حرمتی
 ہے، اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لیے آیا ہے، نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لیے
 پس وہ کسی انسان کو بہ خبیثت ایکہ انسان کے نفس نہیں قرار دیتا، جسکی چھوٹ سے مٹی اور
 ایٹم نایاک ہو جائے۔ نہایت انسان کے جسم میں نہیں بلکہ اس کے اعتقاد اور عمل میں ہوتی ہو۔
 کاش جسم میں ہوتی تو دریا کا پانی اس کو دھو دیتا اور انسان کا بنا ہوا کپڑا دیکھ دیتا، مگر افسوس وہ دل
 اور عمل کی گندگی ہے، سپر نہ تو پانی بہایا جاسکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف کر سکتا ہو، اس کو
 صرف خدا کا سچا ایمان اور راستی کا کامل عشق پاک کر دے سکتا ہے، سو انسانوں پر اسکی راہیں
 بند نہ کرو!

(۶)

جہاں تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے، اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہی ہے اور
 کوئی نہیں۔ پس اگر اسلام غیروں کو قبول کرنا چاہتا ہے تو مسجد ہی میں قبول کرنا پڑے گا، آج اگر
 ہمارے ہندو بھائی خود اپنی عبت اور پیار سے ہماری مسجد میں آتے ہیں، تو یہ وہ چیز ہے جسکی

خود ہکھو آرزو کرنی تھی، اور جسکو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا، کاش اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا نو صدیوں سے متصل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا اور آج ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے، میں جب راجپوتی میں نیا نیا آیا اور جامع مسجد میں جمعہ کے خطبوں کا سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت سے تعلیم یافتہ ہندوؤں اور وکلاء وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا، انہوں نے کہلایا کہ کوئی صورت اختیار کیجیے کہ ہم بھی تقریریں سکیں، میں نے جواب دیا کہ نظربندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگوں کے لیے موجب مشکلات ہوگا، اگر شوق ہو تو مسجد میں کیوں نہیں آتے؟ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ مسجد میں عین جمعہ کے موقعہ پر ہم لوگ کیونکر جاسکتے ہیں؟ لیکن میں نے عین جمعہ کے دن انکے مسجد میں آنے اور ایک مناسب مقام سے خطبہ سننے کا انتظام کر دیا، اس کے بعد انہیں اسلامیہ قائم ہوئی، اور اسکی تمام مجالس بھی مسجد ہی میں منعقد ہوتی رہیں، ان میں بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے صرف اتنی سی بات سے جو تالچ حسن پیدا ہوئے وہ شاید برسوں کے وعظ و تبلیغ اور آجکل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے بھی پیدا نہ ہوتے، اور ان کا اعزازہ ابھی باہر کے لوگ نہیں کر سکتے، جب تک ایک بڑی طولانی سرگزشت نہ سنائی جائے۔

(۷)

بجائے خالص غمخسہ اسلام کے یہ ہے کہ ”جعلت لی الارض مسجداً و طہوراً“ (بخاری) خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے :

ہر جا کہیم مسجد، ہر آن آستان رسد !

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادۃ گاہ کو ہزاروں قوموں اور مذہبوں کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا اسکی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت گاہ کو غیر مسلموں کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے ؟

اور من جملہ اذکار و دخول مشرک فی المسجد، کے تمام بن آئال کا واقعہ ہے جو صحیحین میں تفصیل موجود ہے، اور امام بخاری نے اپنے اب فقہانہ کے مطابق مختلف کتب و ابواب میں اس سے متعدد مسائل ہمہ کا استنباط کیا ہے، تمامہ بخاری میں تھا، ہجرت کے پانچویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سواری بخاری کی جانب بھیجے، وہ تمامہ کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا، تمام روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی میں رہا، تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کسی شرکاء کے رہا کر دیا، امام بخاری اسی روایت کو زیادہ تفصیل و تطویل سے کتاب المغازی میں بھی لائے ہیں، وفيه انه صلعه موعلي ثمانه ثلاث موات وهو مربوط في المسجد وانما امر باطلاقة في اليوم الثالث وكذا اخرجه مسلم وغيره وصراح ابن اسحاق في المغازی من هذا الوجه ان النبي صلعه هو الذي امرهم بربطه قاله ابن حجر في الفتح (جلد ۱ صفحہ ۶۲۲) مگر اس خلق عظیم کا سپر ایسا اثر پڑا کہ آواز دہرنے کے بعد خود واپس آگیا کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دین حق کے ایمان و اعتقاد کی زنجیروں سے ہمیشہ کے لیے وابستہ کر دیا جائے! امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں ایک خاص باب اس عنوان ترجمہ سے درج کیا ہے: "الاغتسال اذا اسلم، وربط الاسباب فی المسجد، وكان الشریح یا موالغیر ان یحبس الی ساریۃ المسجد"، اور اس کے نیچے اسی واقعہ سے بروایت حضرت ابو ہریرۃ استدلال کرتے ہیں: "بعث النبی صلعه خیلاً قبل النجد فجامت برجل من بنی حنیفہ یقال له ثمال بن آئال فربطوه بسادیۃ من سواری المسجد"، الخ، پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمامہ کو تین دن تک مسجد میں کیوں سیر رکھا جاتا؟ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرمادیتے، چنانچہ امام بخاری نے جواز دخول مشرک پر اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ اور یہ اس نقیۃ الامۃ کے کمال وقتہ نظر و استنباط اور منتہا مرتبہ اجتماع و اتفاق فی الدین کے

شواہد میں سے ہے کتاب الصلوٰۃ میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا ہے ”دخول
المشرك في المسجد“ یعنی مشرک کا مسجد میں داخل ہونا، اور اس میں اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے
اور معلوم ہے کہ فقہ تجاری کے تراجم ابواب میں ہے۔

(۹)

چنانچہ انہی اولہ سنتہ کی بنا پر ائمہ مجتہدین و فقہاء اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ غیر مسلموں کا مسجد
میں داخل ہونا مسلمانوں کے اذن سے جائز ہے، اور علی الخصوص حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب
تو اس بارے میں متکلیف ہدایت یک کو معلوم ہے، ان کے نزدیک مطلقاً بلا قید و استثناء جائز ہے، اذن
کی بھی شرط نہیں، اثناء و النظائر میں ہے ”ولا يمنع من دخول المسجد جنباً لآفة المسلم ولا
يتوقف جواز دخوله على اذن مسلم عندنا ولو كان المسجد المحلوم“ (ان ان قال) ”و
ما روى ان النبي صلعم انزل وقد ثقیف في مسجد ه وهما كفاران الخبث في اعتقادهم
فلا يؤدى الى تلويث المسجد“ کتاب الکراہیۃ: سائل متفرقہ یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ
نہیں اگر ذمی مسجد حرام میں داخل ہوں، برضات امام شافعی کے جو عام مساجد میں دخول کو جائز
قرار دیتے ہیں، مگر مسجد حرام میں نہیں، اور دلیل ہماری وہ ثقیف کا مسجد میں نزول ہو، حالانکہ
وہ کفار تھے اور اس لیے کہ مشرک کا خبث اس کے اعتقاد کا خبث ہے، جسم کا نہیں جس سے
مسجد کے ٹوٹ ہونے کا اندیشہ ہو، قاضی زادہ اسکی شرح میں لکھتے ہیں: ”قال بعض المتأخرين
ظاهرة ان هذا دليل آخر ولا وجه له فحق التبديد في التعليل ليكون اشارة
الى دفع ان يقال كيف انزلهم في مسجد ه وقد وضعهم الله بكونهم انجاسا؟ اقول
ليس ذاك بشئ اذ لا شك في صحة ان يكون هذا دليلا اخر عقليا لنا، فان الخبث
اذا كان في اعتقادهم لا يؤدى الى تلويث المسجد فلا يكون في دخولهم المسجد بأس

(ان ان قال) کا حکمی اندر علیہ السلام لما انزلہم فی مسجدہ وضرب لہم خیمۃ قال الصحابة قوم انجاس فقال علیہ السلام لیس علی الارض من انجاسہم وانما انجاسہم علی انفسہم (تکلمہ فتح الباری ج ۱ ص ۱۲) عبارت ہدایہ کا تشکال اور شارح کا جواب اور دلہ شافیہ کی تحقیق آگے آگے کی، شارح نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب والی روایت جن الفاظ میں نقل کی ہے گو وہ الفاظ نہیں، گرجنی صحیح، اور اصلی روایات اور گزرجین، نقل متن اور حفظ اسناد کا یہ وہ تساہل ہے جو جابجا خود صاحب ہدایہ نے کیا ہے اور متاخرین فقہاء ضعیفہ میں عینی اور ابن ہمام کے سوا سب کرتے ہیں۔

اسی طرح درمختار میں ہے ”وجاز دخول الذمعی مسجداً ولو جنباً“ (باب الکراہیۃ) قاضی ابن رشد ہدایہ میں لکھتے ہیں ”وجوزوا (لخفیۃ) مطلقاً“ یعنی خفیہ کے نزدیک مطلقاً ذمیون کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے (بدایۃ المجتہد شہر میں ہے اور میں مور آبادی میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، اس لیے صفحہ کا حوالہ نہیں دے سکتا۔ کتاب الکراہیۃ دوسری جلد میں ہوگا)

(۱۰)

باقی رہی آیہ قرآنی کہ انما المشرکون نجس فلا یقر بواحدہم فی المسجد الحرام بعد عامہم ہذا تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں :

اولاً یہ حکم خاص مسجد حرام مکہ کی نسبت ہے، یا تمام مساجد کے لیے؟ تو ائمہ اربعہ نے اتفاق کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے اور ظاہر آیہ کا یہی منطوق ہے۔

ثانیاً نجاست کی تحقیق کہ نجاست سے یہاں مراد ظاہری ہے، یا معنوی؟ تو تمام ائمہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست قلبی ہے نہ کہ نجاست جسمی۔ اور دلائل کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد، اور احتیاج بیان و تفصیل نہیں۔

فذهب الجمهور من السلف والخلف ومنهم أهل المذاهب الأربعة إلى أن الكافر ليس نجس الذات، لأن الله أحل طعامهم، وثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك من فعله وقوله وتقريبه ما يفيد عدم نجاسته، فاكل في آيئتهم وشرب منها وتوضأ فيها، وانزلهم في مسجد وغير ذلك من الأدلة العقلية والعقلية -

ثالثاً فلا يقربوا المسجد الحرام الخ سے مقصود کیا ہے؟ تو حنفیہ اس طرف سے کہ یہ نبی اکو نبی ہے تکلیفی نہیں، وہ اسکو محمول کرتے ہیں کفار کے ایسے قرب پر جو غلبہ و استیلاء کے ساتھ ہو یعنی آئندہ کفار کو مسجد حرام میں یا نون جانے کا موقع نہ دیا جائے۔ ”قرب“ کا لفظ منع استیلاء و تمکین کے لیے کمال مبالغہ ہے: ”وانما انھوا عن الاقتراب للمبالغة في المنع من دخول الحرم وفيه المشرکین ان یقرؤوا جامع الی فیہ المسلمین عن تمکینھم من ذلک“ (تفسیر ابوالسعود حنفی) اور ہدایہ میں ہے: ”والآیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاءً واستعلاءً“ (باب الکراہیۃ) اور حاشیہ عنایہ قدسی چلپی میں ہے: ”اسی علی منہم ان یدخلوها مستولین و علی اہل الاسلام مستعلین و ایضاً الہی تکوینی لا تکلیفی“۔ اور شامی میں ہے: ”وحاصلہ اندہ خبر منعی فی صودۃ الہی“۔ نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ غیر مسلموں کو مسجد حرام میں غلبہ و تمکین کے ساتھ داخل ہونے دیں۔ لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارت یا تجارت یا غیر مسلم حکومتوں کے غیر مسلم سفراء، تو جائز ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف و خلف ائمہ اور تعامل سترہ اہل اسلام اس مذہب کے خلاف ہے، اور علماً اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ یہ کریمہ فلا یقرؤوا المسجد الحرام الخ اپنے نفس منع دخول میں عام و مطلق اور ظاہر و غیر ماقول ہے۔ یعنی کسی حال میں بھی کوئی غیر مسلم مسجد حرام کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلم کے قرب مکانی کو اگرچہ وہ عارضی اور بلا تمکین و استیلاء ہو، رد تکین اور

اور اس مقام، اور اس مقام کے ایسے اطراف وحوالی کو جہان کا داخلہ حرم کے داخلہ تک پہنچا ہوا ہے
میشہ صرت اہل اسلام ہی کے لیے مخصوص و محفوظ رکھیں، حافظہ نو دی شرح مسلم میں لکھتے ہیں، "فلا يجوز
تعمین کافر من دخولہ بحال فان دخلہ فی خفیۃ وجب اخراجه، فان مات ودفن
فیہ یبئس و اخرج مالہ تیغیر لہذا مذہب الشافعی و جہا یم الفقہاء۔ وجوز ابو حنیفۃ دخولہ
الحرم (مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۰ جلد ۱۰) یعنی کسی مال میں جائز نہیں کہ یہ مساکم کو حد و درجہ میں داخل نہ ہو جائے اور اگر کوئی غیر مسلم فقہاء
تو اس کا اخراج واجب ہے اور اگر وہ مکہ میں مرجاے اور دفن بھی ہو جائے تو چاہیے کہ قبر کھودی
جائے اور لاش نکال دی جائے، اگر متغیر نہیں ہوئی ہے۔ انتہی، مویہ اس مذہب جمہور کی خود مختار
صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیعت اور حضرت عمر کا اتفاق و اجماع جمیع صحابہ واضح و صریح عمل ہے،
(کما سیاتی) اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلفی نہیں اس بارے میں بالکل غیر مفید ہے، کیونکہ یہ
ظاہر ہے کہ نہی اقتراب میں کمال مبالغہ منع دخول کے لیے ہے، اور جب منع دخول میں مبالغہ ہوا
تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت و حالت اس نہی میں داخل ہوگی، اور جب خود شریعت نے اس
بارے میں مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عکال و شدت منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہوا
عربی میں کہیں گے "لا ارنیک ہا هنا" تو اس سے بھی بچھا جائے گا کہ کسی حال میں بھی تم کو یہاں
ہم نہیں دیکھ سکتے، اردو میں کہیں گے "تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو" یعنی کسی حال میں بھی
تمہارا یہاں آنا ہمیں گوارا نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ جمہور ہی کا مذہب اس بارے میں
حق و قوی ہے اور اسی لیے تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کر رہے ہیں
عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب خفی ہے، مگر معلوم ہے کہ انھوں نے بھی ایک دن کے لیے
امام صاحب کے اس مذہب پر عمل نہیں کیا، اور ان کے تمام دور حکومت میں کوئی مثال اسکی نہیں
مل سکتی کہ کسی غیر مسلم تاجر یا مہار و صناع یا طبیب و سفیر کو سخت ضرورت کے مواقع میں بھی حد و حرم کے

اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک ہے زیادہ واقعات اس کے خلاف تاریخِ محمد عثمانیہ میں موجود ہیں،

اصل یہ ہے کہ دین حق کے قیام اور امتہ مسلمہ کے بقا کے لیے ضروری تھا جس طرح تسلیم و احکام کو ہمیشہ کے لیے اوراقِ صحف میں محفوظ کر دیا گیا (یعنی کتاب و سنتہ بحکم) "افئیت الکتاب و مثلہ معہ" اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لیے ایسا مقرر کر دیا جاتا جو صرف حق پرستارانِ حق کے لیے مخصوص ہوتا، اور دہان کی فضا ہدایت کی پائی شرک و فساد کی ناپاکی سے کبھی مکر اور ملوث نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار مصالح و حکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم و منضبط ہیں) سرزمینِ حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا، ابدی ہی نامِ زمینِ دنیا کی آخری و باقی ہدایت و سعادت کے لیے ایک مرکزی حشریہ و درگاہ کی حیثیت سے قائم کی گئی، ذَلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ پس ضرور تھا کہ اسکو صرف اسلام ہی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا، تاکہ کرہ ارضی کے سخت سے سخت عہد فساد میں بھی ایک مرکز و منبع ہدایت ہمیشہ قائم و محفوظ رہے، درخت کی جڑ اگر سلامت ہے تو ٹہنیوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ ویران نہیں ہو جاسکتا، یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کہ وَاجْعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَرَجَعَلَ اللّٰهُ الْکَلْبَةَ الْبَیْتَ اُحْمَلُ اَمَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ اَوْ رَوْحًا دَخَلَ کَانَ اَمْنًا اور چونکہ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس میں کمالِ مبالغہ و اہتمام نہ کیا جائے کیونکہ طبائع انسانی تساہل پذیر و حیلہ جو اس لیے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلموں کے قبضہ و تکمیل کو بلکہ سرے سے انکے قرب و جود ہی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا جائے کیونکہ اگر آمد و رفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیتِ اسلام و اہل اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی، طبیعتیں اسکی منتحل اور خوگر ہو جائیں گی کہ غیر مسلموں کو بھی حرم میں مسلمانوں کی طرح موجود دیکھیں، اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ و استیلا کا دروازہ بھی کھل جائے گا اور طبیعتیں اسکو بھی گوارا کر لیں گی اور معلوم ہو کہ نچلے ہمت اصولِ شریعت کے ایک اصل عظیم یہ ہے کہ شریعت صرف مفاسد ہی کو نہیں

روکنا چاہتی بلکہ ذرائع مفاسد کو بھی روک دیتی ہے، بلکہ سب اوقات جو اہتمام داشتہ و اصل مفاسد کے دفع و منع میں نظر آتا ہے، ویسا ہی اہتمام وسائل و ذرائع کے سدباب میں بھی ملحوظ رہتا ہے شریعت کے تمام احکام اور شارع کے تمام اعمال میں اس کے اشیاء و نظائر بکثرت موجود ہیں، اور یہ منجملہ خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف برائیوں ہی کو نہیں روکا بلکہ ان راہوں کو بھی بند کر دیا جو برائیوں تک پہنچا سکتی تھیں، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم بالٹمکین و استیلاء فقہاء کی اصطلاح میں لذاتہ نہیں ہے بلکہ لغیر ہے، لیکن اس کے مندرجہ موعظے میں کوئی شک نہیں۔

غرض کہ اس بارے میں خیفہ کا مذہب انبایت ضعیف ہو اور قوی دہشتی بہ وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے دنیا کی حال اور کسی شکل میں بھی جائز نہیں اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانوں کا عمل ہے، گذشتہ ازان ظاہر نس بھی مطلقاً شائع پر ناطق ہے، اور اصول میں طے پایکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نص سنہ اور عمل صحاح سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مرض الموت میں آخری وصیت جو کھلی وہ یہ تھی ”اخرجوا الیہود و النصارى من جزیرۃ العرب“ (صحیحین عن ابن عباس عائشہ و ابی ہریرہ رض) اور ”آخر ما تکلم بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جزیرۃ العرب دنیان و فی لفظ لا یجتمع دنیان فی جزیرۃ العرب“ اور اسی وصیت کی تعمیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور یمن کے یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا اور بلاد شام و سواد عراق میں آباد کر دیا، حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کے اجلہ کردہ اہل کتاب کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ ”ہم اہل بخوان“ اور یہ جو کچھ کیا تمام صحابہ کے مشورہ و اتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل منون میں ثابت ہو گیا۔ باقی رہا اعتراض

کہ حضرت ابو بکر نے اپنے عہد خلافت میں اور حضرت عمر نے اہل خیر کی شرارتوں اور واقعہ عبدالنہیں عمر
 سے پہلے ایسا کون نہیں کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لیے ضرور تھا کہ تنفیذ وصیت پر ممکن
 حاصل ہو۔ حضرت ابو بکر کو اہل ردت کے قتال وغیرہ ہمت نے ملت نہ دی اور حضرت عمر خلیفہ
 ہوتے ہی ایران و عراق اور شام کے ہمت عسکریہ میں مشغول ہو گئے۔ جب یہود خیر کی شرارتوں نے
 خود مناسب موقع پیدا کر دیا، تو یہ معاملہ انجام پایا، اور جس طرح ہمت احکام و شرائع شارع کے
 عہد میں بتدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ بفتہ و دفعہ واحدہ، اسی طرح ضروری تھا کہ ہمت ملکی و احکام متعلق تدابیر
 سیاسی شارع کے بعد عہد خلفاء راشدین میں بتدریج تکمیل کو پہنچیں۔ لیکن اس کے بعد کسی کے لیے
 گنجائش نہیں ہے کہ محض اسے تجسیم کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے، اور ظنی تعلیلات شخصہ غیر
 موید بالنص سے نص قرآنی اور وصیت نبوی کو رد کر دے، مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق میں واقعہ
 اجلاء اہل کتاب کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہود خیر اور نصاریٰ میں بغاوت کی تیاریاں کرتے تھے اس لیے
 مجبور ہو کہ حضرت عمر نے کمال دیا، مولانا مرحوم کو اس توجیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ
 حضرت عمر کے اعمال کو یورپ کے ادعائی مذاق کے مطابق دکھانا چاہتے تھے، اور چونکہ کلائیٹک
 فی جنز میۃ العرب دنیاں کا معاملہ ان کے خیال میں آجکل کی تہذیب و روشن خیالی کے خلاف
 تھا اور اسکی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی، اس لیے ناچار یہود خیر کی شرارت اور واقعہ
 ابن عمر منذر رجب بخاری کتاب الشرط سے متنبث ہوئے اور تعمیل وصیت نبوی کے معاملہ کو محض دفع
 بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی نام نہاد متمدن حکومتوں
 میں غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں حالانکہ یہود خیر کی شرارت اور حضرت
 عبداللہ کو گرا دینا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنفیذ و تکمیل کے لیے محرک ہوا، لیکن
 اصلی علت یہ نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود خیر بغاوت کے لیے آمادہ بھی ہو گئے تھے، تو

بلا وطن کرونا تک مقتضا، عدل فاروقی ہو سکتا ہے؟ کیا حضرة عمر کی وہ حکومت جس نے تخت
 کسے کو ہمیشہ کے لیے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند ہفتوں کے اندر خاتمہ کر دیا، ایسے
 خیر کی سیاست و تہیہ سے عاجز تھی؟ بہر حال حضرة عمر نے باتفاق جمیع صحابہ جو کچھ کیا وہ دراصل
 اسی وصیت نبوی کی تعمیل تھی کہ ”اخرجوا الیہود والنصارى من جزیرۃ العرب“ اور جن لوگوں
 نے حسن و قبح انشاء کا معیار یورپ کی نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہیں دیا ہے، بلکہ حقیقت
 اور عقل صحیح و قیاس صالح کو، تو انکو اس توجیہ و تلمیح کی کوئی ضرورت نہیں، سورہ برآۃ کی تفسیر
 میں اس مسئلہ کو تفصیل لکھ چکا ہوں، اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ یہ حکم شریعت مقتضا
 عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل رائی و قیاسی کی اس کے لیے ضرورت نہیں
 خواہ وہ غلط تاریخ کے نام سے پیش کی جاوے، خواہ فلسفیانہ دجی فقاہتہ کے نام سے۔

کیا تیرہ سو برس کا تجربہ، اور صدیوں کے وقوعی نتائج و حوادث اس حکم قرآنی اور وصیت نبوی
 کی تفسیر کے لیے کافی نہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بے شمار مقامات بلکہ بڑے بڑے براعظموں
 اور اقلیموں پر غیر دون کے قبضہ کی بنیاد استیلاء و تسلط سے نہیں بلکہ محض قیام و قرب اور آمد و رفت
 سے پڑی؟ پہلے دروازہ کھلا، قیام و سیاحت کا، پھر تجارت کا، اور اُنکے بعد رفتہ رفتہ تاجرون باحوان
 پیشہ ورون، محکومانہ و مظلوموں نے حاکم و ظالم کی صورت اختیار کر لی، مصونین پیشہ و صنائع کے نام سے
 قریب ہوئی، ہندوستان میں تجارت کے وسیلہ سے۔ اور جواز دخول حرم کی جو صورتیں خفیہ
 کی جانب سے بیان کی جا سکتی ہیں وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل میں یہی ہو سکتی ہیں
 پھر اگر فلائیٹ بوملٹیکل انجیٹم کے یہی معنی قرار دیے جائیں کہ صرف قرب بجاالت استیلاء و تکمیل ممنوع
 ہے۔ نفس قرب و تقریر ممنوع نہیں۔ تو اس کے معنی بجز انکے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حرم پر غیر مسلموں
 کا قبضہ و تسلط تو ممنوع ہے، مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہیں، پھر کیا ایسا اجتہاد

تسلیم کیا جاسکتا ہے؛ والا امام نہیں بمعصوم حتی تاویل له الشریعة و تفرک نصوص کتاب
والسند، ولہذا یدان اللہ ولا رسولہ لاحد نہذہ النصرۃ وما امرنا بالتباع مذهب من المذہب
درای من امراء الرجال واس کتاب التملات تصحیحه ورضی اللہ عن مالک ابن انس
یقول ما من احد الا یؤخذ من قولہ ویتفرک الا صاحب ہذا القبر صلی اللہ علیہ وسلم
باقی رہا یہ کہنا کہ آیہ سیف مقید ہے آیہ وان احد من المشرکین استجارک فالجرح وحی
کیمع کلام اللہ سے اور اس بارہ میں قاضی ابویوسفؒ کا مذہب اور حدیث صحیحینؒ اخراج الہود
والنضاریؒ ان کے مقابلے میں حدیث ابوعبیدہ بن الجراح سے اشتداد اور نص کے مقابلے
میں اخراج کی علت و مصلحہ خود قرار دینا اور اس کو امام کی رائے پر فحوض کرنا، اور روایت بریدہ
اسلمی کہ فان ابوا فسلہم لجزیۃ فان اجابوک فاقبل منہم اور اس سے استدلال تقریر شکن
در مجاز پر بصورت ادا جزیہ وغیر ذلک، تو ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں جو جو نصوص
مربوط کتاب دنتہ کے معارض ہو سکے، روایت ابوعبیدہ خو و بغایت مضطرب و لائق احتجاج نہیں
اور آخر تکلم انحضرةؐ اخراج الیہود والنضاریؒ ہے جو نسخ مسیح اسق کے لیے قاطع و صریح
اور نس کے مقابلے میں کوئی قیاس سموع نہیں، اور خود ائمہ و فقہاء نے اجماع کیا، بطلان تباعیل بصلاح
پر اس لیے کہ تعلیل بمصالح مقبول نہیں، تا و قتیکہ مضبوط نہو، اور معلوم ہے کہ حکم و مصالح غیر مضبوط
اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ و رائیہ "عجاب کل ذی دایۃ بواہ" سے زیادہ وزن نہیں
رکھتیں، پس حاجت اطباء نہیں اور اپنے مقام پر یہ بحث صاف ہو چکا ہے۔ علی الخصوص
تفسیر البیان میں،

عام مساجد میں داخل ہونا اذن اہل اسلام سے جائز ہے، مگر مسجد حرام میں نہیں، وہ مستثنیٰ ہے۔
 خلافاً للحنفية، چنانچہ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "اما قوله تعالى (انما المشركون نجس) فلا
 يقرَّبوا المسجد فهو خاص بالحرم ونحو نقل لا يجوز ادخاله الحرم (صفحہ ۳۶ مطبوعہ دہلی)،
 اور دلائل انکے وہی ہیں جو ادھر گزر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقع پر سخت تباہ کیا ہے
 اور اسی وجہ سے انکی عبارت میں انشکال پیدا ہو گیا جسکو قاضی زادوہ نے دور کرنا چاہا، وہ لکھتے
 ہیں "ولان الکافر لا یخلو عن جنابة لانه لا یغتسل اغتسالاً یخرجہ عنہا والجنب یجنب المسجد"
 یعنی امام شافعی کی دلیل منع دخول کے لیے یہ ہے کہ کافر ناپاک ہے، کیونکہ وہ بوجہ غسل متبر فی الشرع نہ کرنے
 کے کبھی جنابت سے خالی نہیں ہوتا، پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہیں "والتعلیل بالنجاسة عام
 ینظم المساجد کلہا"، اور "ولان الجنبت فی اعتقادہو فلا یؤدی الی تلویث المسجد"، یعنی اگر
 کافر ناپاک ہے اور اس لیے اس کا داخل ہونا جائز نہیں تو اس میں مسجد حرام کی کیا خصوصیت ہے؟
 تمام مسجدوں میں ممنوع ہونا چاہیے، حالانکہ خود امام شافعی اس کے قائل نہیں، اور معلوم ہے کہ
 کفار کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے نہ کہ جسم کی انتہی، حالانکہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل
 اور نہ تعلیل بالنجاستہ سے اٹھایا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے۔ خود ہی انکی جانب سے
 ایک دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود اسکا رد کر دیا ہے، اور خلافت میں اس طرح کے نتائج
 صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہیں، جیسے جواز نکاح متعہ کو حضرة امام مالک کی طرف منسوب
 کر دینا وغیر ذلک، یہ کتاب الام اور شرح مہذب اور شرح مسلم نووی موجود ہے اور متقدمین و
 متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ متبر اور کون سی کتابیں ہو سکتی ہیں؟ امام شافعی کا استدلال
 صرف نص قرآنی فلا یقرَّبوا المسجد الحرام سے ہے جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص
 و مستثنیٰ کر دیا، تمام مسجدوں کے لیے ایسا حکم نہیں دیا، اور اس ایک قاطع و نامق دلیل ظاہر کے

بعد اور کسی دلیل کی انکو ضرورت ہی کیا تھی؟ بلاشبہ وہ منع دخول کی علت نجاست کو قرار دیتے ہیں، مگر اپنے قیاس و رائے سے نہیں، بلکہ اس لیے کہ خود قرآن ہی نے یہ تعلیل کر دی ہے، ”إِنَّمَا الْمَسْجِدُ كُنْ حَسْبُ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“، ”إِنَّمَا“ اور اس کے بعد حرف ”فَا“ کا آنا اپنی دلالت میں ظاہر و ناظر ہے۔ مگر وہ نجاست سے نجاست جمعی مراد نہیں لیتے، اگر ایسا ہوتا تو ان کے مذہب میں کفار کی ملامت اور مواکفہ اور شاربہ جائز نہ ہوتی، جیسا کہ آیہ اور بعض ظاہریہ کے مذہب میں ہے، اور معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ پس وہ نجاست سے نجاست معنوی مراد لیتے ہیں جو عام مسجد دن اور مکانون کو تو ناپاک نہیں کر سکتی۔ لیکن مسجد حرام کا مرکز و کعبہ ہدایت اور دار التوحید اس کے قرب و مس کا تحمل نہیں، وہ اپنی فضا کو اس نجاست معنوی کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے، کہ تمام کرہ ارضی میں کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید و ہدایت کے لیے محفوظ و مخصوص رہے، پس امام شافعی نے اگر اس بارہ میں حنیفہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجد میں دخول کی اجازت دیتے ہوئے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا، تو یہ مذہب، نصوص کتاب و سنت اور قیاس صحیح و حکمت شرعی کے عین مطابق ہے، اور ان کے رد میں یہ کہنا کہ ”والتعلیل بالنجاست عام“ اور ”ولان الحبث فی اعتقادہم فلا یؤدی الی تلویث المسجد“ بالکل بے کار بلکہ بے معنی ہے، قرآن نے جو تعلیل نجاست کی کی ہے، وہ عام نہیں ہے۔ مسجد حرام کے لیے خاص ہے۔ اور ثبت اعتقاد عام مسجد کو ملوث نہیں کر سکتا، البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزج کفر پاک کی کو ملوث کر دے گا۔

تاخیر: رسالہ کی تاخیر غیر معمولی وجہ سے پیش آئی، انشاء اللہ آئندہ ہر چہ وقت پر۔ سچے نام۔

”منہج“

اسلام میں مختلف فرقوں کی نشوونما

اور

اسکے علل و اسباب

(۲)

از مولانا عبد السلام ندوی

ذوق باطنیہ کی تولید کا اصلی سبب | اور پرسلسلہ کلام اس حد تک پہنچ کر منقطع ہو گیا تھا کہ جب کوئی جدید فہم کسی جدید مذہب کو قبول کرتی ہے، تو الف و عادت کی بنا پر مدتوں اس کو اپنے قدیم عقاید اپنے قدیم اعمال اپنے قدیم علوم و فنون غرض اپنی پوری گزشتہ تاریخ یاد رہتی ہے، اور وہ اس جدید مذہب کو کھینچ تان کر اپنے قدیم مذہب کی طرف لیجا نا چاہتی ہے،

ایرانی قوم دنیا میں سب سے بڑے تمدن، سب سے بڑے مذہب، اور سب سے بڑی سلطنت کی مالک تھی، اسے جب وہ تباہ و برباد ہو کر اسلام میں داخل ہوئی تو اس کو یہ خواب ہمہ وقت نظر آنے لگا، لیکن اسکے لئے صرف یہی کافی نہ تھا کہ مذہب اسلام میں اپنے قدیم مذہب کی چند باتیں شامل کر کے اپنی تمکین خاطر کا سامان کر لے بلکہ اُس نے سرے سے اسلام کے نظام کو الٹنا اور از سر نو عجمی مذہب کے زندہ کرنا چاہا، چنانچہ اُس نے اسکے لئے مامون اور معتصم کے زمانہ کو جو عجبت فلسفہ اور عقل کی گرم باماری کا زمانہ تھا، نہایت ہی موزوں پایا اور علانیہ کٹل کیسلی، چنانچہ استاد ابو منصور بغدادی نے کتاب الفرق میں الفرق میں متعدد مواقع پر اسکی تصریح کی ہے،

”اس فرقہ نے مختلف طریقوں سے احکام شریعت کی ایسی تاویلیں کیں، جو کما حقہ رفع شریعت ہو“

یادہ احکامِ موس کے مشابہ ہو جائے؟

صحابِ تابعین نے بیان کیا ہے کہ جب لوگوں نے مذہبِ باطنیہ کی بنیاد رکھی وہ موس کی اولاد تھے اور اپنے اسلاف کے مذہب کی طرف مائل تھے، لیکن مسلمانوں کی تلوار کے خوف سے اسکے انکار کی جرات نہیں کر سکتے تھے، اسلئے انھوں نے ایک ایسی بنیاد قائم کی کہ جو اسکو قبول کر لیتا تھا وہ باطنی طور پر جو سبت کی طرف مائل ہو جاتا تھا۔

مشکلبین کا اختلاف ہے کہ فرقہِ باطنیہ نے اپنی بدعات کی جو دعوت دی اس سے انکا مقصد کیا تھا؟ تو اکثر لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ان تادیلات سے جو وہ کتاب و سنت کی کرتے تھے، انکا مقصد دینِ موس کی دعوت دینا تھا۔

مخفی دعوت کے علاوہ انھوں نے نہایت خدا عائد طریقوں سے اسلام میں جو سبت کی آمیزش کی، جو سی آتش پرستی کرتے ہیں، اسلئے انھوں نے چاہا کہ اس شرارے کا جلوہ مسلمانوں کی مسجدوں میں بھی نظر آئے، اس غرض سے انھوں نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ مساجد میں انگیٹیاں رکھی جائیں اور انہیں عود وغیرہ سلگایا جائے، اسی غرض سے برا مکہ نے ہارون رشید کو ترغیب دی تھی کہ کعبہ میں بھی اس قسم کی انگیٹیاں رکھی جائیں لیکن اس نے ویرانہ نشی سے معلوم کر لیا کہ اس سے درپردہ اگ کی پینش کرانا اور خانہ کعبہ کو آتشکدہ بنانا مقصود ہے، چنانچہ جن سباب کی بنا پر ہارون رشید نے اس خاندان کو تباہ کیا ان میں ایک سبب یہ بھی تھا۔

لیکن اس مذہبی طاقت کے زندہ کرنے سے یاطینہ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ایرانیوں کی ملکی طاقت دوبارہ زندہ ہو جائے، چنانچہ استاد ابو منصور ریزادی کہتے ہیں،

انالانجد علی ظہرالارض مجوسیا لا دھو ہم زمین پر کسی ایسے مجوسی کو نہیں پاتے جو ملک پر

مواد لهم منتظر لظهورهم علی الدیار جوسیون کے غلبہ کا منتظر ہو، وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ

یظنون ان الملک یعود الیہم بذلک سلطنت اسی طریقہ سے اُنکو واپس لے لیں گی،

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے متعدد بار ظفار و سلاطین پر قتل و غارت گری کی اور اسلام کی فوجی طاقت کو

انکی مفاومت و استیصال میں حصہ لینا پڑا۔

معتزلہ | معتزلہ کے اصولی عقاید میں دو عقیدے نہایت اہم ہیں،

(۱) قدر، یعنی یہ کہ بندہ اپنے تمام افعال کا خالق اور ذمہ دار ہے، خدا حکیم ہے، عادل ہے، اسلئے

اسکی طرف شہر و ظلم کا انتساب نہیں کیا جاسکتا، معتزلہ کو اصحاب عدل اسی اصول کی بنیاد پر کہتے ہیں،

(۲) نفی صفات باری، یعنی یہ کہ خدا قدیم ہے، اور قدم اس کے مخصوص اوصاف میں ہے، جو دوسرے

میں نہیں پایا جاسکتا، اس بنا پر وہ خدا کے تمام صفات قدیمہ کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ

ذات خود عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے، اور علم، قدرت اور حیات کا جو اسکی ذات کے ساتھ قائم

ہوں، محتاج نہیں، کیونکہ اگر یہ اوصاف قدیمہ پائے جائیں تو قدم میں خدا کی شریک ہونگے، اور اس سے

تقد و قدام یا تعدد آئم لازم آئیگا، اسی اصول کی بنیاد پر معتزلہ کو اہل توحید کہتے ہیں،

ان عقاید میں پہلے عقیدہ کی ابتداء پائیکس سے ہوئی، بنو امیہ کے زمانہ میں چونکہ مفا کی کا

بازار گرم رہتا تھا اسلئے طبیمتون میں شورش پیدا ہوئی، لیکن جب شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا

تو ظفاران حکومت اسکو یہ لہر چپ کر دیتے تھے، کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ہمو اس میں

چون و چرا نہیں کرنا چاہیئے (آمنابا تقد ر خیرہ و شرہ) لیکن جو لوگ آزاد، دلیر اور راست گو تھے

وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ معبد جینی نے جس نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور امام حسن بصری کے حلقہ درس میں

شریک ہوا کرتا تھا، ایک دن اُن سے عرض کی کہ بنو امیہ کی طرف سے قضا و قدر کا جو عذر پیش کیا جاتا ہے

اسلئے معتزلہ کے مختلف فرقے اگرچہ مختلف نام سے موسوم ہیں لیکن ہم نے سب کو معتزلہ ہی کے لقب سے یاد کیا ہے،

وہ کھانک صحیح ہے، امام صاحب نے کہا کہ یہ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں، وہ پہلے سے بنو امیہ کے جو ظلم پر طیش سے بھرا ہوا تھا، اب علانیہ بناوت کی اور جان سے مارا گیا، اسکے بعد غیلان دمشقی نے اس خیال کو ترقی دی اور شہام بن عبد الملک کے زمانہ میں بناوت انگیزی کے جرم میں جان سے مارا گیا۔ اسی زمانہ میں حم بن صفوان پیدا ہوا اور وہ بھی امر بالمعروف کے جرم میں قتل ہوا۔

معیار اور عیدان کے بعد اس اصول کو سب سے زیادہ واصل بن عطاء نے مستحکم کیا، چنانچہ علامہ شہرستانی ملل و خل میں لکھتے ہیں۔

وقرر واصل بن عطاء عند القاعدۃ اور واصل بن عطاء نے اس قاعدہ کو قاعدہ صفات اکثرہما کان یقرر قاعدۃ الصفات زیادہ ثابت کیا۔

احادیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ خیر و شر جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے۔ واصل نے اسکے یہ سنی لئے کہ مرض، شفا، موت، حیات، اور رنج و غم وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں ایہ نہیں کہ بندے جو ر و ظلم، فسق و فجور، نیکی، بدی جو کچھ کرتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ علامہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ "میں نے ایک خط دیکھا ہے جو حسن بھری کی طرف منسوب ہے، اور عبد الملک بن مروان کے نام لکھا گیا ہے، اس میں قرآن مجید کی آیات اور عقلی دلائل سے اس اصول کو ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن غالباً یہ خط واصل کا لکھا ہوا ہوگا کہ حسن بھری سلف کے اس مذہب کی کہ خیر و شر خدا کی طرف سے ہے کیونکہ مخالفین نے اسے "لیکن ہم نے" اور "حسن بھری کا بقول نقل کیا ہے"، اس سے علامہ شہرستانی اس حسن ظن کی غلطی ثابت ہوتی ہے بلکہ ظن غالب تو یہ ہے کہ واصل نے اس مسئلہ کو حسن بھری ہی کے حلقہ درس میں سیکھا ہوگا، بہر حال اس مسئلہ بلکہ اس فرقہ کی ابتدا پائٹکس سے ہوئی تھی اور اس نے آگے چل کر پولیٹکل نتائج بھی پیدا کئے۔ چنانچہ خود خاندان بنو امیہ میں یزید بن الولید نے یہ مذہب اختیار کیا

الشرح من رعل جو علم الکلام، تصانیح مسند مغیری جلد دوم صفحہ ۳۷۵ مل جل صفحہ ۵۰، ۵۱ ایضاً صفحہ ۵۹۔

اور جب ولید تخت نشین ہوا، اور تخت نشینی کے بعد علامہ بیخواری اور عیاشی شروع کی تو یہ رنگ
بیکہر یزید نے امر بالمعروف کے دعویٰ سے علم بغاوت بلند کیا اور ہزاروں معتزلہ اس کے ساتھ ہو گئے۔
عالمہ ولید نے اسی مصلحت سے یہ مذہب اختیار کیا ہوگا۔

دوسرا اصول واسطی کے زمانہ تک بالکل صاف و سادہ تھا، وہ صرف یہ کہتا تھا کہ دو خدا کا
وجود محال ہے، اور جو لوگ صفات قدیمہ کا اثبات کرتے ہیں وہ تعدد خدا کا اثبات کرتے ہیں لیکن
بعد میں اس مسئلہ کو اسکے اصحاب نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ترقی دی، علامہ ابن صاعد نے
طبقات الامم میں لکھا ہے کہ حکماء میں سب سے پہلے بند قلیس نے صفات الہی کا انکار کیا، اور ابولہذیل
علاف نے اسی مذہب کی تقلید کی۔

اگرچہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس مسئلہ کے پیدا ہونے کا اصلی محرک کیا تھا تاہم خلفائے بنو عباسیہ نے
اس سے پورے نیکل فوائد حاصل کئے، اسلام میں سب سے پہلے ایک یہودی الاصل شخص نے جس کا نام عبد اللہ
بن سبا تھا یہ دعویٰ کیا کہ حضرت علی خدا ہیں اور اسی سے خلافت کے تمام فرائض پیدا ہوئے، اس غلو نے ترقی
کر کے حوّل کا عقیدہ قائم کیا، اور اس عقیدہ کی بنیاد سیکڑوں مدعیان الوہیت پیدا ہو گئے۔ جو اپنے
آپ کو امام کہتے تھے، اور عرش نشینی کے ساتھ تخت نشینی کی بھی خواہش رکھتے تھے، قاجاروں کے
تند فرائض تھے، لیکن سب کا مقصد توحید کے عقیدہ کا باطل کرنا تھا، اس بنا پر یہ مسئلہ امامت و توحید
دونوں حیثیتوں سے نہایت اہم مذہبی سیاسی نتائج پیدا کرتا تھا، لیکن اگر سرے سے صفات الہی کا
انکار کر دیا جائے تو یہ عقیدہ دفعۃً متزلزل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں ذات الہی ایک سچا
ہستی۔ بھاتی ہے، اور ایمین کوئی وصف ایسا نہیں پایا جاتا جو دوسرے کی ذات میں حلول کوہے غالباً
توحید کے اثبات اور ائمہ کی الوہیت کے ابطال کے لئے معتزلہ نے اس مسئلہ کو ایجاد کیا ہوگا۔

مذہب مذہب سودی جو علم حکام کے مل دخل صفحہ ۵۰، کتاب مذکور صفحہ ۲۲، مل دخل صفحہ ۵۵ کتاب غفر بن

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، نوٹڈی زادون اور غیر مذہب کے لوگوں نے اسلام میں بہت سی بدعات پیدا کیں اور مستقل فرقوں کے بانی ہوئے، فرقہ عمریہ کے متعلق علامہ بلو منصور بنجدادی لکھتے ہیں،

هؤلاء اتباع عمرو بن عبید بن باب مولى بنی تمیم کے پیرو ہیں
جسکا دادا کابل کا گرفتار شدہ غلام تھا اور مذاہب میں
البدع والضلالت فی الادیان الامن انباء
یہ لوگ عمرو بن عبید بن باب مولى بنی تمیم کے پیرو ہیں
جسکا دادا کابل کا گرفتار شدہ غلام تھا اور مذاہب میں
البدع والضلالت فی الادیان الامن انباء
پیدا ہوئے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

فرقہ حذلیہ کی نسبت لکھتے ہیں،

هؤلاء اتباع ابی ہذیل محمد بن ہذیل المعروف
عبد القیس کا غلام تھا اور نوٹڈی زادون کے طریقہ پر چلا
کیونکہ بدعات کا خوراکتر زمین سے ہوتا ہے۔

فرقہ ثمالیہ کا بانی ثمال بن شمس نمیری تھا جو انکا غلام تھا، اسکا عقیدہ تھا کہ جو شخص جان بوجہ کر
خدا کی نافرمانی کرے وہ گنہگار ہے، اس عقیدہ کی بنا پر وہ جنگ میں قیدیوں کے گرفتار کر لیا کرتا تھا
اور کہتا تھا کہ قیدیوں نے جان بوجہ کر خدا کی نافرمانی نہیں کی ہے، اس عقیدہ کو لکھنکراستاد ابو منصور لکھتے ہیں۔
فیدعہ تمام علی هذا التقید لائق بنسبہ
ثمالہ کی یہ دعوت اس کے نسب کے لائق ہے،

بہر حال عرب سے نکل کر اسلام مختلف عقاید، مختلف مذاہب، مختلف اغراض، مختلف علوم اور مختلف
اقوام کے درمیان گھبر گیا تھا، اور بنے اسپر کچھ نہ کچھ اثر ڈالا، اسی پیش بینی کی بنا پر شارع علیہ السلام نے کہا تھا کہ
میری امت بہتر فرقوں میں منقسم ہو جائیگی اور اسباب و دواعیات نے یہ پیشنگوی پوری کر دی۔

۱۔ کتاب الفرق بن الفرق ص ۱۱، ۲۔ کتاب مذکور ص ۱۰۲، ۳۔ کتاب مذکور ص ۲۰۔

مصری کہانے

مدت کے بعد ہوبوبی عبدالرزاق صاحب ندوی نے اپنے سفرنامہ کا ایک اور باب پیش کیا ہے یہ مصر کا خونِ نعمت ہے، وہ ہندوستان کا ساچنچا را مصر میں دھونڈتے تھے وہ بہنیں ملتا تھا، بس ایک تکی اور ناگواری اس سارے مضمون میں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایران و ہندوستان کے تمدن نے ایک ساتھ چمک کر ہندوستانی مسلمانوں کے دستِ خزان کو جقدر پر لطف بنادیا ہے وہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔

مصریوں نے لباس و پوشاک میں اگرچہ اپنی توجہ بہت زیادہ مبذول کی ہے اور ایک طنزک استو ترقی دی ہے، لیکن غور و دوش میں وہ ابھی بہت پیچھے ہیں، اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ لڑکیاں ان کے وہ قطعاً نا آشنا ہیں، ذیل میں انکے بعض مشہور کمانوں کی تفصیل ملاحظہ ہو،

فول، یہ ایک خاص قسم کا غلہ ہے جو مصر میں بکثرت پیدا ہوتا اور ادھر ہر کی مانند پھلیوں میں ہوتا ہے اور بڑے چنے سے بھی قد آور ہوتا ہے، فول مصریوں کا نہایت ہی مرغوب ناشتہ ہے، جسے وہ بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے اور ایک نفیس غذا تصور کرتے ہیں، میرے خیال میں فیصدی دو شخص بھی ایسے نہ نکلیں گے جو روزانہ اسکا ناشتہ نہ کرتے ہوں، اس میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ جسکے منہ لگتا ہے پھر بہنیں چھوٹا، اسکے کمانے سے خفیف سی غنودگی اور سستی چھا جاتی ہے، اور سچ مچ انسان کو "فول" (بلے و فوف) بنادیتی ہے، ابتداء میں اس سے سخت متغفر تھا، لیکن دو ایک مرتبہ کمانے کے بعد عادت پڑ گئی اور پھر شوق سے روز اسکا ناشتہ کرنے لگا۔

مصری اسے نہایت بری طرح پکاتے اور کھاتے ہیں، پکاتے کا میکو، صرف اُباں لیتے ہیں اور انکے مریج اور بولے کا تیل ڈال کر کھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس چیز کی ہی اس طرح خراب کجائیگی اسکے

مرزہ کا کیا حال ہوگا؟ برخلاف اسکے جب ہم اسے ہندوستانی طریقہ سے باقاعدہ نمک مرچ اور سالہ وال کر پکاتے تھے تو نہایت لذیذ ہو جاتا تھا، جس سے ہمارے مصری احباب تعجب کرتے اور چٹا رہتے، مارا کر کہا جاتے، لیکن انھوں نے کبھی ہم سے اس طریقہ کے پیکنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہمیں اُسے دریافت کیا اس سے انکی انتہائی بے پروائی اور غفلت کا اندازہ ہو سکتا ہے،

فول کا ناشتہ سب چیزوں سے زیادہ ارزان یعنی صرف اسی میں بخوبی ہو جاتا ہے، فول کی دوکانیں عموماً نہایت گندی ہوتی ہیں، اور جس گھرے میں وہ ابلا ہوا رکھا ہوتا ہے وہ بھی نہایت غلیظ ہوتا ہے، سپر رکھ اور گرد کی تہین جی ہوتی ہیں، جبکہ دیکھنے سے طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے، اس سے بھی بڑھ کر تکلیف دہ کپیرے کا وہ گیند ہوتا ہے جو اس گھرے کے منہ پر رکھا ہوتا ہے، اسکی گندگی ناقابل بیان ہے یہی حال میزکری اور برتنوں کا بھی ہے، مگر بایں ہمہ اچھے اچھے ”جینٹلمین“ ان دوکانوں میں باطمینان بیٹھے نظر آتے ہیں، حالانکہ دیگر اشیا کی بلی دوکانوں کے قریب سے بھی گزرنایہ گناہ سمجھتے ہیں، یہ عجب سمجھا ہے، جبکا حل کرنا ذرا مشکل ہے، اور اسلئے مصر میں یہ عام مقولہ ہو گیا ہے کہ فول کھانیکا مرزہ میلے برتنوں اور میلی دوکانوں میں ہے،

فول صرف ناشتہ ہی کے کام نہیں آتا بلکہ وہ غربا کی عام غذا ہے، وہ اس سے پھلیکان، ابرٹے اور بعض دیگر کھانے بھی طیار کرتے ہیں، اطباء بھیگے ہوئے فول کا شوربا بیماروں کو دیتے اور اسے زرد ہضم بتاتے ہیں، غرض کہ فول سے مصریوں کو ایسی ہی الفت ہے، جیسی اہل اودھ کو ماش کی دہوئی وال سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، لیکن شتان ما بینہما،

وال - مصر میں صرف سور کی وال پیدا ہوتی ہے، اسلئے مصری بھرا اسکے اور کسی وال سے واقف نہیں ہیں، اور ”عذس“ کے لفظ سے صرف اسکو مراد لیتے ہیں، حالانکہ عربی میں یہ لفظ عام ہے اور ہر وال پر کیساں بولا جاسکتا ہے، انہیں ہماری زبانی یہ سن کر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوستان میں کئی قسم کی

دالین ہوتی ہیں جنہیں سب سے اونچی درجہ سور کی دال کا ہے، اتفاق سے ہمیں اپنے ایک ہندوستانی دوست
ہتوڑی سی ماش کی دال مل گئی تھی جسے ہم نے ہندوستانی طریقہ سے پکا کر مصری اجاب کی دعوت کی
اسے انھوں نے انتہائی رغبت سے نوش کیا اور ہمارے مذکورہ بالا قول کی تصدیق کی،

پنیر۔ پنیر کو بھی مصری بہت عزیز رکھتے اور بڑے شوق سے کھاتے ہیں، مصر میں کئی قسم کا پنیر مستقل
جسکی تفصیل یہ ہے،

(۱) البنتہ الاسلابولی (استبولی پنیر) یہ قسطنطنیہ میں بنتا اور وہیں سے آتا ہے، اور مرہ میں نہایت
لذیذ اور ارزانہ متوی ہوتا ہے، حتیٰ کہ بغول اطبا کے یہیں مادہ زلالیہ کی مقدار فیصدی ۷۷، اگر گرام ہے جو
ظاہر ہے کہ اتنی مقدار میں کسی دوسری غذا میں نہیں پایا جاتا، لیکن چونکہ یہ قیمتی موٹا ہاسٹلے اسکا استعمال کم ہے
(۲) البجنتہ الرومی - (یونانی پنیر) یہ یونان، شام اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ سے آتا ہے مگر کیفیت بدبودار
بدمرہ لیکن متوی ہوتا ہے، اگر ان ہو نیکی وجہ سے یہ بھی کم کھایا جاتا ہے۔

(۳) البجنتہ البلدی (دیسی پنیر) یہ خاص مصر میں بنتا ہے، اور چونکہ اس سے مکین نکال لیا جاتا ہے
اسلے ارزان فروخت ہوتا ہے، یہ اگرچہ متوی نہیں ہوتا تاہم کیفیت خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

(۴) ”مش“ اسکا حال کیونکر بیان کیا جائے، اور ہے کہ مجھے اور پڑھے والے کو تو تھو جائے کیونکہ یہ انتہائی
زیادہ غلیظ اور کسی طرح بھی غذا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کے بنانیکا طریقہ یہ ہے کہ دیسی پنیر کو ٹکڑوں
میں بھر کر کھدیتے ہیں اور اس وقت تک جبر نہیں لیتے جب تک کہ وہ خوب سر کر بدبودار اور بد رنگ ہو جائے
اور اس میں کیڑے نہ بکھلے لگیں، اس میں تعفن اس درجہ کا ہوتا ہے کہ کوئی سلیم النفس انسان اسے برداشت
نہیں کر سکتا، وہ معتد پرانا ہوتا جاتا ہی اسے قدر اعلیٰ قدر قیمت برہتی جاتی ہے۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ سراسر نجاست چوری چھپے کھالی جاتی ہوگی، نہیں اسے علانیہ فخر
و سبابت کے ساتھ کھایا جاتا ہے، مہانوں کی خاص طور پر اس سے تواضع و مہارت کیجاتی ہے، اور

ابنیں صرف اسکے تناول پر مجبور کیا جاتا ہے، تیسرے سال جب میں مصری حجاج کے ساتھ حجاز جا رہا تھا تو جہاں پر ایک خوش اخلاق مصری زمیندار سے ملاقات ہو گئی جس نے ایک شب اپنے ہمراہ کمانا کھانے پر مجبور کیا، چنانچہ جب دسترخوان چٹا گیا تو اسپر ہٹا ہوا گوشت، عمدہ بیئر، چند قسم کا مرہ، اور حضرت "مش" بھی جلوہ افروز تھے، جبکی خوشبو فضا میں پھیل پھیل کر صبح دماغوں کو پرگندہ کر رہی تھی، میرے میزبان نے انتہائی تکلف برت کر مش کے پیالہ کو میرے سامنے رکھ دیا اور کہا بون آپ نے مصر میں بہت مش کھایا ہوگا، لیکن ذرا ہمارے مش کو بھی ملاحظہ فرمائیے، جسے ہم نے بڑے اہتمام سے خاص راج کیلئے تیار کر لیا ہے! پیشتر تو میں نے بطور تکلف کے اس نعمت عظمیٰ کو انہیں کی طرف بڑھا دیا، کہ جناب نوش فرمایں بندہ بھی شریک ہو جائیگا، لیکن جناب نے ایک نہ سنی اور غلوص دسادگی کے ساتھ فرمانے لگے آپ بہت باتکلف معلوم ہوتے ہیں! کیا آپ کے ملک میں میزبان کا دل و کمانہ روا رکھا جاتا ہے؟ ابنو بڑی مصیبت کا سامنا ہوتا یا آئی کیا کروں؟ اگر کھاتا ہوں تو تھے توفی ہے اور اگر انکار کرتا ہوں تو میزبان رنجیدہ ہوتا ہے، دل میں تو کوئی مرتبہ آیا کہ اس غلیظ کے پیالہ کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں، لیکن ایشیائی تہذیب مانع آئی، آخر یہ مصیبت اسطرح آسان ہوئی کہ زمیندار صاحب کی مینائی کلم تھی اور جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کی سیدقتاریکی بھی تھی، ان دونوں چیزوں سے میں نے فائدہ اٹھایا اور پیالہ کو اپنے سامنے رکھ کر دکانے کو اس میں ہاتھ ڈال ڈال کر روکی روئی سے شکم پری کر لی، اور مصریوں کی گندی غذاؤں پر دل ہی دل میں ملامت کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا!۔

صرف اسقدر نہیں بلکہ اگر تقریبوں میں مش کو گون کے سامنے نہ پیش کیا جائے تو بڑی رسوائی ہو جاتی ہے، خصوصاً دیہاتوں میں اسکا بہت لحاظ کیا جاتا ہے، عید تو اسکے کھانے بغیر ہوتی ہی نہیں! چنانچہ ہمارے ہم درس مصری پہلے سال جب عید کر کے اپنے مکانوں سے مدرسہ واپس ہوئے تو ہمارے لئے بطور تحفہ کے "مش" لائے تھے، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ ہم اس سے دیسی ہی نفرت کرتے ہیں، جیسی

غلیظ سے کی جاتی ہے تو وہ ہماری بد قسمتی پر بہت متاسف ہوئے کہ ہم اس نعمت (مش) سے محروم ہیں:

منج یہ اس سڑی ہوئی پھلی کا نام ہے جو "مش" ہی کی مانند بخش اور اسی کی طرح مرغوب طبع خاص

و عام ہے، حیرت ہے کہ لوگ اسے کیونکر کھاتے، درمفہم کرتے من، کیونکہ اس میں بڑے بڑے سفید کمرے

ریکتے ہوتے ہیں، اور نقص اس درجہ ہوتی ہے کہ جس دوکان میں وہ رکھی ہوتی ہے، اسکے قریب سے

گذرنا بھی دشوار ہوتا ہے، لیکن مصریوں کو اسکے ساتھ اس قدر انس ہے کہ وہ پہرون اسکی خریداری کیلئے

دوکان پر کمرے رہتے ہیں اور بغیر لئے نہیں ملتے، خصوصاً ایام عید میں تو عجب کشمکش اور بھیر بھاڑ ہوتی ہے

ایک پر ایک گزنا اور پیش قدمی کرتا ہے، اور جب انتظار کرتے کرتے دیر ہو جاتی ہے تو جھجلا جھجلا کر دکھانے

کہتا ہے حوام علیک یا شیخ! آخر تخی لیتو باقہ علیک اتنی اولاد کا صاحب تم نے بڑا انتظار کرایا، برا بھلا

پہلے مجھے دیدو

عیدین اور ایام مسرت میں اسکا کھانا بھی لابی خیال کیا جاتا ہے، صرف عوام مہنس ہی

میں نہیں بلکہ تقریباً تمام طباقوں میں، چنانچہ ایک وکیل صاحب نے جو بارے شناساؤں میں تھے

اور صفائی و پاکیزگی کے دعوے کیا کرتے تھے، عید کے روز ہماری دعوت کی، میز پر دیگر کھانوں کے

ساتھ فصیح بھی موجود تھی جبکی بدبو سے داغ پھٹا جاتا تھا، اور جسے وہ دانتوں سے نوح نوح کر بڑی غصے سے

کہہ رہے تھے، اتفاق سے انکی موچ میں اسکا ایک بڑا سا کیرا لٹک گیا جس پر ایک زندہ دل ہندوستانی نے

اکھا، وکیل صاحب! دیکھئے یہ آپکی موچ میں کون صاحب رونق لغوز ہیں، "اسپر انھوں نے سے دسترخوان

گرا دیا اور سنجیدگی سے کہنے لگے، "یہ اسی فصیح کا کیرا ہے، آپ تعجب کیوں ہیں، کیا آپ اسے ناپاک

تصور کرتے ہیں، اسکے متعلق تو علمائے ازہر کا فتویٰ موجود ہے کہ وہ نجس نہیں ہے:"

زیتون - یہ وہی زیتون ہے جسکا ذکر خیر قرآن مجید میں کئی مقام پر آیا ہے اور مصر میں بکثرت کھایا جاتا

لیکن مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی طبیعت میں اسے پسند نہیں کر سکتیں، کیونکہ ہول اول جبکہ عجیب منہ ستھیت کا

پورا غلبہ تادہ مجھے نہایت بد مزہ معلوم ہوا، میرے ایک ہندوستانی دوست مقیم مصر کا بھی یہی بیان ہے چنانچہ کہتے تھے کہ جس روز میں جامع ازہر پہنچا تو ایک بینی طالعلم نے میری تواضع زیتون اور روٹی سے کی مجھے کیا معلوم تھا کہ زیتون کیا چیز ہے؟ جون ہی اسکا ایک دانہ زبان پر رکھا ابھائی آگئی، اور مجھے مجبوراً اس سے دست کشی کرنا پڑی، چہرہ میزبان کبیدہ خاطر ہو گیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیتون اتنی بد مزہ چیز نہیں ہے، بقنی عین ابتدا میں معلوم ہوئی، چنانچہ بعد میں ہم اسے بشوق کمانے اور بہت مصری کمانوں پر اسے ترجیح دینے لگے، زیتون میں ذہنیت اس قدر ہوتی ہے کہ جس برتن میں اسکی کچھ مقدار رکھ دی جاتی ہے اس میں روغن ہی روغن ہو جاتا ہے، اسکا پہل چھوٹی جامن کے برابر سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جب سردی کی طرح چرسین پڑی ہوتی ہیں، دنیا میں سب سے عمدہ، خوش ذائقہ اور قد آور زیتون ملک شام کا ہوتا ہے، اور اسکا سب سے بہتر اور خالص روغن یونیس سے بوتلون میں بھر کر آتا ہے،

ترکاریاں - ہندوستان کی مانند مصر میں طرح طرح کی ترکاریاں نہیں ہوتیں، صرف بگین، گول بوکی، اسٹرو، آلو، کھیر، گلگڑی اور بھنڈی وغیرہ پائی جاتی ہیں، میں نے اپنے زمانہ قیام میں کبھی بھی اردوئی، بٹڈے اور نرئی نہیں دیکھی، ہم کے درخت ہوتے ہیں مگر کیونہیں معلوم کہ اسکی پھل یاں بھی کھائی جاتی ہیں، اسکی پہل صرف خوشمائی کے خیال سے دیواروں پر چڑھائی جاتی ہے، ہم نے لوگوں کو قصداً اس راز سے واقف نہ کیا تھا، اور اکثر دو چار پیسہ دیکر سب سے پھل یاں چھل کر لیا کرتے تھے، جس سے انکو تعجب ہوتا تھا کہ ہم انہیں کیا کرینگے؟ ہم کہہ دیا کرتے تھے کہ دوا کے واسطے انکی ضرورت ہے،

اسی طرح کچنار کے درخت بھی محض خوشمائی کے لئے باغوں میں بکثرت لکھنے کے جاتے ہیں اور کیوں سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، ہمارے مدرسہ کے باغ میں بھی اسکا ایک تناور درخت تھا، فصل پر ہم نے اسکی کھلیاں توڑ کر پکا پکڑیں، ہمارے مصری ساتھی ہنستے تھے کہ ہم ایک زہریلی چیز بھا رہے ہیں لیکن نتوڑی ہی دیر بعد جب انہیں اسکا مزہ معلوم ہوا تو دیوانہ وار اس پر ایسے گوے کہ تمام ہانڈی صاف ہو گئی

اور پھر فصل بھر بہن اسکے تیار کرنے پر مجبور کرتے رہے۔

طوخیۃ - یہ ہمارے ملک کی چولائی کی مانند ایک پتی ہوتی ہے، مصری اسپر می دل و جان سے ترغیۃ بہن، اور روانہ اسکے تناؤل کرنیکی کوشش کرتے ہیں، اور وہ اسلئے اور بھی پسند کرتے ہیں کہ انکے خیال کے مطابق وہ مسک ہوتی اور انکی عیاشی میں معاون ہوتی ہے، ہر دسترخوان پر اسکا ہونا ضروری ہے، اور اگر گمان کے سامنے وہ ہنوتو گویا مہمانی ہی نہیں ہوتی، یہ اگر سلیقہ سے ہندوستانی ساگ کی طرح پکائی جائے تو خوش ذائقہ ہوتی ہے، لیکن مصری اسکی مٹی پلید کر ڈالتے ہیں، اور بخنی میں اسے شوربے کی طرح پکا لیتے ہیں، نہ نمک ہوتا ہے، نہ مریج اور نہ ترشی، اور چونکہ اس پتی میں سب سے بہت ہوتا ہی اسلئے تمام ہانڈی لعاب سے بھر جاتی ہے، اول اول مجھے ایک ہوٹل میں کمانا کمانیکا اتفاق ہوا اور کہا نون کی فہرست میں طوخیۃ، کو کوئی عمدہ چیز بھکر طلب کیا، سب سے پہلے اسکے ہرے ہرے رنگ کو بیکر گرفت ہوئی، پھر جون ہی اسکا قلعہ منہ کو بجانے لگا ایک بوٹا سا تار پیٹ سے منہ تک چلا آیا، خیر اسے بھی طوعا و کرہ برداشت کیا، اور ہمت کر کے قلعہ داخل وہن کر دیا، لیکن اسکا ٹھکانا ممکن تھا اسپر حاضرین بہت تعجب ہوئے، اور بعض نے خشتاک نظروں سے گھورنا شروع کیا،

گوشت - مصری گوشت کم کھاتے ہیں جسکی بڑی وجہ اسکی گرانی ہے، چنانچہ وہ نہ اور بکری کا سموی گوشت دور و پیہ سیر، اور بقر کا پیر سیر فروخت ہوتا ہے، اونٹ کا گوشت اگرچہ ارزان ہوتا ہے لیکن سخت اور بد مزہ ہونکی وجہ سے عموماً ناپسند کیا جاتا ہے، گرانی کا حال ہوٹلوں میں بھی ہے، چنانچہ سادہ سالن کا ایک پیالہ جس میں چند چوٹی چوٹی بوٹیاں ہوتی ہے، ہر میں، اور ترکیاری کی ایک پیٹ جس میں صرف ایک بوٹی ہوتی ہے، ہر میں ملتی اور بیکل کافی ہے، پس ظاہر ہے کہ اس گرانی کے ہوتے ہوئے عوام الناس کیونکر گوشت کا استعمال کبیرت کر سکتے ہیں،

مصری گوشت کو بھی خوش ذائقہ پکانا نہیں جانتے وہ پیشتر اسکی بخنی نکال لیتے ہیں، جس میں چادل

پکاتے ہیں، اور پھر بوتوں کو لگی اور پانی میں ڈال کر بال بے بین، سیجے بس ہانڈی تیار ہو گئی۔ نہ تو گوشت ہی سبھ ہونے پایا نہ اسکی بو بھی پورے طور پر دفن ہوئی، یہ حالت صرف ہاشمائی کی نہیں بلکہ اچھے اچھے بادر چیون کی ہے، چنانچہ ہمارے مدرسہ کے دارالافتاء میں عبدالکریم نامی ایک مشہور بادرچی تھا، اسکا شاہوہ علاوہ حوراک کے ملتے تھا، اور کام صرف اسقدر تھا کہ اپنی زیر نگرانی ماتحت بادرچی سے عمدہ کھانا تیار کرادے، لیکن اسکے پکوان کی بھی وہی حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی، مگر بایں ہمہ اس احمق کو اپنی استادوی اور کمال پر بڑا ناز تھا، اور جو کوئی بلا استاد کسمے ہوئے اسکا نام لے لیتا اس سے ناراض ہو جاتا، ہماری حالت مصر میں بالکل اس بازاری مثل کے مطابق تھی کہ ”بورے گاون میں اونٹ آیا“ لوگوں نے جانا پر مشورہ آیا، ہمارا پکوان ایک عجیب چیز بھی جاتی تھی، اور مصری دوستوں کو اکثر تنہا ہا کرتی تھی کہ ہمارے ہاتھ کا پکیا ہوا کھانا کھائیں، اور جب کبھی ہم پکاتے ہوتے تو وہ دیدے پہاڑ پہاڑ دیکھتے، اور حیرت زدہ ہو کر مذاق میں کہتے ”تم لوگ کھانے پر جادو کر دیتے ہو۔“ اور میرے ایک ہندوستانی دوست مولوی عثمان صاحب ندوی (کہ جنہیں اس فن سے مناسبت تھی) کو تو ”دکتور فی الطبع“ یعنی ڈاکٹر آن کہا کرتے تھے، خصوصاً یہ معلوم کر کے انہیں اور بھی تعجب ہو جاتا تھا کہ مصر آنے سے پہلے ہم کبھی چولے کے سامنے بھی نہ بیٹھتے، کیونکہ انکو یقین تھا کہ ہم نے یہ فن ہندوستان میں بڑی محنت سے حاصل کیا ہوگا۔

ترک اگرچہ عمدہ اور لذیذ غذائیں کھانیکے عادی ہیں، مگر وہ بھی ہندوستانی چٹپٹے کھانوں پر بھیجے جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ہم نے انڈے تلے اور اپنے ایک مخلص ترک دوست کے سامنے پیش کئے ترک اگرچہ مرج مطلق نہیں استعمال کرتے، اور ان انڈوں میں اسکی اتنی افراط تھی کہ ہم باوجود صاف کے پریشان ہو رہے تھے، لیکن وہ ان پر ایسے گرسے کہ بغیر تمام صاف کئے ہوئے نمونہ موڑا، حالانکہ مرج کی وجہ سے انکی حالت دگرگون ہو رہی تھی، چہرہ سرخ تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، ناک سے پانی ٹپک رہا تھا، جسم پسینہ سے سرق عرق ہو رہا تھا اور نمونے ”فہ“ ”فہ“ کی آوازیں نکل رہی تھیں، اگر کھانا کھلے

ہاتھ رک جائے، بالآخر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی، اور کئی روز تک خونِ پیش میں مبتلا رہے، اسکے بعد اکثر بطور مذاق کے کہا کرتے، تمہارے اندون میں بچو پڑے ہوئے تھے جنھوں نے مجھے کاٹ کہا یا تہا؟

استاذی حضرت سید رشید رضا صاحب قلم ہندوستان کی جہان اور بہت سی تعریفیں کیا کرتے تھے انہیں اسکے لذیذ کمانوں کا تذکرہ بھی بڑی رطب اللسانی سے فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد کیا ہوا زرد زرد چاول (مرد عفر سے مراد ہے) میں نے علی محمد خان (راجہ صاحب محمود آباد) کے یہاں کھائے تھے وہ اب تک مجھے ہنیں بھولتے، اگر تم سے ممکن ہو سکے تو پکاؤ، لیکن افسوس ہے کہ ہم اس میدان کے مرد نہ تھے کمانے کا طریقہ - شری باشندہ ہوا میر کرسی پر کمانا کہاتے، اور فرزند پر بھینا صرف میوہ ہی ہنیں بلکہ لعجب انگلیز سبجے تین احضرت سید صاحب قبلہ اکثر فرمایا کرتے تھے، ہندوستان میں مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ہندوستانیوں نے عرصہ دراز سے مغربیوں کے زیر اثر ہو گئے باوجود بھی بہت کچھ اپنے قومی اخلاق و عادات اور مراسم کو برقرار رکھا ہے، اور اب تک ان پر مضبوطی سے قائم ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فنا ہو نیوالی قوم نہیں ہیں، جب میں اُنکے بڑے بڑے امرا کو فرزند پر دسترخوان پر بچائے ہوئے دیکھتا تھا تو مجھے اندر غشی ہوتی تھی، (ناظرین ذرا اس مضمون پر غور کریں)

چہرے کمانے کا رواج مغربی تہذیب کے شیدایوں میں نام ہے، لیکن چہرہ عوام الناس ہاتھ سے کھاتے ہیں، البتہ چاول ہر طبقہ میں چھج ہی سے کھائے جاتے ہیں، اور چابیئے بھی ہی برتن کھاتے ہیں، تانچینی اور شیشہ کے ہوتے ہیں، اشیاء تانبے اور تیل کے برتنوں کا رواج مفقود ہے، البتہ تانبے کے بڑے بڑے برتن غسل پتیلیاں وغیرہ ہوتی ہیں، کمانا عام طور پر پتھر کے کو یوں یا پتروں پر پکتا ہے کیونکہ لکڑی اندر گراں ہونگی وجہ سے ایندھن کے کام نہیں بلکہ صرف کوئلے سلگانے کے کام آتی ہے، بعض اوقات ہندوستانی مہر کو ہندوستان پر قیاس کر کے لکڑی کا استعمال کر کے کینہ مصارف برداشت کرتے ہیں

اور پھر چند وزین گرائی کی شکایت کرتے ہوئے مصر کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوتے ہیں،
 ہندوستان کی مانند مصری شہروں میں گھر گھر کھانا پکانے کا دستور نہیں ہے، تقریباً سب لوگ
 ہوٹلوں میں کھاتے ہیں، حتیٰ کہ عورتیں تک بازار ہی کے بھر دسہ پر ہوتی ہیں، لیکن دوکانوں میں بیٹھ کر
 کھانا کھانا ان کے حق میں سخت میسوب سمجھا جاتا ہے، اس لئے وہ مکانوں پر طلب کر لیا کرتی ہیں، عورتیں
 روٹیوں کا تو انتظام عموماً گھروں ہی میں بطور خود کر لیتی ہیں، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ آٹا گوندہ کر اور
 روٹیاں بنا کر باورچی خانہ سے باہر تھکوا لیتی ہیں، روز کار و زہین بلکہ ہفتہ عشرہ کا بند و بست
 ایک ساتھ کر لیتی ہیں، امراء اور زیادہ گرسٹ لوگوں کے بیان روزانہ کھانا پکتا ہے، اور غوبردار
 عورتیں ہر شب جمعہ کو گوشت ضرور پکاتی ہیں، جسکی وجہ کبھی آئندہ بیان ہوگی۔

عبدالرزاق ندوی

الهیات سخن حبیب

از مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدرالکلیه و دوت آصفیه

بر طبع خواجہ حافظ شیرازی

حیات تازه خیال لب تمارا	نوید عین بہار رخت تماشارا
نگاہ گرم تا بدندار گلگونش	مگر بخواہ بہ نیم جمال رعنا را
بہان شوق زنی آتش ز تابش حسن	بچشم مہر فسرانی روان تمارا
ز تاب جلوه کند تا نگاہ را مدہوش	بہر بادہ ہر افروخت روی زیبارا
شکستہ رنگ گلستان بہار خضارت	لب چہرے تو در خون نشاندہ ہبارا
فغان کہ آن بہت شگول ہوش سرت	جلوہ نواز دہیب شنیدارا
کوشیم منت بخت بلند خود روزے	کدہ کشیم بر آن بلند بالا را
ز شور پتہ تو گشت عیش شہرین تلخ	ز تاب زلف تو تار است و وز بلی را
وہ کلام چہ تنگ نبات کہشائی	شکر بکام کنی طوطی شکر خارا
دلہ بسا غرہ میانمی کشد حسرت	کہ برد ز گسستانہ ز خود مارا

کلام گرامی

از جناب گرامی شاعر خاص ہندو نظام کن

پہنا ہم د پیدایم کیفہ بشراب اندر	پیدایم د پہنا ہم د انعم بکباب اندر
دیباچہ بودم پیچ انگیز وجودم پیچ	منعمون خیالم من پیچیدہ بخواہ نامندر

تہن کلمتہ کہ عارف را آرد و پوچہ دلین است
 جان است بحکم اندر دیا بجا باب اندر
 از دوسوی من می پرس از غیر چه می پرس
 شوقم بموال اندر دوقم بجا باب اندر
 رمزیت چیکمانہ می خواهم دمی توهم
 خوابست بمرگ اندر مرگست بجا باب اندر
 در کشکش لایم در جذبہ لایم
 پیچیم دہمہ باہم چون عکس باب اندر
 دیدیم گردانی را در خلد برین مشتب
 ابلہ بہ ہشت اندر دانا بجا باب اندر

غزل جدید

از مولانا آزاد بجا شیخ الجامعۃ الالہیۃ

نقطہ مدح تمام پر ماہ تمام آگیا
 یعنی وہ چاندن کا بر سر ہام آگیا
 شکریہ زیر احد باب آگیا نام شیخ بھی
 شرب اہل جام میں منکر جام آگیا
 پرشش لطف ظاہری حائل غائبی
 دہم فریب یار میں عاشق غام آگیا
 لائق امتحان تہا میں کہ تہا بے دل و جگر
 جذبہ شوق امتحان دقت پہ کام آگیا
 مرقع امتحان قبل دعوی امتحان غلط
 کاپ اٹھا ہوں جب کبھی جو کلام آگیا
 چل دسی راہ عشق آج تو نقد حبیل
 جان حزمین کی مانگ ہے پیٹھے پیام آگیا
 کسکو تھی تاب یکیشی ہونے دہ بند یکہ
 نیت اتفاق کرد ماہ صیام آگیا

غزل جدید

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

ازل سے دیکھتا ہوں جو نگہ ہی تم ناتق ہے
 مست آیا ہے دیا بہر کا تیل میں یا تل ہے
 مناسے کو منا ڈالا مگر وہ نون کو شکل ہے
 کہ پہلے ایک ہی مناب ہر کہ درہ نیا دل ہے
 نقاب لٹور کے تم اور دیکھ لینگے دیکھنے والے
 یہ وہ باتیں ہیں جہا کوئی قائل تازہ قائل ہے

رگون کا اینٹنا بنی نزع میں تھیدا آزادی
 نقاب رخ اٹھتے ہیں وہ دل کا غنیمتیں
 اُمیکو حشر کتے ہیں جہان دنیا ہو فرادی
 مری میتا یوں سے تم بہت ناراض ہوتے تھے
 شکایت بے نیازی کی کسی مدہوش سے کرنا
 مکان بن یوں کہیں ہوتا ہے جذبہ ای جذبہ نفی
 یہ دہے خاک ل کے سیکڑوں عالم بنائیں گے
 نگاہ ناز جس افسیم میں فرمان روا ہو گی
 تہین مدبر بزرگت جان لپاک کتنے دست
 شکبہ میں فلک کس دیبا سے غم نصیبوں کو
 فلک ہو یا سارے حشر تک لک راہ پرین
 بہار اسکی چمن اسکا شراب اسکی سرور اسکا
 رگون کو تو مگر اس نے نگاہیں اپنی دلا دیں
 سلام آخری اے ساکنان کو چہ جہانان
 سنو ٹوٹی ہوئی قبروں سے پچھلی داستانوں کو
 امید ناخاکہ کیا ہو وہاں تک کون پہنچا
 نثار اس رسم غوار کی شرم سے کیا چھل
 قریب ختم اب عیاد پابند سلاسل ہے
 طلوع ہر ہے اور ڈوبتے تاروں کی مغل ہے
 ہی اے میر دیوان چرا کیا تیری مغل ہے
 لہو تک اب چلے آؤ کہ ساکن مضطرب لہ
 مگر اس رنگ میں ڈوبا ہوا خود میر مغل ہے
 جو پہلے رہنے والا دل کا تاب آج وہ دل ہے
 اسی دنیا میں ہیں دنیا گر خدا ان میں دل ہے
 وہاں برق تجلی کیا سراسر خط باطل ہے
 نہ تم بائیکے قابل ہونہ وہ جینے کے قابل ہے
 مرین کیونکہ کہ اب دم توڑنا ہی تخت شکر ہے
 یہ جینے میں لہو کی اور وہ داماں قاتل ہے
 کہ دست شوق جھکا تیری گردن میں جاکل ہے
 ازل میں جھکے شکوہ تاکہ محروم بخش دل ہے
 ہماری اور منزل ہے تمہاری اور منزل ہے
 جہان خاموشیاں کرتی ہیں یوں یہ وہ مغل ہے
 دیار عشق میں تربت سری پادان شعل ہے
 سر ہلنے ٹھینے والے تریا ہار غافل ہے

رواے کبہ کے ہر تاسے خون آج چمکیگا

عزیز آما وہ فریاد زخم پر دہ دل ہے

مطبوعاتِ عجمیہ

حالاتِ حسرت، انہیں اعانتِ نظر بندانِ اسلام دہلی نے مولوی سید فضل الرحمن حسرت موہانی کے
 آغازِ زندگی سے اس وقت تک کے تمام حالات اس رسالہ میں جمع کر کے شائع کئے ہیں تکمیلِ تعلیم کے بعد ان کی ایک
 سیاسی زندگی جیسی کچھ رہی ہے، اسکو تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حسرت کے سوانحِ حیات
 میں پابندیِ اصولِ حریت خیال اور استقلالِ عمل کے جو حیرتناک واقعات ہیں وہ اخلاقی حیثیت سے
 ہمارے نوجوانوں کی عملی زندگی کے لئے رشعِ راہ بن سکتے ہیں، ابتداء و حریت کی معرکہ آرائی کے مناظر
 یہاں انکو جس کثرت سے مل سکتے ہیں وہ ادھر کہاں نظر آسکتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان ان
 ہمت افزا اور جرأت آموز سابق کو پڑھ کر عطا ازبر کر لیں، رسالہ کی کھپائی چھپائی بہت صاف اور
 اچھی ہے، صفحہ ۶۰ قیمت ۴۰۔ صدر دفتر انجمنِ اعانتِ نظر بندانِ اسلام فوجپوری دہلی سے طلب کیجئے۔

جان کی دشمنِ کبھی۔ مولفہ مولوی محمد اسد اللہ صاحب حیدر آبادی علیگ، جسکو سائنٹفک
 سوسائٹی علیگڈھکالچ نے شائع کیا ہے، اس رسالہ میں مولف نے نہایت کاوش سے کمپیون کے حالات
 ہائے توالد و تناسل اور انکی ساخت پر علمی بحث کی ہے، اور سب ضروری یہ کہ کمپیون کے ذریعہ سے
 جو مملکت جراثیم و امراض متعدی ہوتے ہیں، انکو بہ تفصیل بیان کیا ہے، تعدیہ امراض، انتقالِ جراثیم،
 کمپی کی قے اور فضیلت، آپ لازم اور دیگر دہائی امراض کے اسباب پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، جابجا امریکہ،
 جاپان اور غیرہ کے مشہور اطباء کی رائیں نقل کی ہیں، اور اخیر میں مختلف قسم کی ادویہ نیز دہائی اور کمپیون کے
 ذریعہ سے جو امراض پھیلنے اور بڑھنے میں ان سے بچنے کی تدبیریں بتائی گئی ہیں، نظرِ زاد اسادہ اور دلپسند
 صحت عامہ کی حفاظت اور آبادی کی آب و ہوا اچھی اور صحت بخش بنانے کے لئے اس قسم کے رسالوں کی
 اشاعت بہت مفید ہے۔ مولوی محمد اسد اللہ صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس رسالہ کی

اشاعت سے ہندوستان کی غافل پبلک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، لکھائی چھاپائی اور کاغذ عمدہ ہے، صفحہ ۸۴، قیمت ۸ ر، سائنٹفک سوسائٹی ایم اے اوکلن لٹلی گڈھ سے طلب کرنا چاہیے۔

مذہب اور تلوار، مخالین اسلام کا یہ مشہور اعتراض ہے کہ اسلام بزرگ شمشیر پہلایا گیا مختلف حیثیتوں سے بار بار اسکا جواب دیا جا چکا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اب اعتراض و جواب دونوں اس درجہ عام اور پامال ہو گئے ہیں کہ اب انکی طرف توجہ کرنا بھی قطعاً اوقات ہے، لیکن جناب مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اس رسالہ میں ایک خاص اصول کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ پر بحث کی ہے، مصنف نے اس رسالہ میں ثابت کرنا چاہا ہے کہ اسلام کی اشاعت برائین، دلائل اور اسکی حقانیت کی بابت ہوئی مال و متاع کے لالچ یا قوت اور تلوار کے خوف سے نہیں، اس اصول کو مانج کی روشنی میں علانیہ ثابت کر نیکی کوشش کی گئی ہے، زیادہ تر تاریخی واقعات وہی ہیں جو ہندوستان کے آغاز اشاعت سے متعلق ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے خاص طور پر ہندوستان میں اسلام کی آغاز اشاعت کے اسباب پر توجہ کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے حملہ کر نیکی کیا اسباب پیش آئے، تاریخی واقعات کے بیان اور ان سے اخذ نتائج کی نسبت صرف اس قدر کہنا ہے کہ اگر واقعات کے صرف انہیں حصوں سے بحث کیجاتی، جسکا تعلق براہ راست اشاعت سے ہے تو مضمون اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتا، بہر حال جو کچھ بھی لکھا گیا ہے بہت نفیست اور قابلِ داد ہے، قطعاً چوٹی، صفحہ ۸۰، قیمت ۰.۶ ر، منبرِ عبرت نجیب آباد سے طلب کرنا چاہیے۔

کلمات طیبات، منشی شرف الدین احمد خان صاحب، ترجمہ خطوط از جنم، نے اس رسالہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے مقبول اور چھوٹے چھوٹے حکمانہ جملوں کو جمع کیا ہے، ہر جملہ کے پیچھے اردو اور انگریزی میں اسکا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے، اس میں شک نہیں کہ سلف صالحین کے مقبول کی اشاعت و ترویج مختلف حیثیتوں سے مفید اور کار آمد ہے، لیکن اسکا لحاظ ہمیشہ رکھنا چاہیے کہ جن جملوں اور مقبولوں کو کسی بزرگ کی

طرف منسوب کیا جاتا ہے، وہ حقیقتہً اُنکے ہین بھی یا ہینین، ہر زبان میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً بکثرت ایسے چھوٹے چھوٹے متفرق جملے موجود ہیں جو مختلف اسلاف کی طرف منسوب ہیں، حالانکہ عام محاورات اور روزمرہ کی بول چال سے زیادہ انکی حیثیت ہینین، بہر حال مجموعہ نصائح ہونے کی حیثیت سے یہ رسالہ بہر نوع مفید ہے، انگریزی اور اردو دونوں ترجمے صحیح اور عمدہ ہیں، تقطیع چھوٹی، صفحہ ۵۲، مولف سے کما ری کو ان، ریاست رامپور کے پتہ سے طلب کیجئے، قیمت غالباً ۴ روپے،

سیاحتِ زمین، جس طرح بعض فسانے اور قصص و حکایات کی کتابیں اخلاقی اور معاشرتی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر لکھی جاتی ہیں یہی طرح یو۔ پی۔ این بعض خشک علمی مسئلہ کو دلچسپ اور عام فہم بنانے کے لئے ناول کا پیرایہ بیان اختیار کیا جاتا ہے، جس سے ایک طرف تو خشک مضامین پر لطف و دلادیز بخالتے ہیں، دوسری طرف عام قصص کی صورت میں ہونے کے باعث ہر شخص کے لئے اسقدر آسان ہو جاتے ہیں کہ کسی معمولی سے معمولی فہم کے انسان کے دماغ پر بھی وہ مضامین بار بہین ہوتے، اور دقت بہت دقیق و باریک کاربھی فلسفیانہ اور جزائی نکتہ اس کے آگے حل ہو جاتے ہیں،

سیاحتِ زمین، بھی اسی قسم کا ایک فرانسیسی ناول ہے جہیں ایک شخص کے اسی دن میں تمام کڑا راضی سفر طے کر لیا داتہ بیان کیا گیا ہے، اسی سلسلہ میں جغرافیہ دریائی کے چند مسائل بتائے گئے ہیں، جو یقیناً ریاضی اور جغرافیہ کی کتابوں میں خشک اور دقت طلب مسائل منام ہوتے، لیکن اس قصہ کے سلسلہ بیان میں اس طرح ادا ہوئے ہیں کہ ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے، یہ کتاب عربی، ترکی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی تھی اب سید محمد اعظم قحی صاحب نے اس کو فارسی سے باری زبان میں منتقل کیا ہے چونکہ اس کتاب کا نام تصنیف، وہ عہد ہے جب انگریز حکومت تمام ہندوستان پر تسلط نہیں ہوئی تھی، اس لئے ہندوستان کے جغرافیہ میں اس قدر تساہل ہی، کتاب عام طور پر دلچسپ، پیرایہ ادا بہتر زبان صاف اور سلیس، ترجمہ کی محنت ہمہ وجہ قابلِ داد ہے، کتابی چھاپی عمدہ، تقطیع چھوٹی، صفحہ ۲۲۸، قیمت ۴ روپے، پتہ: منجودارہ ادب، بمبئی گنج، لکھنؤ۔

جلد سوم	ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۳ مطابق جون ۱۹	عدد و وارنیم
---------	-------------------------------------	--------------

محمد مدد علی
حیدر آباد دکن

مضامین

شذرات مولوی عبدالمجید بی۔ ۱۔ ۷۱۸ - ۷۲۳

معارف کے جدید تغیرات " - ۷۲۴

جناب مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی

مساجد اور غیر مسلم

مصریوں کے علوم اور عمرانیات و تمدن مولوی محمد سعید صاحب نصاری

تاریخ صحف سماوی

ادبیات اکبر، وحید، ثاقب لکھنوی، شفق عمار پوری، ابوالحسنات شیرخیزی

مطبوعات جدیدہ

اطلاع ضروری

۱۔ اس نمبر پر تیسری جلد ختم ہو جاتی ہے، اسلئے آئندہ چوتھی جلد کا پہلا نمبر وی، پی حاضر ہوگا، جن

صاحبوں کو خریداری منظور نہ ہو وہ یہ رسالہ پہنچے ہی اپنے ارادہ کی اطلاع دیدین تو بہتر ہے،

۲۔ نئے سال سے چونکہ معارف میں ضخامت اور مضامین کی نوعیت و کثرت میں اضافہ ہوگا اسلئے

بہت سے شائقین کے حسب مشورہ رسالہ کی قیمت للہ رسالہ کے بجائے ۵۰ رسالہ نہ ہوگی اور شاہی عیار

۳۔ چونکہ معارف پریس میں ایک مہینہ کا اضافہ ہو گیا ہے اسلئے امید ہے کہ رسالہ اپنے وقت معرہ پر

اس سے بھی زیادہ پابندی کے ساتھ شائع ہوا کرے گا،

۴۔ جلد سوم کی مکمل خدمت جو آٹھ صفحہ پر ہے اور جلد کا سرورق جولائی کے چوتھین شائع ہوگا اسلئے جلد سوم کی جلد بندی میں تاخیر

شہادت

ماہ گذشتہ میں علمی دنیا کے لئے سب سے اہم حادثہ یہ ہوا کہ کمبریجی کے استاد و عظیم سر ولیم کرکس نے وفات پائی، موصوف کا شمار اس وقت دنیا کے ممتاز ترین علمائے سائنس میں تھا اور ممالک برطانیہ میں تو یقیناً ان سے بڑے درجہ کا کوئی شخص اس وقت نہ تھا، کمبریج میں میسجم کا عنصر انہیں نے دریافت کیا تھا اسکے علاوہ اسکے متحد و اکتشافات تھے، جدید اہل سائنس کے گروہ میں شاید وہ پہلے شخص تھے جو عالم ”روحانیات“ کے وجود کے قائل ہوئے۔

— ۳۴۰۰۰ —

انکے چہرہ ہی روز بعد یورپ کے ایک اور نامور فاضل ڈاکٹر پال کارس نے بھی انتقال کیا، ڈاکٹر موصوف کا مولد جرمنی تھا، لیکن مسکن امریکا تھا، وہ مشرقی فلسفہ و مذاہب کے عالم تھے، اور ہندو فلسفہ و مذاہب سے انہیں خاص شغف تھا، چنانچہ فلسفہ کو کم بدھ وغیرہ پرانکی متعدد تصنیفات ہیں، امریکا کا مشہور فلسفیانہ رسالہ مونٹ انہیں کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا،

— ۳۴۰۰۰ —

حال میں برطانیہ کی ممتاز ترین سائنسنگ انہیں، رائل سوسائٹی نے ہمارے ہوطن ایک ہونہار بنگالی محقق کو ۷۰ پونڈ یعنی سو گیارہ سو روپیہ کا وظیفہ اس غرض سے عطا کیا ہے کہ وہ طبیعیات میں اپنی مکتشفانہ تحقیقات کو جاہی رکھیں۔

شاعری کی دنیا میں ہم نے یہ بار ہا سنا ہے کہ طوفان گرد و غبار میں اکثر سوار چھپا رہتا ہے، لیکن واقعات کے عالم میں یہ جواز کبھی کبھی حقیقت بھی بن جاتا ہے، ۱۸۸۵ء میں مدراس کے ایک غریب برہمن خاندان میں ایک لڑکا رامانجن پیدا ہوا، بچپن ہی سے ریاضی سے طبیعت کو خاص مناسبت معلوم ہونے لگی، بارہ برس کے سن میں یہ حالت ہو گئی کہ ریاضی کے جو اساتذہ اسے درس دیتے تھے وہ اس شاگرد کی تشفی کو تا کجا خود اس سے درس لے سکتے تھے، میٹرک کا امتحان پاس کر کے یہ ہونہار فرسٹ ایئر میں داخل ہوا وہاں ریاضی میں اس قدر انہماک ہوا کہ امتحان کے وقت تمام دیگر مضامین میں ناکام رہا، اور سکندریہ میں ترقی نہ مل سکی، دوسرے سال پرائیوٹ امتحان میں شرکت کی، لیکن ہر مضمون میں ناکامی ہوئی، فکر معاش ناگزیر تھی، ایک سرکاری دفتر میں ۲۵ روپیہ ماہوار کی نوکری کر لی، مگر ریاضی کے مہمات مسائل کا حل برابر جاری رہا، یہاں تک کہ انگریز افسر علی کی نظر پڑی، اس نے بعض کاغذات یورپ بھیج دیئے، جواب میں لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ہل نے نہایت فیاضانہ داد دی، اب مزید سوداات یورپ بھیجے گئے، انہیں دیکھ کر ماہرین فن دنگ رہ گئے، کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ہارڈی دیکلی نے مجددیہ توصیف کی، بلکہ ایک صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ بیٹوں کے بعد اس دماغ کا ریاضی دان اتنا تک نہیں پیدا ہوا، پروفیسر ہارڈی نے اعتراف کیا کہ جو مسائل اس وقت تک یورپ کے علماء ریاضی کے نزدیک دشوار ترین تھے وہ اس شخص نے حل کر دیئے ہیں، ان حیرت انگیز اسناد کو دیکھ کر گورنمنٹ مدراس نے دس ہزار کا وظیفہ دو سال کے لئے منظور کیا، اسٹرا مانجن، کیمبرج میں رہ کر اپنے فن میں مزید کمال پیدا کرین، وہاں کے اساتذہ نے ہاتھوں ہاتھ دیا، اور وظیفہ میں ایک سال کی اور توسیع کرائی، چنانچہ یہ مدت ختم کر کے حال میں اسٹرا مانجن واپس تشریف لائے ہیں، لیکن ایک دفتر کے کلرک کی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیت اسٹرا مانجن، فیوژنٹی کالج، کیمبرج، و فیوژنٹی سوسائٹی لندن، برطانیہ کے علمائے ریاضی و سائنس کے لئے رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہو جانا معراج کمال ہے

اور یہ مرتبہ ہمارے مایہ ناز مہمل کو ۳۰ سال کی عمر میں حاصل ہو گیا،

انجن ترقی اور دوسرے یہ دو ستارہ گلہ بہن ہمیشہ رہا، اور اب بھی ہے کہ ”دھ تھنظ“ اردو کی مطلق
کوشش نہیں کرتی، اردو میں اعلیٰ مطبوعات کی تالیف و ترجمہ کی اہمیت میں کسکو کلام ہو سکتا ہے، لیکن
اسکی بقا و قیام کی تدابیر اسکی ترقی کی تدابیر پر مقدم ہیں، اگر اردو کا وجود ہی نہ باقی رہا تو یہ کتابیں کبکے
کام آئیں گی، یہ کام اگر اسکے فرائض میں داخل نہیں تو اسکے لئے ایک جداگانہ جماعت کو تیار ہونا چاہیے

محمد بن عبد الرحمن

کئی برس ہوئے الہ آباد میں ایک انجن درنا کیولر سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے قائم ہوئی تھی
جبکہ مقاصد یہ بیان کئے گئے تھے کہ سائنس کے مختلف مسائل پر ہندی اور اردو میں سلیس عام فہم
سلسلے شائع ہوا کریں گے، اور اسی نوعیت کے عنوانات پر دونوں زبانوں میں لکچر دن کا سلسلہ بھی قائم
رہیگا، سوسائٹی مذکور کا عینہ ہندی زندہ اور تندرست ہے، اسکے اعمال حیات کا تذکرہ اکثر اخبارات
میں آتا رہتا ہے، لیکن عینہ اردو چند روزہ زندگی کے بعد صرف ایک رسالہ مفتاح الفنون شائع
کر کے مردہ ہو گیا، اور شاید یہی نتیجہ ہونا بھی چاہیے تھا۔

—=—

مستر برن، سی۔ ایس۔ آئی، اس صوبہ میں مشترقانہ مذاق کے ایک مشہور علم دوست سولیس ہیں،
سلسلہ میں انکی کوشش سے ایشیا تک سوسائٹی بنگال کے نمونہ پر یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی قائم ہوئی
جبکہ مقصد صوبہ متحدہ کے متعلق ہر قسم کی تاریخی، اثری، اقتصادی و سائنسی تحقیقات قرار پایا، توقع یہ تھی کہ
اسمیں تعلیم یافتہ ہندوستانی بکثرت شریک ہونگے، اور اپنے وطن سے متعلق تاریخی معلومات میں اضافہ
کرینگے، لیکن افسوس ہے کہ یہ توقع پوری نہیں ہوئی، اب تک سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر انگریز سولیس ہی ہیں،

اور سوسائٹی کی طرف سے جو سہ ماہی رسالہ (جرنل) نکلنا تجویز ہوا تھا، اسکے بھی ایک کل دو نمبر شائع ہوئے ہیں، اس میں بھی مضامین تقریباً سب انگریزوں ہی کے قلم سے نکلے ہیں، ہمارے انگریزی تعلیم یافتہ اہل وطن کے لئے مفید ملکی و علمی خدمت کا یہ بہترین موقع ہے، نا دانی ہوگی اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

— ❦ —

جسٹس سید کر امت حسین مرحوم اپنی آخر عمر میں عورت کے متعلق ایک جامع و مبسوط تالیف کی تیار رہی میں مصروف تھے، چنانچہ جس روز کتاب کے آخری مسودات ختم ہوئے، اسی روز روح نے بھی تن سے مفارقت کی، کتاب کا نام المرأة ہے، ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسودہ چھوٹی تقطیع پر مع اقتباسات و حوالہ جات کے دو ہزار صفحوں سے زائد پر ختم ہوا ہے، کتاب کی تقسیم و مختلف حصوں میں ہے، حصہ اول کا نام الحجاب ہے، اس میں تہ متربی حیثیت سے یہ بتایا گیا ہے کہ پردہ کے کیا معنی ہیں، اور اسلام نے پردہ کی کیا تعریف قرار دی ہے، حصہ دوم میں عقلی و سائنسی اصول پر مرد و عورت کے قواسم و دماغی و جسمانی میں موازنہ کیا گیا ہے اور دونوں کے حدود و عمل کی تعیین کی گئی ہے، مصنف مرحوم کے انتقال کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جواہر ربڑے ضائع ہو جائیگی لیکن مقام مسرت ہے کہ کتاب سر راجہ صاحب محمود آباد کے قبضہ میں آگئی ہے، گو یہ ضرور ہے کہ مسودات غیر مرتب حالت میں ہیں، اور اشاعت سے قبل انکی کافی تصحیح و نظر ثانی کی ضرورت ہے، بلکہ شاید درمیان سے کچھ اجزاء غائب بھی ہیں، راجہ صاحب موصوف کی علم دوستی سے توقع ہے کہ کتاب کی اشاعت صرف اسی صورت میں پسند فرمائیں گے جو مصنف محترم کے پایہ علمی کے شایان شان ہو۔

— ❦ —

منہوستانی علماء سائنس میں سر جے بی۔ بوس پہلے شخص میں، جنکی شہرت کے تقاریر یورپ و امریکہ کی تمام یونیورسٹیوں میں رائج رہے ہیں، اسکے بعد دوسرے نمبر پر کلکتہ کے ایک اور نامور

سائنس دان سر پی، سی راسے ہیں، پروفیسر موصوف کا خاص مضمون کمبیسٹری ہے، اس فن پر انکی متعدد تصانیف ہیں، اور انکے اجتہادات و اکتشافات کی داد یورپ بار بار دے چکا ہے، حال میں برطانیہ کے مشہور ترین سائنسٹک ہفتہ وار نیچر میں انکے کارناموں پر ایک مقالہ افتتاحیہ (لیدنگ آرٹیکل) ایک نامی و گرامی استاد فن، سر ای، تھارپ کے قلم سے منظر شائع ہوا ہے، کاش اہل مغرب سمجھیں کہ مشرق نے جن علوم و فنون میں انکی شاگردی کی ہے، ان میں ہمیشہ اسکی حیثیت محض شاگردانہ نہیں رہ سکتی

—<x>x>—

اپریل کے تیسرے ہفتہ میں ہندی کانفرنس کے دو بڑے جلسے منعقد ہوئے، ایک مالاک متوسط کی صوبہ وار ہندی کانفرنس کا جلسہ کھنڈا میں، اور دوسرا آل انڈیا ہندی کانفرنس کا۔ بی بی مین پنڈٹ مالوی جی کی زیر صدارت، اخبارات کی روایت ہے کہ دونوں جلسوں میں مسلمانوں نے بھی شرکت کر کے اس تجویز کی تائید کی کہ ملک کی عام و مشترک زبان ہندی ہونا چاہیے بعض احباب کو اس خبر پر یقین نہیں آتا، لیکن اگر جامع مسجد دہلی کے منبر پر پنڈٹ وعظ فرما سکتے ہیں تو اس میں کیا استبعاد ہے، کہ موسی ... ”ہندی پرچار“ ”پراپیش“ ”دین“ ہیچے جیب جھملاتے ہیں تو اپنے کلموں نے توڑ ڈالتے ہیں، یا اپنے کپڑے پھانسنے لگتے ہیں، مسلمان بھی اس وقت اگر گورنمنٹ سے جھگڑا کر اپنی قومی ہستی کو مٹا دینے پر تے ہوئے ہیں تو انہیں دنیا کی کوئی قوت نہیں روک سکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو کے مقابلہ میں ہندی کی ترویج و تعلیم ملی و سانی حیثیت سے بھی سخت مضروف قابل اعتراض ہے، ہندی اس عہد کی پیداوار ہے جو ہندوؤں کے تمدن سے بھی قبل تھا، اور جسکی ترکیب و ہرثمت میں صرف ہندو تمدن کا اثر پڑا ہے، وہ بھی ایک عمومی حد تک، بخلاف اسکے اردو عرب و عجم، ہندو یونان، ایران و ترکستان کے تمدنوں کا عطر ہے، اور اسلئے قدیم طو پر مقابلہ ہندی کے بدرجہا بہتر اہم تعلیم ہو سکتی ہے۔



روٹیاں دیکھ کر ایک مشورہ گریز اہل قلم ہے، کچھ عرصہ ہوا اسے امریکہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں ہوٹل میں اسکے کبکس سے کچھ چیزیں نکل گئیں، وطن پہنچ کر اس نے مالک ہوٹل کے نام خط لکھا کہ اس نقصان کا تاوان ادا کرے، اسکا کچھ جواب نہ پا کر اس نے دوسرا خط اسی مضمون کا ذرا درست و نامکمل الفاظ میں لکھا، اسکا بھی کچھ جواب نہ آیا، چند روز کے بعد اتفاق سے پھر اسے امریکہ کا سفر درپیش آیا، ابھی اس نے اسی ہوٹل میں جا کر زبانی دریافت کیا، مالک ہوٹل نے سخت تاسف کے ساتھ کہا کہ آپ نے ناحق خود زحمت گوارا کی آپ کے خطوط سے میرا خاص نفع ہوتا، آپ کا پہلا خط لوگوں نے بیان ۲۵ ڈالر (تقریباً اسی روپیہ) کو خرید کر لیا، اور دوسرا پچاس ڈالر اس کے مضاعف قیمت پر! ہندوستان میں اگر مصنفین کی اتنی قدر ہو جائے تو ہوٹل والے بجز انکے شاید اور کسی کو بھی اپنے بیان نہ قیام کرنے دیں!

معارف کے جدید تغیرات

- (۱) معارف کے کسی گذشتہ رسالہ میں ہم نے ناظرین کو اطلاع دی تھی کہ نئے سال سے معارف میں نئے سامان نظر آئیں گے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معارف کی ضخامت بڑھا دی جائیگی، اب تک رسالہ سارے تین جز پر شائع ہوتا تھا، اب آئندہ کم از کم پانچ جز پر شائع ہوگا، اور اگر حالات نے اجازت دی تو انشاء اللہ اسکا ہفت جز، نصفہ پر شائع ہوگا۔
- (۲) چونکہ رسالہ کی ضخامت بڑھ جائیگی اسلئے اسکی جلد ۶ نمبروں پر ختم کیا جائیگی۔
- (۳) مضامین کے لحاظ سے جدت خاص یہ ہوگی کہ شذرات میں ہر مہینہ کے اہم علمی حوادث کے متعلق تبصرہ ہوگا، اسکا اندازہ پچھلے چند مہینوں کے شذرات سے آپ کر رہے ہونگے کہ اسکی نوعیت کیا ہوگی، مقالات وغیرہ کی سرخیوں کے نیچے مشرقی و مغربی علوم و مسائل خصوصاً یورپ کی جدید

تحقیقات و مسائل و علوم و نظریات پر حقائق و مضامین ہونگے، سائنسنگ اور فلسفیانہ مضامین جو یورپ کے اہم ترین رسائل کے پچوڑا و رطیر ہونگے، اور شاہیر اہل قلم کی کوششوں کے نتائج ہونگے پیش کئے جائیں گے، ریویو اور تنقید کا حصہ خاص طور سے اہم ہوگا، جہن نہایت سنجیدگی و تہانت اور وسعت نظر کے ساتھ ماہانہ اردو مطبوعات پر تبصرہ ہوگا، یورپ اور امریکہ کے تمام علمی رسائل کا ماہوار خلاصہ درج کرکے کوشش کی جائیگی، مشرقی علوم کے متعلق بھی معارف اپنا فرض فراموش نہیں کریگا، اکثر نمبروں میں سیر العلم یا دنیا کی علمی رفتار کے نام سے ہر مہینہ کے اکتشافات و ایجادات و نظریات علمی کی فہرین درج کی جائیگی،

غرض معارف کا ہر نمبر ہر مہینہ کی علمی ترقیوں کا آئینہ ہوگا، جہن ہر پڑھنے والے کو یہ نظر آجائے کہ دنیا کی علمی سطح روزانہ کس قدر بلند ہو رہی ہے اور اسکی ترقی کی رفتار ہر مہینہ میں کس قدر تیز ہے۔

(۴) بہترین علمی مضامین پر معارف کی طرف سے مضمون نگاروں کو مساوضہ دیا جائیگا، انڈیا و عنایت اسکے لئے نوآموز اور فوٹو اشخاص صاحب قلم کوشش فرمائیں،

(۵) کیا ان حالات میں ہمارے شائقین اجازت دینگے کہ معارف کی سالانہ قیمت للہ کے بجائے چھ روپیہ بچائے، اور اسکی توسیع اشاعت کے لئے جسکی ہم نے عام رسائل کی رسمی دھڑکتوں کی طرح کبھی تحریک نہیں کی، ان سے کوشش کی توقع کیجائے، بغیر آمدنی میں اضافہ ہوئے ان کثیر مصارف کو رسالہ برداشت نہیں کر سکتا، اگر ہر کو کسی اچھے رسالہ کی ضرورت ہے جو ہماری زبان کی وقعت و حیثیت کے مطابق ہو تو یہ خفیف اضافہ مالی امید ہے کہ ان پر گران نہ گذریگا،

مقالات

مساجد اور غیر مسلم،

(۲)

یہی وجہ ہے کہ ”ولان الجنث فی اعتقادہم“ الخ کے جملہ میں حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات میں ڈال دیا۔ بعضوں نے کہا ”حق التعبیر حذف حرف التعلیل“ اور قاضی زادہ کہتے ہیں کہ اسکی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ خود ایک دلیل متقل عقی ہے اور چونکہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے، اور اسپر پز شبہ دار ہو سکتا تھا کہ ”کیف انزلہم فی مسجد لاہم کفار و قد وصہم اللہ بکونہم نجساً“؟ تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ ”لان الجنث فی اعتقادہم“ الخ لیکن اس تشریح کی سیاق عبارت سے تائید نہیں ہوتی، کیونکہ سلسلہ عبارت ہمایہ یوں ہے ”ولنا ما روی أن النبی علیہ السلام انزل وفد ثقیف فی مسجد لاہم کفار و لان الجنث فی اعتقادہم“ الخ پس ”ولان الجنث“ میں عطف اور تعلیل کا ہونا اسکو ”ولنا“ کے سلسلہ میں جوڑ رہا ہے، اگر یہ کسی اعتراض مقدور و مخدوف کا جواب ہوتا تو عطف تعلیل کا کیا موقع تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ بات دہی ہو جاوے پر بیان کی گئی، صاحب ہدایہ کی نظر شافیہ کے دلائل پڑتھی، اس لیے انہوں نے اپنے قیاس سے انکی تعلیل بالنجاست کو نجاست جہی و جنبی پر محمول کیا، اور اسکو نقل کر کے پھر اسی سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے کہا ”ولان الجنث فی اعتقادہم“ الخ یعنی جب نجاست نجاست اعتقادہ کی تو اسکی بنا پر منوع کیوں ہو؟ لیکن چونکہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہیں ہو اس لیے اس کا یہ جواب بھی نہیں ہو سکتا، البتہ عام مساجد میں دخول کے جواز کے لیے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے۔

فلایقر بوالمسجد الحرام کے متعلق ایک پانچواں سئلہ اور باقی رہ گیا، یعنی مسجد حرام سے مقصود کیا ہے؟ صرف عمارت کعبہ یا اور بھی کچھ؟ تو اگرچہ ایک جماعہ اس طرف گئی ہے کہ مقصود صرف عمارت مسجد

لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ "مسجد حرام" سے مقصود تمام حرم ہی اور یہ از قبیل اطلاق اسم جزو بر کل جس کے
نظائر خود قرآن میں موجود ہیں مثلاً سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ
الْأَقْصَى میں بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد، کیونکہ معلوم ہے کہ اسری کا معاملہ
آپ پر جب واقع ہوا تو آپ اُمّانی کے مکان میں تھے، نہ کہ مسجد حرام میں، اور اسی طرح مسجد اقصیٰ
سے مقصود بیت المقدس ہے نہ کہ صرف مکہ، عطا کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں نقل کیا ہے
"الحرم کلہ مسجد" باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہیں؟ تو گو بعض فقہا اس
طرف گئے ہیں کہ مدینہ منورہ کے حرم نہیں لیکن فی الجملہ اس کے حرم ہونے پر ب کا اتفاق ہے
اور حق وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مدینہ بھی مکہ کے حرم پر اپنے تمام احکام و خصائص
میں دلیل اسکی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں، از انجملہ حدیث علیؓ عند بخاری و مسلم و حدیث ابن
ابی وقاصؓ و انس بن مالکؓ و جابر بن عبد اللہؓ و ابی ہریرہؓ و غیر ہم، حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں
هَذَا الْحَدِيثُ صَرِيحٌ فِي الدَّلَالَةِ لِمَذْهَبِ مَالِكٍ وَ الشَّافِعِيِّ وَ أَحْمَدَ وَ الْجَاهِلِيَّ فِي حُرْمِ صَيْدِ الْمَدِينَةِ
و شَيْخِهَا لَمَّا سَبَقَ، وَ خَالَفَ فِيهِ أَبُو حَنِيفَةَ وَ قَدْ ذَكَرْهُمَا هَذَا مُسْلِمٌ فِي صَحِيحِهِ تَحْرِيمُهَا مَرْفُوعًا عَنْ
النَّبِيِّ صَلَّوْا عَلَيْهِ وَ عَلِيٍّ وَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَ انسٍ وَ جَابِرِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ وَ
رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَ سَهْلِ بْنِ حَنِيْفٍ وَ ذَكَرَ غَيْرُهُمْ مِنْ رَوَايَةِ غَيْرِهِمْ أَيْضًا. فَلَا يُلْتَفَتُ إِلَى مَنْ خَالَفَ
هَذَا الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ الْمُسْتَفِضَّةَ ۱۶ (مسلم مع نووی مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۴۱) یعنی یہ حدیث
صریح ہے امام شافعی اور مالک اور احمد کے مذہب کی تائید میں کہ مدینہ کے لیے بھی حرم ہے، البتہ
امام ابو حنیفہ نے اسکی مخالفت کی انکے نزدیک مدینہ حرم نہیں اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر استدلال کیا ہے
احادیث مرفوعہ سے جو حضرت علیؓ و انسؓ و جابرؓ و ابو ہریرہؓ و عبد اللہ بن زیدؓ و رافعؓ اور سہل بن
حنیفؓ کی روایات سے ثابت ہیں اور مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ نے اور راویوں سے بھی احادیث

نقل کی ہیں پس جب اس بارے میں اس قدر روایات موجود ہیں تو اس شخص کی بات پر کان نہ دھرو جو ان احادیث صحیحہ و مستفیضہ سے مخالفت کرتا ہے۔ انتہی۔ اور ان نصوص مستندہ کو صرف اس قیاس بحت کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تنظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیسا کہ تورپشتی اور صاحب مرقات وغیرہ نے لکھا ہے) تو یہ صریح نص شارح کو رد کر دینا ہے محض قیاس و رائے سے اور ابد اسموع نہیں، اور اس طرح حدیث ابو عمر عند مسلم سے استدلال، سو اول تو وہ مفید عدم تحریم نہیں، ثانیاً دونوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمتہ مؤخر ہیں حدیث ابو عمر سے، یا ابو عمر کی حدیث مختص ہے اور تفصیل سے عدم تحریم لازم نہیں آتی، قالہ الشوکانی فی النیل۔ پس جب مدینہ کے لیے بھی حرم مثل مکہ کے نصائبات ہوا۔ اور بخلاف احکام حدود و حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہو، تو معلوم ہوا کہ فلا یقرؤا کے حکم میں مدینہ بھی داخل ہے اور مدینہ میں بھی غیر مسلموں کا داخل ہونا کسی حال میں جائز نہیں، ولہذا هو الحق البصری الذی لا یوتاب فیہ،

(۱۲)

ایک ضروری نکتہ اس مسئلہ کا اور یہ گیا، یعنی مساجد میں غیر مسلموں کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے، یا مسلمانوں کی اجازت کے ساتھ مقید ہے؟ گذشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مسلمانوں کے اذن کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام شافعی وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانوں یا مسلمانوں کے امام کی اجازت و طلب کے بغیر جائز نہیں، ولا یتوقف جواز دخول علی اذن مسلمہ عندنا، (مشابہہ والنظار) اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعی ہی کا ہے، چنانچہ اسی لیے اس تحریر کے عنوان میں ”مسلمانوں کے اذن“ کی قید لگا دی گئی ہے، ممکن ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے زمانے میں اس قید کی ضرورت نہ ہو، جبکہ اسلامی حکومتیں غالب حصہ ارض پر قائم تھیں اور

غیر مسلم ہماری مسجدوں میں حاکمانہ اور سادیانہ اقتدار کیساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے بلکہ حکم و حکم صاعِ غرہون
 حکومانہ اور مغلوبانہ۔ مگر اب ہماری حالت خصوصاً ہندوستان میں دوسری ہو۔ اور ہم کو صرف مسائل کے
 ایک ہی پہلو پر نظر نہیں ڈالنی ہے بلکہ ہر طرف نظر دوڑانی اور صد ہا پہلوؤں کا تحفظ کرنا ہے۔ اگر آج مسلمانوں
 کے اذن و طلب و رضا کی قید نہیں لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی مخالفت و ناچاقی
 کے زمانہ میں اس نظریے سے مخالفت قائمہ اٹھایا جائے گا اور غیر مسلموں کی ایک خائف جماعت مسجد کی بے حرمتی
 اور نازیوں کی ایذا و ضرر کے لیے مسجدوں میں بے تامل داخل ہو جائے گی۔ اور اس طرح مسلمانوں
 کی عبادت گاہیں ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں بے پناہ ہو جائیں گی، بلاشبہ ایسا تو نہیں کیا جاسکتا
 کہ ہندوستان میں غیر مذاہب کے علایق اور اُن کی تلوں مزاجیان دیکھ کر ہم ایک فعل جائز اور فعل
 نبوی کو شرعاً ناجائز بتلا دیں اور اسکے صد ہا برکات و فوائد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیں۔ اگر کوئی شخص
 ایسا کرتا ہے تو وہ اصول شریعت اور آداب و وظائفِ افتاء سے بے بہرہ ہے اور اسکو حق نہیں
 پہنچتا کہ معاملات شرعیہ میں زبان کھولے، البتہ یہ ضروری ہے کہ قیام و بقا، احکام کے ساتھ وقت
 و حالات کے مقتضیات کی بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو پہلی صورت سے بھی
 زیادہ مضرتیں لاحق ہوں گی۔ پس اس میں شک نہیں کہ جواز دخول کو اذنِ سلم سے معید کر دینا نہایت
 ضروری اور احکام و مصالح شرعیہ سے اوفق ہے، اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا فتویٰ دینا چاہیے۔
 یعنی جب کبھی مسلمانوں کا کوئی پیشوایا مسلمانوں کی کوئی جماعت غیر مسلم یا غیر مسلموں کی کسی صلح پسند اور
 دوست و حلیف جماعت کو مقاصدِ صالحہ ملک و ملت سے مسجد میں بلائے، یا کم از کم تقریر اُنکے داخل
 مسجد ہونے پر راضی ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ خطبات و مواظ
 مسجد کو سن سکتے ہیں۔ جامعہ نماز کا منظر دیکھ سکتے ہیں۔ اور ضرورت ہو تو غیر اوقاتِ صلوٰۃ و جامعہ میں
 جائز و مستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کر سکتے ہیں، بلکہ خود مسلمانوں کو چاہیے کہ حسب ضرورت

حالات معاملات مشترکہ پر اُن سے مجالس مسجد میں مشورہ کریں اور انکی واقفیت و تجارب سے فائدہ اٹھائیں جس طرح حضرة عمرؓ مجالس شوریٰ میں بعض اوقات غیر مسلموں کو خود بلا تے تھے اور ملکی معاملات پر اُن سے مشورہ کرتے تھے، مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین، تعیین جزیرہ، تنظیم دفاتر و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواد عراق و مصر پر ذمیوں کو بلانے اور مشورہ کرنے کے واقعات مندرجہ فروع البلدان کتاب الخراج و بطری وغیرہ۔ لیکن بغیر مسلمانوں کی اذن و طلب کے شرعاً جائز نہ ہوگا، کہ کوئی غیر مسلم مسجد کے اندر داخل ہو۔ اگر داخل ہوگا تو یہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں مداخلت مقصور ہوگی، اور قطع نظر مذہب ائمہ ثلاثہ و جمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہ کمان ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کا دخول بلا اذن و رضاء امام و مسلمین مطلقاً جائز نہ ہے، و قد نفیہ کو آنحضرت صلیع نے خود مسجد میں ٹھرایا اور وفد بخرآن کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ تھامس بن آثال کو مسلمان گرفتار کر کے لائے اور آپ کے حکم سے مسجد میں باندھ دیا۔ پس ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانوں کی طلب اذن سے غیر مسلم مساجد میں داخل ہوئے، اسی طرح آج بھی مسلمانوں کو کرنا چاہیے۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا تو ایک طرح کی تغلیط معلوم ہوتی ہے جو بطرح مطلقاً منع میں تشدد و افراط ہے۔

(۱۳)

بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ جب خود مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ مسجد میں بلا طہارتہ داخل ہوں تو ہندو کو بلانا اور بھانجاکب جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ خیالات ایسے لوگوں نے ظاہر کیے ہیں جنکی نسبت معلوم ہے کہ علوم دینیہ سے باخبر نہیں، اسلئے اس بات پر چندان تعجب نہ ہوا کیسے اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں سے متعلق احکام پر غیر مسلموں کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز و عدم جواز کا استنباط، اس قدر سخت نادانی و غلطی کی بات تھی کہ یا تو اُس پر بہت زیادہ ہنساجا سکتا ہے یا بہت زیادہ روایا جاسکتا ہے تیسری حالت کوئی نہیں۔ اول تو تمام کتب فقہ خفیہ میں صاف صاف لکھا ہے ”ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم“ یعنی غیر مسلم اگرچہ

جنی ہو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائیگا، برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہیں اور انکے لیے بحالت جنابت داخل ہونا جائز نہیں، ثانیاً خود مسلمانوں کے لیے بھی مقیم و عابر کا جو فرق کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کو معلوم نہیں ”وقد جوزوا عبور عابوا السبیل جنبا“ ثانیاً تمام شور و شغب کے لیے قاطع یہ کہ غیر مسلم فروع میں مخاطب ہی نہیں کر انکی نسبت احکام طہارۃ کا سوال پیدا ہو، لکن تقرنی الاصول۔ اور یہ بھی طے پاچکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات و جسم کے پاک ہی اور لمس و مواکلتہ و مشاربہ وغیرہ میں حکماً عام حالت طہارت جسم و لباس کی ہمارے لیے معتبر۔ اور مزید ان معاملات طہارۃ جسم و لباس کی نسبت اگر غیر مذہبوں کے مذہب میں احکام غسل وغیرہ موجود ہیں، تو ہم ان کا ملنے جلنے اور معاشرۃ کے معاملات میں اعتبار کریں گے اور معلوم ہو کہ ہندوؤں کے یہاں خود احکام غسل موجود و معمول بہا ہیں، حتیٰ کہ اس بارے میں ان کا حال حذر غلو و تشدد اور توہم پرستی تک پہنچ گیا ہے۔ پھر جب خود صاحب شریعت کا کفار عرب کو مسجد میں بلانا بلکہ بطور ہمان کے ٹھہرانا ثابت ہو چکا ہے، حالانکہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندوؤں سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے اور اسی طرح اُس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو مسجد میں آنے دیا جن سے زیادہ گندی اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا میں کوئی گزری ہو۔ تو پھر اب کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے کہ طہارۃ کی بنا پر اس معاملہ کو ناجائز بتلائے؟ کیا ان مساجد و اہل مساجد سے بڑھ کر ہمارے ہندوستان کی مسجدیں مقدس ہو سکتی ہیں جنکے نسبت خود قرآن نے شہادت دی کہ فیہ رجالٌ مَجْبُوءُونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ حُبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ؟ اور فرمایا لَسَجْدَ اسْتَسْعَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ لَعْمٍ یعنی بقول اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا (کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعاً عند احمد) وعن ابی سعید الخدری عند مسلم، والترمذی والنسائی والبیہقی والحاکم وابن منذر و ابی الشیخ وابن ابی شیبہ وغیرہم) فیا للہ ویا للعقول! جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ و طہارۃ پر پڑی جسکی دیواریں وحی الہی کا مورد و مبیط ہوئیں اور جسکے نمازیوں کی پاکی تقویٰ

کتابین کے لیے نص قرآنی حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ، ناطق، اور مجوس کے لیے
 (کہ شبہ اہل کتاب ہیں) نص سنہ کہ ”سنوا بہم سنۃ اہل الکتاب“ (اخرج البخاری) اور حضرت عمرؓ کا اس
 معاملہ میں توقف اور عبدالرحمن بن عوف کی شہادت کہ خود آنحضرتؐ مسلم نے مجوس سے جزیہ قبول کیا اور پھر
 باجماع صحابہ مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنا وغیرہ ذلک من الادلۃ باقی رہی ہم عام مشرکین کی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ
 اور امام احمدؒ (فی احدی دایمیہ) اس طرف گئے ہیں کہ مشرکین عرب سے جزیہ لینا اور انکو اہل الذمہ میں شمار
 کرنا جائز نہیں۔ انکے لیے ہجر اسلام و سیف کے تیسری صورت نہیں، مگر عجم کی تمام بت پرست اقوام سے جزیہ
 لیا جائیگا اور ان کا شمار اہل الذمہ میں ہوگا، قاضی ابویوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ”وجمیع اہل
 الشک من المجوس وعبدة الاوثان والیدیان والحجارۃ والصائین والسمامۃ توخذ منهم الجزیۃ
 ما خلا اهل الردۃ من اهل الاسلام واهل الاوثان من العرب فان الحكم فیہم ان یعرض علیہم
 الاسلام فان اسلموا واکتلت الرجال منهم ونبی النساء (الصبیان)“ (صفحہ ۷۳) متن ہدایہ کتاب الیسر
 میں ہے ”ووقعہم الجزیۃ علی اهل الکتاب والمجوس وعبدة الاوثان من الجعم“ مگر حضرت امام شافعیؒ
 اس کے خلاف ہیں اور اصناف اہل الذمہ کو صرف اہل کتاب و مجوس میں محدود کر دیتے ہیں، اور امام مالکؒ
 اور قاضی ابویوسفؒ کا یہ مذہب ہے کہ سب جزیہ قبول کیا جائیگا، اگرچہ عرب کے بت پرست ہوں، وہ کہتے ہیں کہ اگر
 سورہ برآۃ کے نزول اور عام تبرک کے بعد (جس میں بالاتفاق ایہ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین عرب کا وجود باقی
 رہا ہوتا تو ان سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا اور اس میں شک نہیں کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہو
 اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب بغایت ضعیف ہے۔ بہر حال فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور جمہور کے نزدیک
 مشرکین عجم بھی با قبصار اخذ جزیہ و قبول ذمہ شبہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ ایسے ہندوستان کے ہندوؤں
 کا شمار بھی قطعاً اسی صف میں ہوگا اور جو بت مشرکین عرب کے لیے جائز رکھی گئی ہوگی وہ ان کے لیے بدرجہ
 اولیٰ جائز ہوگی۔ اور اگر تحقیق مقام کا ایک قدم اور آگے بڑھایا جائے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت

ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار شہر اہل کتاب میں ہے، ان کے تمام عہدہ الاوتان میں اور شہر اہل کتاب میں بھی مجوس سے کمین بلند تر مہر رکھتے ہیں، جب باوجود پرستش آتش و عدم انضباط شریعت و احکام، مجوسیوں کی نسبت فرمایا "سنو اہم سنتہ اہل الکتاب" اور باوجود پرستش کو اکب صابئین کو جہور نے مثل اہل الکتاب کے قرار دیا، تو ظاہر ہو کہ ہندوستان کے ہندو باوجود ضبط شریعت و احکام، و حفظ علوم و تمدن، و ادعا و وجود صحف و کتب محض پرستش قومی و اشکال و صورت ظاہر فطرۃ کی بنا پر کیوں اہل کتاب میں سے تسلیم نہ کیے جائیں، حافظ ابن تیمیہ صابئہ کی نسبت لکھتے ہیں "انہم امت کثیرۃ و اکثرہم فلاسفۃ و لہم عقائد مشہورۃ، فانہم احسن حالاً من المجوس، فاخذ الجزیۃ من المجوس تنبیہ علی اخذہا من الصابئین بطریق اولی فان المجوس من اخبت الایم دیناً و مذہباً، میں کتابوں کہ ہندوستان کے ہندو ان دونوں قوموں یعنی مجوسیوں اور صابئہ سے بھی بدرجہا بہتر حالت و افضل حیثیت مذہبی و مدنی رکھتے ہیں پس اگر ان دونوں کا شمار شہر اہل کتاب میں ہو تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤں کا شمار بطریق اولی ہو گا۔ حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے "انا اعلم الناس بالمجوس۔ کان لہم علیہم و کتاب یدرسونہ"، اور قاضی ابویوسف نے بسلسلہ اسناد و روایت کی ہر مقالہ علی انا اعلم الناس بہم کا فاضل کتاب لیرؤنہ و علوہ و سونہ، فننزع من صدقہم کتاب الخراج صغیرہ، و لکن ضعف جماعۃ من الحفاظ کما قالہ ابن القیم یعنی میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی نسبت علم رکھتا ہوں، ان کے پاس علم تھا جسکو پڑھنے پڑھاتے تھے اور کتاب (ژندوستا) تھی جسکے درس و نظرمین مشغول رہتے تھے۔ میں کتابوں کہ آج ہر وہ شخص جسکو ہندوؤں کی حالت کا علم ہے، بعینہی جملہ مع شے زیادہ کہہ سکتا ہے کہ ان لہم علوم یعلمونہا، و کتب یدرسونہا، و شریعتہ یعلمون بہا و لکن ضلوا عن سواء السبیل کما خذل النصاری و قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ و اتخذوا اربابہم و رہبوا انہم ارباباً من دون اللہ و المیسرہ ابن مہیر۔ و اما و الا لایعبدوا الہا و احد سبحانہ و تعالی عما یشرکون۔

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے باتفاق جمیع علماء خفیہ ہند ہندوؤں پر جزیہ کے احکام جاری کیے تھے نادانی و بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ انکی تذلیل و تحقیر ہے، حالانکہ اگر اس وقت علماء تحقیق ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ انکی تذلیل نہیں ہے بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کر سکتی ہے۔

(۱۵)

بعض مفسرین و فقہاء نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک فرمان نقل کیا ہے کہ انھوں نے غیر مسلموں کو سبّان میں جانے سے روک دیا تھا، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ”قال الامام ابوعمرو الاذناعی کتب عمر بن عبدالعزیز ان منعوا الیہود والنصارى من دخول مساجد المسلمين“ (جلد ۲ صفحہ ۳۷) لیکن جب مرفوعات کی موجودگی میں موقوفات و اقوال صحابہ چہ نہیں تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص و فعل کے مقابلہ میں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہے؟ واذا جاء نهي الله بطل نهى المعقل!

(۱۶)

اس وقت میں نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی موید ایک روایت ملی۔ اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا ہے، امام موصوف کا مذہب یہ ہے کہ سبّ حرام میں بھی ذمی داخل ہو سکتے ہیں۔ غالباً انکے مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ عبدالرزاق نے ابو الزہرے سے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے انه يقول في قوله تعالى انما المشركون نجس فلا يقرؤوا المسجد الحرام بعد عام بهذا الا ان يكون عبداً واحداً من اهل الذمة، اسی روایت کو باختلاف الفاظ امام احمد نے بطریق حسن عن جابر مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ”تفرد به الامام احمد مرفوعاً لموقوف اصح اسناداً“ (جلد ۴-۳ ص ۲۷۱) لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع و دخل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ایسے کہ انما المشركون

جنس فلائقہ بواکافص عام و مطلق موجود ہو اور اس سے اہل الذمہ اور غلاموں کو شتمی کرنا قرآن پر زیادہ ہے اور جب اخلاف کے نزدیک ہر طرح کی زیادہ نسخہ ہے اور وہ خبر احاد مرفوعہ سے بھی جائز نہیں، الزیادہ علی الکتاب نسخہ فلا یكون الا بائۃ ناصۃ او حدیث مشہور ناصہ، تو پھر محض حضرت جابر کے قول سے حکم عام و مطلق قرآن پر کیونکر زیادہ جائز ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ دیگر دلائل و قواطع لہذا علی عہد صحابہ و خلفائے راشدین و علی سترہ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہو۔

(۱۷)

غالب جماعت علماء ہند کا علی و فتویٰ فقہ حنفی پر ہے۔ اس لیے علماء تو اس بحث کا اسی وقت خاتمہ ہو گیا جب معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں فقہاء و حقیقہ کا مذہب کیا ہے، لیکن تحقیق و تجل بحث کے لیے مناسب ہو گا اگر دیگر ائمہ اہل اسلام کے مساکب بھی صائب ہو جائیں علی الخصوص جبکہ فقہ جامع سے بے خبری اور اشتغال بہ مجر و نفیات در تہ خفیہ کی وجہ سے خلائیات میں لوگوں کی معلومات کوتاہ اور حکم اکثر حالات میں غلط ہوتا ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی نسبت ہدایہ وغیرہ کی ترویج میں تم نے دیکھا ہو گا کہ اس بارے میں انکا مذہب مطلقاً منع ہے۔ اسی بنا پر تعلیل بالانجاستہ کے جواب میں بعض شامیین ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شاخہ کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سحر حرام کے علاوہ عام مساجد میں وہ بھی قائل جواز دخول ہیں، البتہ مالکیہ کے لیے ہو سکتی ہے جبکہ مذہب مطلقاً منع ہے۔ لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہو گا کہ اصلیت اس کے خلاف ہو۔ اور دراصل صحیح و مفتی یہ مذہب مالکیہ و خالبہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہو جو امام شافعی کا ہے، انکو مطلقاً جواز سے اختلاف ہو گا کہ جواز معتد بالاذن و الرضا سے یہ معلوم ہے کہ فقہاء و ائمہ کے اقوال و مذہب کی نسبت بے شمار مسائل میں بسا اوقات مختلف روایتیں بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہیں، اور فقہ حنفی میں تو اس کے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں مبادوہ و تدوین کتب مبایین خود صاحبین کے اقوال ظاہر الروایہ میں کچھ ہیں اور غیر ظاہر الروایہ کتب میں کچھ۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ کوئی مذہب نہیں جسکے مطابق کوئی نہ کوئی روایت فقہ حنفی میں نہ لجاوے، لیکن باہر میں

عمل و فتویٰ قول صحیح مفتی پر ہے۔ نہ کہ مرجع غیر معمول پر۔ یہی حال دیگر ائمہ کے بیان پیش آیا پس دیکھنا صرف یہی نہیں ہے کہ اُن کے اقوال کون کون سے منقول ہیں؛ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کے بیان کی تقسیم طبقات و مسائل اور عمل و افتاء کے لحاظ سے صحیح اور معمول و مفتی بہ قول کون ہے؛ حضرت امام احمد سے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ایک میں ذمیوں کے لیے جائز قرار دیا ہو مگر غیر ذمی کفار کے لیے ناجائز، اور دوسرے میں تمام غیر مسلموں کے لیے جائز مگر اذنِ مسلم کی شرط دونوں میں ہے۔ اور فقہاء مخالفہ کا فتویٰ عمل اسی دوسرے قول پر ہے۔ کتاب المستوعب میں (جس پر تمام فقہاء متاخرین مخالفہ کا عمل و فتویٰ ہے) تمام اقوال جمع کر دیے ہیں۔ اہل بیحد کا فرد دخول مساجد الحل و علیٰ ولیقتین، پھر کہا "وان اصحیح من المذہب الجواز"، بلکہ بعض اکابر مخالفہ کے نزدیک تو اذنِ مسلم کی بھی شرط نہیں ہے، اگرچہ یہ قول مرجع ہے، آداب الکبریٰ ابن مفلح میں ہے "فی جواز دخول الکافر مساجد الحل باذن مسلم مصلحتہ روا تیان۔ وحکی بعض اصحابنا رواۃ الجواز من غیر اشتراط اذن" یہی حال فقہاء مالکیہ کا ہے۔ ایک قول میں تو مطلقاً منع ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ذمیوں کو اجازت دیا جاسکتی ہے اگر مصلحت ہو، مگر غیر ذمیوں کو نہیں؛ اور اکثر فقہاء مالکیہ کا فتویٰ اسی پر ہے سید محمد امیر خاٹھ مجتہد المغنقی میں لکھتے ہیں ولیس لکافر دخول مساجد الحل ویجوز دخولہا للذمی۔ ہذا المذہب المعتمد۔

مناسب مقام ایک واقعہ یاد کیا، سہ ماہ میں جب نیولین ریپارٹس پریچر کے فوج لایا، اور ڈھائی برس فرانسیسیوں کا قبضہ رہا، تو گو خود نیولین اکثر فرانس فرج و علانیہ جامع ازہرین اسلام قبول کر لیا تھا، جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے، اور اسلامی نام بھی اختیار کر لیے تھے، مگر تمام فرانسیسی فرج بتور عیسائی ہی سمجھی جاتی تھی اور اکثر اوقات مسجدوں میں داخل ہو جاتی تھی، اسپر یہ بحث چلی کہ غیر مسلموں کو مساجد میں آنے دینا چاہیے یا نہیں؟ ازہر کے بعض علماء مالکیہ نے کہا کہ جائز نہیں، لیکن شیخ عبد الرحمان جبرتی صاحب تاریخ عجائب الآثار نے ایک خاص رسالہ لکھ کر ثابت کیا کہ مالکیہ کے مذہب میں بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے، پس غیر مسلمانوں کی اجازت کے عیسائی داخل نہوں اجازت لیکر رعایت احترام و عظیم مسجد کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ پورا واقعہ شیخ عبداللہ شرف قادری نے تحفۃ الناظرین میں لکھا ہے جو اس وقت شیخ الازہر تھے، مگر کتاب مذکور اس وقت میرا نہیں

(۱۸)

خلافت کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیر مسلموں کے حق میں تین تین حالتیں رکھتے ہیں :

اولاً حرم، تو جائز نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جائے خواہ ذمی ہو خواہ

مٹامن۔ اور کوئی تیس اور قلیل بالمصلحت وغیرہ اس بارے میں مسموع و مقبول نہیں، نظاہر لایۃ فلا یقر بوا

المسجد۔ و بہ قال الشافعی واحمد و مالک و الجہود من السلف و الخلف و العمل علی ذلک، و لادینۃ

حرم مثل حرم مکہ۔ اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم سفراء میں یا اور کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آجائے

اور امام حرم میں ہو، تو انکو اللہ بلانا جائز نہیں، بلکہ چاہیے کہ خود حد و درجہ سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرے،

او یبعث الیہم من یشم رسالتہم و خارج الحرم اور گو خفیہ کا قول اس کے خلاف ہے مگر عمل انکا بھی اسی

پر رہا ہے اگر مسلمانوں کی لاعلمی میں کوئی غیر مسلم تبلیغ فریب داخل ہو گیا ہو تو مجروح علم اس کا اخراج واجب ہوگا،

ثانیاً، جزیرہ عرب "ما احاط بہ بحج الہند و الشام ثمر دجلة و الفرات و ما بین عدن ابین الی

اطراف الشام طوگ، و من جدۃ الی ریف العراق عرضاً"، (قاموس) و قال ابن الکلبی و جزیرۃ العرب

من اقصی عدن الی ریف العراق فی الطول، و اما فی العرض فمن جدۃ ہما واکاھا من ساحل البحر

الی اطراف الشام، و تبوک من الحجاز، تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام و خلیفہ کی اذن سے غیر مسلم داخل ہو سکتے

ہیں لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ ٹھیراؤ اور توطن جائز نہیں یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک

خاص حالتوں میں امام وقت اس سے زیادہ دنوں کی بھی اجازت دے سکتا ہے، مثلاً سفر اور دل و ارباب

صناعہ وغیرہ کو لیکن تکین قیام اور توطن و تقریر شرعاً جائز نہیں۔ خواہ ذمی ہوں۔ خواہ مٹامن۔ و وصیہ صلعم،

اخرجوا الیہود و النصارى من جزیرۃ العرب "و غیر ذلک من نصوص السنۃ فی ہذا الباب

ومنها ما روی عن عمر بن الخطاب، غراندہ سمع رسول اللہ صلعمہ یقول "ولا اخرج الیہود و النصارى

من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الاسلام، ولجاءهم عنونی خلافتہ باجماع الصحابہ، اور اس نص صحیح کے خلاصہ صاحب طبع تخریص کی کوئی تاویل قیاسی و درائی سموع و مقبول نہیں اور استنباط علیت و صلیت میں طرک اگر کوئی اصلیت متقاضی تفسیر ذیل کتابت کفار و کفر کی ہو تو اخراج و منع توطن ضروری نہیں بلکہ رد و ابطال نفوس مجرمن در اسے بحت ہو اور گو حکم خارج و حکم قیام و اس کے خلاف ہوا لیکن قیاس صحیح و صالح اور حکمت عقلیہ صادقة کے ابد اختلافات جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف نہیں ہے۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں، مگر سورہ برأۃ کی تفسیر میں اس مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ انفوس کہ صدیوں سے اسلامی حکومتوں کا عمل اس حکم صریح شارع کے برخلاف چلا آ رہا ہے۔ علی الخصوص حکومت عثمانیہ نے جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کو علانیہ و قانوناً تکمیل توطن و تقریر کی اجازت دیدی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عین جدہ میں کہ در صحر جزیرہ عرب بلکہ حدود و جاز میں داخل ہے۔ غیر مسلموں کی تقریر و تکمیل سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا، اور یہ نتیجہ ہے کتاب و سنت سے بعد۔ اور علوم اصلیہ قرآن و حدیث کے ترک و ہجر کا اور علی الخصوص علماء اترک کے فیضانہ جو دو تکی نظر کا، کہ بلا نظر تحقیق صرف فقہ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی و سیاسی کا دار و مدار ٹھہرایا اور نفوس منتہ کی اس بارے میں کچھ پروا نہ کی۔ فقہا حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلموں کا اخراج خود حدود و جاز بھی سے واجب نہیں۔ تاہم جزیرہ عرب چہ رسد؟ اس غفلت و جہل اور تھک احکام شریعہ و رد و وصیت بنوی و منتہ خلفاء و راشدین و مثبت بہ آراء و قیاسات رجال سے جو نتائج مسلک پیدا ہوئے، اور جبکہ معاملہ اب آخری حد ظہور و بلوغ تک پہنچ چکا ہے وہ دنیا کے ہر باشندے کے سامنے ہیں، حاجت بیان کی نہیں۔ البتہ بن پڑے تو ترک عمل بالکتاب و السنۃ کے عقوبتہ و عذاب پر ماتم کرنا چاہیے، وَاِذَا ارَدْنَا اَنْ نَّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مَلٰٓئِكَنَا بِهَا فَنَفَسُوْهَا فِيْهَا فَفُجِ عَلَيْهِمُ الْعُقُلُ فَكَذَّبُوْا مَا هَآءُذْ مِثْرًا اِنِّیْۤ اَتٰی بِحَقِّتِ رَبِّکَ عَلٰی الْکِتٰبِ و السنۃ ہی کا وہ فقہ اصلیہ و اساسیہ ہی جو آج صدیوں کا دم لڑا اسلامیہ و محقق بد و غرۃ اسلام، و سبب تقادم امر و اشتداد باس، و سبب ”ظہور الفساد فی السبیل و البحر بما کسبت ایدی الناس“ و مولد ہر مفاسد و ممالک و باطلت جمع نازل و زلازل و قلاقل، قرناً

بعد قرن و تارۃ بعد آخری ہو رہا ہے، و الناس فی غفلۃ معرضون۔ مایا شہر میں ذکر میں رہتے ہوئے محکمات
 اَلَا اَسْتَعْوَدُکُمْ یٰعِیْسُوْنَ۔ فَاَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا لَیْهِ رَاجِعُونَ! آج ہر طرف لوگ اسباب تزلزل و نقل و حرکت
 کر رہے ہیں مگر خواص امت اور مدعیان اصلاح و امامت فی الدین تک کو معلوم نہیں کہ اصلی سببِ افوازل و مصائب کیا ہے
 کاش اللہ تعالیٰ اس حقیقت کے فہم کیلئے اب بھی دلوں کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزوں کو سبب سمجھ رہا
 ہے وہ خود کسی علتِ اصلی کی فرع ہیں، علتِ اصلی نہیں ہیں۔ اصلی علتِ ازل روز سے ایک ہی رہی ہو اور آج تک
 ایک ہی ہے یعنی ترکِ عمل بالکتاب و السنۃ اور اقتصار بر مجرد روایات فقہیہ و التزام مذہب و جوباً و سد باب
 نفرد و اجتہاد و تلافی فی الدین۔ ایک واضح نظیر اسکی یہ مسئلہ تقریباً در جزیرہ عرب و عدم وجوب اخراج اہل کتاب
 جیسے شخص بر بنا تقلید فقہاء حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے، اور نفسِ رسول کو بمقابلہ اُراد و قیاسات بجا
 پس پشت ڈال دیا۔ اس کا ختم اوّل ہی میں پڑ چکا تھا، لیکن آج بگڑ باز مسلمانوں کے سامنے ہیں، اور ہر
 ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھ کر فیصلہ کر لے سکتا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کے رسول کی وصیت اور متعین ظواہر
 نصوص کا مسلک تھا یا حق یہ ہے جو اربابِ اُراد و ویلات قیاسیہ نے اختیار کیا، یا بین ہمہ اب تک بہ طور شخص
 مرض سے اعراض اور تجویز و تفسیر علاج سے جمل و اغماض ہو کر آج کون ان مسلمانوں کو جو ایک ہی صراطِ مستقیم کو چھوڑ
 بس مفرقین بھٹک گئے ہیں۔ یہ بتلائے کہ راہِ فوز و مکافاتِ ماسلف وہ نہیں ہے جو کافلہ و ہنگامہ ہر طرف
 چلایا جا رہا ہے۔ بلکہ صریحاً یہی سچی اور ایک ہی ہے یعنی حکم ”عَضُّوا بِالْأَنفِاجِذ“ اختصاصاً بالکتاب السنۃ
 اور تعمیلِ وصیتِ نبوی بہ حذایفہ کہ ”فَاعْتَوِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ کُلَّهَا وَانْ تَعَصَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ“ (رواہ البخاری)

ترکِ ماسواہما و ان تَعَضُّوا بِأَصْلِ شَجَرَةٍ!

مصلحت دیدنِ آنت کہ یا راں ہمہ کار بگذارند دخم طرۃ یا رے گیرند!

بہر حال دوسری تہم بلا و اسلامیہ کی بحق کفار جزیرہ عرب کی نسبت شرعیہ حقہ کا حکم دہ تھا
 اور مسلمانوں نے عمل نہ کیا۔ اور اسکی پاداش میں وہ سب کچھ ہوا جو چکا ہے، اور وہ سب کچھ ہونا ہے جو

ہو رہا ہے، تا اذپردہ غیب پر رومی دہرا، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا!

نمائند تمام ممالک اسلامیہ دہلا و محکوم حکومت اسلام تو ان کا حکم یہ کہ جو غیر مسلموں کو (خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب) اُن میں تو ظن و قرار کا موقع دینا جائز ہے۔ اور اُن کی شرعاً دو صورتیں ہیں عہد اور امان و ذمہ اور جب کوئی جماعت ذمیوں میں داخل ہوگئی تو اسکو وہ تمام حقوق امن و نظم و شہریت کے حاصل ہوگئے جو خود مسلمانوں کے شرعاً حاصل ہیں۔ از انجملہ یہ کہ وہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں مگر امام وقت یا مسلمانوں کی اجازت و رضائے

(۱۹)

بعض صاحبوں نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھی ہوگئی ہے صرف عبادۃ کے لیے ہیں یہ قسم کی مجلسیں و امان منقذ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ بات پہلے بھی بار بار لکھی گئی ہے اور ایک بار سے زیادہ مرتبہ اس بارے میں بالتفصیل لکھ چکا ہوں یہاں اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ ”سب عبادۃ کے لیے ہے“ اسکا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ ”انما بنیت المساجد لعمادۃ الدین“ (مسلم عن ابی ہریرہ) اور وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احد الا توہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ بجز نماز کے اس میں اور کچھ نہ ہونا چاہیے تو اس قول سے بڑھ کر جہل بالشریعت کا اور کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ یہ دو اہم و اسفار منہ اور قنایہ قطعہ کتب شریعت موجود ہیں جن سے صریح قطعی اثبات بے شمار اعمال و اجتماعات و مجالس فی المسجد کا ہوتا ہے اور بالاتفاق تمام ائمہ اسلام نے نہ صرف اُنکے جواز بلکہ مستحسن دسٹون ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ پھر ان سب کا کیا جواب ہوگا؟ اور نہیں تو صرف صحیح بخاری ہی کے ابواب متعلق احکام مسجد دیکھ لے جائیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت مسجد سے کیا کیا کام لیے ہیں؟؛ و ذلک کے نزول و قیام کی روایتیں اور پر گندہ چکین۔ دراصل عہد نبوی میں مسجد نبوی ہی اور تمام عمارتوں کی طرح سرکاری محاسنہ کا بھی کام دیتی تھی عمارتوں کی تعمیر و تھخیص عہد فاروقی سے شروع ہوئی ہے۔ اموال غنائم اور خراج و زکوٰۃ وغیرہ بھی مسجد ہی میں لائے جاتے تھے اور دین لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ عہد خلفائے راشدین میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا، امام بخاری

نے باب باندھا ہے، باب القیمۃ وتعلیق القنوی المسجد، اور حضرت انسؓ کی روایت دیج کی ہر کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپ نے حکم دیا "انثروہ فی المسجد"، اسی صیغہ فی المسجد، چنانچہ نماز کے بعد تقسیم کے لیے بیٹھے اور مسجد ہی میں تقسیم فرمایا، مسجد ہی دار القضاہ والا قنات تھی۔ بے شمار واقعات اسکی نسبت موجود ہیں۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے "القضاء واللعان فی المسجد"، اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لائے ہیں۔ مسافر کا مسجد میں قیام بالاتفاق جائز ہے اور امام بخاری نے باب باندھا ہے "نوم الموءنة فی المسجد" اور اس میں بروایت حضرت عائشہؓ ولیدہ ہالیک لڑکی کے آنے اور سلمان ہونے اور مسجد میں قیام کرنے کا واقعہ لائے ہیں "فکانت لہا خباء فی المسجد" خباء یعنی خیمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ وجر دیکھا۔ اکثر مسجد میں سو جایا کرتا تھا حضرت علیؓ کا مسجد میں سونا اور آنحضرتؐ کا اگر "فقیر یا ابا تراب" کہنا معلوم ہو۔ مسجد نبویؐ ہی فقر وصالیک کی دار الاقامت اور تعلین بستران و شرفیہ کے لیے درگاہ تھی۔ اصحاب صفہ کے لقب کا سبب یہی ہر کہ مسجد میں انکے لیے ایک صفہ (چوڑی) تھا، جہاں شب روز پڑے رہتے تھے، امام بخاری ابوہریرہؓ کی روایت "نوم فی المسجد" میں لائے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا جنکے جسم پر پوراکپڑا بھی نہ تھا مسجد نبویؐ میں علاوہ جامعہ صلوٰۃ کے ہر طرح کی مجلسیں اور مجتہن منعقد ہوتی تھیں۔ آنحضرتؐ صلعم کی نشست اکثر اوقات یہیں ہوتی تھی اور تعلیم و صحبت و صدور احکام و مشورہ و معاملات وغیرہ، جو کچھ ہوتا تھا یہیں ہوتا تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ "مسجد صرف نماز کے لیے ہے" اُنے پوچھنا چاہیے کہ فوجوں کی طیاری اور ترتیب اسکے لیے مالی اعانات کی فراہمی ہنوتو بلاو کے ملکی انتظامات وغیرہ، انکی اصطلاح میں کس قسم کے کام ہیں؟ نماز یا غیر نماز دینی، یا سیاسی، یا صریح و قاطع روایتیں موجود ہیں کہ یہ تمام امور مسجد ہی میں انجام پاتے تھے، حمایت و نصرت حق میں نظم و نتر کا پڑھنا اور لوگوں کا جمع ہو کر سننا کس قسم کا عمل ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے قصائد سناتے تھے اور خود آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہو کر دعا دیتے تھے اللہم ایتدا بروح القدس، حسان نے اسپر ابوہریرہؓ سے تصدیق چاہی اور انہوں نے کہا سچ ہر امام بخاری اسی دعا دیتے

جواز انشاء شعری المسجد کا استنباط کیا اور اس کے لیے ایک باب باندھا ہے، اور ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ "کان رسول اللہ صلعم نصب لسان منبراً فی المسجد فبقوم علیہم بحجوا الکفار" یعنی آنحضرتؐ معلوم حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں اپنے اشعار سناتے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں، الا باس بالثناء شعری المسجد خال من سبغ وھجوم للمسلمین" ثقف قال "والاولی صیانة عنها الا ان تكون من الزهدیات فیجوز الا کما ذکر لان المساجد وضعت لذكر الله" علامہ سفاری شری شرح منظومۃ الآداب میں لکھتے ہیں "قلت ومثل الزهدیات ابی ادنی فمأ مصلحة للمسلمین من ہجو اعداء اللہ وتخریض المؤمنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السئیات" جلد ۲۔ ۲۵۰ اور آنحضرتؐ کے نازک کے بعد مصلیٰ پر کچھ عرصہ تک تشریف فرما رہنے والی روایت میں بعض صحابہ نے کہا کہ ہم لوگ نازک کے بعد ڈولیان بنا کر ٹیجے جاتے تھے اور عہد جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ معلوم دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہو جاتے۔ اور تو بان کی روایت متفقین منع انشاء و شعر کہ من را یقول یشد شعراً فی المسجد الخ، تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار سبب و معاشقہ و مطالب جاہلیت ہیں نہ کہ نفس انشاء و شعر۔ جماعت میں لا حدیث عہد نبوی میں مسجد ہی شفا خانہ کا کام دیتی تھی۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے "باب الخیمۃ فی المسجد المرئی وغیرہ" جنگ خندق میں سگڑ زخمی ہوئے تو آنحضرتؐ معلوم نے مسجد میں خیمہ نصب کرا دیا اور اسی میں رکھا تاکہ قریب رہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں بجز نازک کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے نہیں معلوم وہ لعب جشہ والی روایت کو سن کر قہر متعجب ہو گئے؟ امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعہ کی بنا پر باندھ دیا، باب اصحاب الحراب فی المسجد، الحراب بالکسر جمع حرب، نیچے حضرت عائشہؓ کی روایت لائے ہیں "لقد رأیت رسول اللہ صلعم یوماً علی باب حجری والحبشة یلعون فی المسجد" دوسری روایات میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور بوجہ شہرت احتیاج ذکر نہیں۔ حافظ عقیلی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں "وفی بعض طرق هذا الحدیث ان عمراً فکک علیہم لعمهم فی المسجد فقال له الہی صلعم دعہ" لا فتح البخاری میری جلد ۱ ص ۲۵، بلاشبہ ان واقعات میں

بہت سے واقعات ایسے تھے جو اوائل میں عارضی طور پر احتیاجاً وقوع میں آئے اور اب بحالت اعتیاد و التزام انکو ضرور و کاجایگا، مثلاً یہی آخری واقعہ۔ لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لیے ہے تو اسکو سوچ سمجھ کر کہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا اور جو بات اپنی ہوا، و خواہش کے خلاف ہوئی اسکو جھٹ ناجائز بتلادیا۔ یہ معلوم ہو کہ مسجد اللہ کی عبادۃ اور ذکر کے لیے ہے، لیکن مسجد کا نماز کے لیے ہونا کب اس سے مانع ہو کہ تنوعاً دیگر مقاصد صالحہ و حقہ کے لیے استعمال میں لائی جائے؟ اور ذکر کا مطلب ہی لوگوں کو معلوم نہیں۔ قرآن کی زبان میں ہر قول فعل حق ذکر ہے، اور معاملات خدمت نوع و ملت و ہدایت و اصلاح اہم و دفع جور و اعتداء اعتد حق تو عین ذکر کے مدلول میں داخل ہے اور دلیل اسکی خود آنحضرتہ صلیم اور صحابہ و خلفائے راشدین ہمدین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیہ و اجتماعیہ صالحہ کے لیے بالاتفاق کام میں لانا ہے۔ آنحضرتہ صلیم کے طرز عمل کے لیے گذشتہ اشارات کافی ہیں۔ صحابہ کرام کا جو حال رہا وہ اس باب میں سب سے زیادہ واضح و قاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لیے پوری طرح اسوہ حسنہ ہے۔ اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ ہمیشہ مسجد نبوی، ہی رہی۔ یہی مشورۃ گاہ اعیان ملت و اصحاب محل و عقد و عامۃ اہل اسلام تھی جس میں سارے ملکی و سیاسی و مالی معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کبھی کوئی اہم مشورہ طلب مملکت پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا (غالباً مؤذن) جو شہر میں بائیں الفاظ اعلان کرتا "الصلوۃ جامعۃ" یہ سنتے ہی لوگ مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے جب تمام لوگ آچکے تو حضرت عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب مملکت کثرت راے سے طے پاتا (طبری مطبوعہ مصر جلد ۵-۱۵۳) حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوری بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی، بلاذری نے تصریح کی کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی میں منعقد ہوتی تھی۔ مجوسیوں کو اہل المذہب قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس میں طے ہوا تھا۔ کان للہما جنین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس مہم فیہ و یجدد عما ینتہی ایہ من اہل الکافاق" (فتوح البلدان مطبوعہ لیڈن صفحہ ۴۰۷)

زہری حضرت ابن السیث سے روایت کرتے ہیں کہ جب فارس سے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حبشہ متور
دریہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد میں رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسانی کی اور دوسرے
دن تمام مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور مال تقسیم کیا گیا۔ کتاب الخراج میں قاضی ابویوسف لکھتے ہیں مصداقہ علی
بن عبد اللہ عن الزہری عن سعید بن المسیب قال لما قدم علی عمر بن الخطاب فارسل قال واللہ لا یحبھا سقت من السماء
حتی اقسیمھا بین الناس فامر بہا فوضعت بین صفی المسجد وام عبد الرحمن بن عوف وعبد اللہ بن ارقم فباتا علیہا
تعدوا عمرو بن عبد بالناس علیہ «(صفحہ ۱۲)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد خلفاء میں مسجد نبوی ہی تمام مجالس و مجالع اور معاملات ملکی اذقیل
تقسیم غنایم و تجزیہ حیش و انفضال مہمت کی جگہ تھی اس لیے روایات میں گو فظ مسجد کی تصریح نہ ہو لیکن جہاں
کہیں مجالس کے انعقاد و بحث و مباحثہ خطبات مذکورہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی
میں وہ سب کچھ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس ملکی کا جہدہ حال قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج میں بجا ملتا ہے
شاید اور کہیں نہ ملے۔ کیونکہ کتاب کا موضوع خراج و مشورہ و جزئیہ وغیرہ محاصل مالیہ ہیں اور تقریباً تمام مالی سائل کا
عملی انفضال حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ کتاب الخراج میں جابجا موجود ہے۔ ان عمرو بن جمیع اناس فقال کذا وکذا
ان عمرو شاور اصحاب النبی۔ ان عمرو استشار الناس فقالوا کذا۔ اجمع الناس ثم قام خطیباً فقال کذا۔ اور اس طرح
عام کتب آثار و تاریخ میں تو ان روایات میں اسکی صراحت نہیں ہے کہ یہ تمام مجلسیں مسجد ہی میں ہوئی تھیں لیکن چونکہ
پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دارالشوریٰ اور دیوان ملکی مسجد نبوی ہی تھی اس لیے ان تمام روایات سے ہر روایت مانع بصدہ کے
لیے مستقلاً دلیل و شاہد ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور زینغ و فساد فہم کی ہے اور اسی نے ہر معاملہ علم اور ہر راوی
عمل میں آئین ہا پر کر رکھی ہیں۔ نظریں کو تباہ ہو گئیں، معلومات و درسیات و چند شرف کے اندر محدود رہے
دین میں غائبہ باقی نہ رہی نتیجہ یہ کہ کوئی ایک بات کان میں پڑ گئی اور دنیا جہاں کا فیصلہ اسی سے کر دیا۔

اسی حالت کی نسبت کہلایا ہے: حفظت شیئاً، وغابت عنک اشیاء!

لوگوں نے صرف یہ کہیں دیکھ لیا ہے کہ مسجد عبادت کیلئے ہی لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا اور نہ سمجھنے کا ہنر ہی، بس حبشہ و اصحاب الحروب والی روایت اور گزشتہ کی ہی خلاصہ لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے صحن میں ایک تہ حبشی بتیار کے ساتھ اپنا بیچ اور کرب دکھاتے تھے جو دراصل ایک طرح کی فوجی ورزش ہے، اسخضرہ مصلم نے حضرت عائشہ کو حجرہ کے دروازہ سے اٹھا کھیل دکھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک سامنے کر دیا تھا، اس پر سے حضرت عائشہ جھانک کے دیکھتی رہیں، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد میں کھیل کو نہ کرو، مگر آپ نے فرمایا کہ نہ روکو۔ کھیلنے دو، کما مر سابقاً۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: فیہ جواز ذلک فی المسجد، یعنی اس کی ثابت ہوا کہ اس کا مسجد میں جائز ہے۔ "قال واللعب بالحرب لیس لبأحد دأبل فیہ تدرب الشجعان علی مواقع الحرب ولا استعداد للعدو۔ وقال المہلب المجد موضوع لآمن جماعۃ المسلمین فما کان من الاعمال یجمع منفعة الدین واهلہ، جائز فیہ" (فتح مہتمم) یعنی بتیار رک کے ساتھ کھیل مفسد کھیل ہی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی روانہ اور جنگی ورزش ہے جس دشمن کے مقابلہ کی استعداد بڑھتی اور شجاعت و ہمت کو تحریک دیتی ہے اسیلئے آپ نے اسکو مسجد میں جائز رکھا، اور مطلب ہے کہ مسجد بنائی گئی ہے جماعت اہل اسلام کے فائدے کے لیے پس تمام ایسے کام جو اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ دیکھیں جو ان میں جائز ہو اور گزشتہ کا نام بخاری نے ایک باب باندھا ہے "الاغتسال اذا سلم وربط الا سیر فی المسجد" اس ترجمہ آپ کے اصل نسخہ بخاری میں ہونے نہ ہونے کی نسبت اختلافات ہیں اور بصورتہ اثبات ترجمہ اس ترجمہ کے ربط و مطابقت کی نسبت شارحین نے بحثیں کی ہیں۔ اسی مسئلہ میں حافظ موصوف لکھتے ہیں "وادی ابن المنیولان تصنیف لک البیع والشرع فی المسجد قال ومطابقتہما بقصۃ ثمانتان من تغیل منہم کما خذہ من عوف قولہما بنیت المسجد لکرا لعلہما را دا الخادی ان هذا العموم مخصوص با شلم غیر ذلک، ربط الا سیر فی المسجد، فاذا اجاز ذلک لصلی تکون لک بیع والبیع والشرع فی المسجد" (صفحہ ۴۶۲) یعنی یہی ہے اس کی نسبت یہ کہ اگر اصل اس کی ترجمہ متعلق ہو کہ بیع والشرع فی المسجد، اور قصہ ثمانۃ سو کی مطابقت یہ کہ جس نے ذکر بیع و شرع کو ممنوع خیال کیا تو اسی بنا پر کہ انہما بنیت المسجد لکرا لعلہما را دا الخادی، یعنی اسنے خیال کیا کہ جب میں صرف اللہ کے ذکر کیلئے

موضوع میں تو پھر یہی و شرار کا ذکر اذکار میں کیوں جائز ہو؟ پس امام بخاری نے اس شبہ کو ادا کرنا چاہا، اور دکھلانا چاہا کہ ”انما بنیت المساجد لذكر الله“ کے حکم عام کے لیے مخصوص بہت سی باتوں میں ثابت ہو۔ انا بحمدہ اس میں کہ قیدی کو مسجد میں بائزھناؤ رکھنا جائز ہے۔ اور جب برنباہصلحت یہ بات جائز ہوئی تو ذکر یہی و شرار برنباہصلحت کیوں جائز نہ ہو؟ انتہی یہیں بیان اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس باب کے ترجمہ و مطابقت روایت کی نسبت یہ توجیہ کہاں تک درست ہو، حافظ ابن حجر کہتے ہیں ”و لا یجفی ما فیہ من التکلف“ مقصود اس قول کے نقل کرنے سے یہ دکھانا ہے کہ ائمہ فقہ و حدیث نے ”انما بنیت المساجد لمناہیت لہ“ اور ”لذكر الله“ کا مطلب کیا سمجھا ہے؟ اور ابن زبیر کے قول سے منہا یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

در اصل حکم ”انما بنیت المساجد لمناہیت لہ“ اور ”بنیت لذكر الله“ کو اگر عام و مطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی نقص نہیں ”لعمانہیت لہ“ اور ذکر الله کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے، دوسری باتیں جو آنحضرتہ وسلم و خلفائے راشدین نے مسجد میں کیں، اور وہ اکثر امور جن سے آجکل کے مدعیان علم و حفظ شریعت روک رہے ہیں، ”ذکر الله“ اور اصل موضوع بنا مسجد میں داخل ہوں۔ خود قرآن حکیم نے خطبہ و عظیمہ پر ”ذکر“ کا اطلاق کیا ہے، اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ سب سے اتفاق کیا کہ یہاں ”ذکر الله“ سے مقصود خطبہ جمعہ ہے۔ نہ کہ صلوٰۃ اور اسی لیے وَذَرُوا الْبَيْعَ کے حکم کی تعمیل بجز و سماع نماز و اذان واجبہ نہ کہ ہنگام قیام صلوٰۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہے کہ آنحضرتہ وسلم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے ذکر اللہ فرمایا ان میں صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ ”توبت کو یاد کرو اور روتے رہو۔ جیسا کہ اب ہو رہا ہے بلکہ ان میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا جاتا تھا جو آجکل کی جدید تقسیم اعمال انسانیت میں ”دنوی معاملات“ قرار دیا جاتا ہے، جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کے مصالح دینی و دنیاوی کی کوئی بات پیش آگئی ہے تو اپنے ہمہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسا ہی خطبات خلفاء راشدین کے ہوتے تھے، میں نے گذشتہ سال ایک رسالہ مقاصد و احکام جمعہ پر لکھا ہے۔ اس میں خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے میں ہی نبوۃ و اسوۃ حسنہ خلفاء راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے، مگر نوبت طبع و توزیع کی آئی تو انشاء اللہ اس باب میں نافع و قاطع ہو گا،

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں مجتہدانہ استنباط و دقائق آفرینی کی بھی نمائش کرنی چاہی ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ "جب مسجد میں پکارا بات کرنے سے بھی روک دیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہے حتیٰ کہ حقیر عمر بنیؓ دو شخصوں سے کہا "اگر تم شہر کے باشندے ہو تو مسافر نہ ہوتے تو میں تمکو سخت سزا دیتا۔ تم مسجد رسول اللہ میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو" تو پھر اس طرح کے غلط طے" اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آج کل مذہبی مسائل کی نسبت جقدر خامہ فرسایاں کی جا رہی ہیں ان سے اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے علمی منزل کے ماتم گمارہیں انکے دل و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھ جاتا ہے، اول تو "مخلوط" اور "غیر مخلوط" مجاس کی جدید تقسیم سے اصول فقہ میں جو اضافہ کیا گیا ہے معلوم نہیں وہ کس نورالافوار اور ترویج سے ماخوذ ہے؟ پھر کاش "رفع الصوت فی المسجد" اور حقیر عمر دہلی روایت کا مطلب کسی متداول شرح کی مدد سے سمجھ لیا جوتا۔ امام بخاری نے صحیح میں باب باندہ حاجی "مسجد میں آواز بلند کرنے کا حکم" اور اس میں دو روایتیں لائے ہیں۔ پہلی روایت یہی حقیر عمر دہلی والی ہے۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا (اور ایک روایت میں قائم کی جگہ نامائے ہے اور حاتم کی روایت میں کت مضطجعاً ہے۔ یعنی سورا تھا) کہ یکایک کسی نے پھپر لکڑی پھینکی۔ دیکھا تو عمر بن الخطابؓ انہوں نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس بولاؤ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا تم کون ہو یا کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے، حضرت عمرؓ نے کہا "لو کنتم اهل البلد لا وجعکم! تو فغانی ہو گئے" فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟" ترجمہ اور گزر چکا ہے اس کے بعد دوسری روایت عبد اللہ بن کعب کی لائے ہیں خلاصہ اسکا یہ ہے کہ کعب بن لکھ درانے ایک مقروض مسجد میں اپنے قرض کی نسبت بات چیت کر رہے تھے یہاں کہ چلا چلا کر باتیں کرنے لگے اور انکی آواز انحقیر نے اپنے حجرہ میں سن لی پس آپ نکلے اور کعب کو اشارہ کیا کہ اسقدر اپنے قرض میں سے چھوڑ دو واللہ، ان دونوں روایتوں کو اس باب میں امام بخاری نے ایسے جمع کیا کہ مسئلہ کے دونوں پہلوئے وجواز کے واضح کرنا چاہتے تھے، وھذا من کمال فقہ و دقتہ استنباطہ" حافظ عسقلانی لکھتے ہیں اشارہ بالترجیح الی الخلاف فی ذلک۔ فقد کرمہ مالک مطلقاً سواء کان فی العلم أم فی غیرہ۔ و فرق غیرہ

بین ما يتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی و بین ما لا فائدة فيه - وساق البخاری فی الباب حدیث عشر
الدال علی المنع وحدیث کتب الدال علی عدمه - اشارۃ منہ الی ان المنع فی ما لا منفعة فيه - وعدا
فی ما تلحق الضرورة الیه“ (۱) یعنی ترجمہ باب میں اشارہ ہو اس اختلاف کا جو اس باب میں واقع ہوا۔ امام مالک
مطلقاً منع الصوت کو کر دہکتے ہیں خواہ درس و تدریس علم ہی میں کیوں نہ ہو، اور دیگر ائمہ نے اس بارے میں تفریق
و تفصیل کی ہے، انکے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لیے رفع صوت ہو جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے
والا نہیں، اور امام بخاری اس باب میں حدیث عمر لائے ہیں منع کے لیے، اور حدیث کتب لائے ہیں جواز کے لیے،
اور اس طرح واضح کیا ہے کہ منع اس حالت میں ہے جبکہ یکرا اور لغو یا تین پکار کر کی جائیں لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر تھوڑا سا
یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد کے لیے جاس مسجد میں جائز نہیں، تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ میں
دو دنیا، وہ اس جملہ پر غور کریں، ”ما يتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی“ اور حدیث کتب پر کہ دراصل رفع صوت
لین دین کے معاملہ کے لیے تھا جو یقیناً صحیح ممنون میں دنیوی معاملہ ہے۔

باقی ہی حدیث عمرؓ کو جو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا مورد واضح کر دیا لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی
رہ گیا ہے حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیوں سے فرمایا ”ترفعان اصواتکم فی مسجد رسول اللہ؟“ یہ نہیں کہا کہ
”فی المسجد“ یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلط فرمایا صرف مسجد نہیں کہا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی زجر و تنبیہ
اس بنا پر تھی کہ مسجد میں تم نے آواز کیوں بلند کی بلکہ اس لیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے ادبانہ چہیتے
ہوئے تعین شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نہایت مخفی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ
رسول اللہ کے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
بِجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ، کیونکہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادبِ عظیم
اور توقیر و تعزز رسول کے خلاف تھی جو حکمِ توحید و تَعَزُّز و لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بکلیت نوع انسانی پر فرض ہوا جس کے بغیر
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کا معاملہ ممکن نہیں ہو سکتا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ

آپ کے سامنے آتے تو محکم تاؤب و تنظیم اور سکوت و شوع کی تصویر ہوتے، آنکھیں زمین میں گڑی رہتیں اور لب کھٹے تو آواز مشکل سے نکلتی، علی الخصوص حضرت عمر کا تو اس بارے میں کچھ عجیب حال تھا، چونکہ اس آیہ کریمہ کا نزول جس واقعہ پر ہوا تھا اس کا تعلق خود انہی سے تھا، اور خلق انکی آواز بھی بلند، اسلئے نزول آیہ کے بعد انکے خفض و نرمی صوت بحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو گیا کہ ”اذا حدث النبی بحدیث حدثہ کانھی السملد لم یسمع حتی یتفہمہ“، کہارواہ البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنة عن ابن ابی ملیکۃ، جب آپ کا وصال ہو گیا تو گروا پکا پیکر جیسی دنیا کی آنکھوں سے چھپ گیا لیکن انبیاء کرام کی حیات معنوی موت کے دست رس سے باہر ہے

”یصلون فی قبورہم“ اور ”صلو علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم“ (ابوداؤد عن ابی ہریرہ)

ثبت است بر جیدہ عالم دوام ما !

پس ولا تجھروا لدی القول کما یجھرون لک بعض کا حکم دستور باقی رہا، اسی لیے صحابہ کرام کا آپ کی وفات کے بعد بھی یہ حال رہا کہ مسجد نبوی میں قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے اور تمام احکام ادب و حقوق رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے، حضرت عثمان بعد اللہ بن عمر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبوی میں لوگوں کو پکار کر بات کرنے دیکھتے سخت خفگیں ہوتے، اور فرماتے تین شرمینیں آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور و غل مچا رہے ہو حالانکہ اللہ کے پاس ہوا کو تو قوا اصواتکم یعنی اس آیہ کریمہ سے منع رفع صوت بحضرت رسول رب العزت رسول بھی استدلال کیا گیا، اسی طرح حضرت امام مالک کا واقعہ معلوم ہے کہ ایک شخص کو پکار پکار کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیہ کریمہ پڑھی اور اس پر سخت غصہ بنا کر ہوئے۔ حکماء ابن الجوزی۔ پس حضرت عمر کا خفگیں ہونا اور طائف کے دو آدمیوں کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا، اور اسی لیے آپ نے فرمایا ”فی مسجد رسول اللہ“ یعنی رسول کی طرف نسبت دیکر و کا، صرف لفظ مسجد نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نبی عمر خاص مسجد نبوی سے تعلق رکھتی ہے علت اسکی دوسری اور غیر مشترک ہے، اگرچہ دیگر آدمی سے یہ ثابت ہے کہ عام مساجد میں بھی بلا کسی ضرورت دینی و دنیوی صانع کے نود و بیکار شور مچانا یا مسجد کو اپنی دنیا داری کی محبتوں کی جگہ ٹھہر لینا قطعاً

منوع ہے، بلکہ ایسے لوگوں کا اخراج مسجد سے واجب ہے،

اور تائید اسکی اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے سلسلہ میں مسجد نبویؐ کی از سر نو تعمیر و توسیع کی تو مسجد ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنایا اور لوگوں سے کہا جس کسی کو ٹھیکر آپس میں بات چیت کرنی ہو یا شرواشاء وغیرہ کے لیے صحبت مقصود ہو تو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ بخود ہی نے خلاصۃ الوفا میں یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں رفع صوت اور مذاکرہ و مجالسہ کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے خاص طور پر انتہام کیون کرتے؟ بلکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد رسولؐ میں بحضور قبر رسولؐ چلا کر بلا ضرورت بات کیجا اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام مطلوب شارع سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے۔ اس لیے ایک گوشہ میں چبوترہ بنادیا کہ لوگوں کی نماز میں بھی خلل نہیں پڑیگا اور بوجہ مجددہ صورت بھی باقی نہ رہے گی جو حضورؐ قبر مبارک میں رفع صوت سے پیدا ہوجاتی ہے اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوگئی، کہ حضرت امام مالکؒ کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ تو یہ جو حافظ عقلمانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع حتیٰ کہ دس و تدریس علم کے لیے بھی، تو دراصل یہ صرف مسجد نبویؐ کے ساتھ مخصوص ہے، امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ عام طور پر تمام مساجد میں درس و تدریس علم کیلئے بھی رفع صوت نہ ہو، بلاشبہ انہی نے منقول ہے کہ ”انا اکوذاک و لا ادری فیہ خیلا“ یعنی میں مکروہ رکھتا ہوں کہ مسجد میں درس و تدریس علم ہو، لیکن یہ متعلق ہے صرف مسجد نبویؐ سے، اور جس سوال کے جواب میں انہوں نے یہ کہا، وہ بھی مسجد نبویؐ کے متعلق تھا، اور اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے، اور اسی بنا پر محدثین انکے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسولؐ کے سلسلے میں بیان کیا ہے نہ کہ بعنوان نفہ و احکام، ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد میں درس و تدریس علم و رفع الصوت اذاکان للنصح والتذکرہ کو وہ کیونکر مکروہ قرار دیکھتے ہیں جبکہ اس کثرت سے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہیں؟ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدینؓ نے غنائم تک مسجد میں تعلیم کے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہے، اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبویؐ کے آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں حکم دیا کہ تمام بلا مفتوحہ میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور

اور ساتھ ہی ان میں تعلیم و تدریس قرآن و سنت کا بھی انتظام ہو۔ پھر ان مدارس کے لیے فقہاء و قراء صحابہ بھیجے گئے۔ شام کے مدارس کے لیے حضرت ابوالدرداءؓ، ابی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ وغیرہم بھیجے گئے تھے حافظ ذہبی نے ابوالدرداءؓ کے حال میں لکھا ہے کہ جامع دمشق میں تعلیم دیتے تھے، طریقہ یہ تھا کہ مسجد میں نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے، دس دس آدمیوں کے حلقے کی تعلیم کے لیے ایک قاری مقرر ہوتا۔ خود ٹہلتے رہتے، اور ہر حلقہ کی آواز پر کان لگاے رہتے، جب ضرورت ہوتی ٹوکتے ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سوطا لب اسلم مسجد میں حاضر تھے! ایسی حافظ ذہبی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ترجمہ میں ابوسلم خولانیؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ محض کی مسجد میں گیا تو دیکھا تین اصحابی جمع ہیں، اور مسائل و علوم پر مذاکرہ ہو رہا ہے، غرض کہ مساجد کا مدارس دیوت علم ہونا ایک ایسی تاریخی و علمی حقیقت ہے کہ حاجت و دلیل و بیان نہیں۔ پھر حضرت امام مالکؒ کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں برف صوت ہر حال میں مکروہ ہے؛ علی الخصوص جبکہ ان کے فقہ و ابواب کا زیادہ تر وارد و مدار حضرت عمرؓ کے فتاویٰ و فرامین خلافت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علوم پر ہے، اصل یہ کہ بہت سی غلطیاں خاص مقامات و حالات کے حکم و فتاویٰ کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین میں پیدا ہو گئی ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ محراب والے حصے میں نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مکروہ منصوبہ تھا۔ لوگوں نے اس سے عام طور پر کریمہ صلوٰۃ فی المحراب کا مسئلہ پیدا کر لیا، قازانیؒ نے بدائع میں اس کی تصریح کی ہے اور شمال میں کہا کہ اسطرح امام مالکؒ کی بہت سی باتیں جو خاص مدینہ کی نسبت تھیں۔ عام سمجھی گئیں۔ یہاں صلوٰۃ فی المحراب کے مسئلہ سے بحث نہیں، صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھانا مقصود ہے۔

۱۔ صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ہے صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہے کہ اصل میں "کاشانی" ہوگا کاشان کی طرف منسوب۔ حالانکہ بات صاف تھی صاحب بدائع نسلًا تدری ہیں اور قازان تارکے رہنے والے تھے جو کچھ روسی ملک میں داخل ہوا وہاں سے یہ کاشان تھا۔ عربی میں قازان بولنے لگے۔ منہ

البتہ اگر آنجکل کے علماء و واعظین کی مجالس مقصود حکایات و جدل فی المسجد و مکاربات کی نسبت سوال کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع میں داخل ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ زمین کے ہر حصہ اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے ناجائز ہیں۔ صرف مسجد ہی پر موقوف نہیں۔ عین ممبر مسجد بڑھکر باہر گرب و شتم، تکفیر و تفسیق، اور تعلق و تنازع بالالفاظ کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور حکایتیں اور مکذوب موضوع و روایتیں سنائی جاتی ہیں۔ ٹھیک ٹھیک مطربوں اور گویوں کی طرح لٹکریان لے لیکر گایا جاتا ہے۔ محض مراد و جدل اور تنازع فی الدین کی نیت سے مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، اور درندوں کی طرح امامت و ممبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر خواخوہار نہ مارتھ بڑھاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہیں بلکہ عین مقاصد مسجد میں داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ و حسنہ سے غیر اوقات صلوة میں کوئی مجمع منعقد ہو اور اس میں نفع بلا و در فائدہ ملت و جلب مصالح و دفع مفاسد کے لیے تقریریں کی جائیں تو تجارتی کی روایت منع رفع الصوت والی ذرا یاد آ جاتی ہے!

یکہ ان یشرب من فضة و یسرق الفضة ان نالہا!

تمام اہل علم و سلف نے اتفاق کیا کہ جدل و تنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے بلکہ منجملہ شدید ترین وسائل ضلالتہ و تحریف شریعت و ضد ہدی کے ہوا در آنحضرتہ صلعم نے فرمایا ”ما ضل قوم بعد ہدی کا نوا عید الا و القہر“ کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی میں نہیں پڑی مگر جدل سے، پھر یہ آیت پڑھی ”ما ضل قوم الا و القہر“ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ عن ابن امامہ) تو بد قسمتی سے جدل و تنازع و تعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا، اور اگر آج علوم و مدونات مقبولہ کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنہ سے خالی نہیں لیکن ضلالتہ جدل و تنازع کا علا بدترین مقام و فتنہ وہ ہے جو آنجکل مناظرہ و مباحثہ مذہبی اور احقاق حق و تحقیق مسائل کے نام سے کیا جاتا ہو اور اسکی مجلسیں، عموماً مسجد ہی میں منعقد ہو کر تی ہیں۔ پھر ان مجلسوں میں جو کچھ ہوا کرتا ہے معلوم ہے۔ زبان کی کوئی مصیبت، اور طعن و صد سے وقوع میں آنی والا کوئی نفس ایسا نہیں

جوان بھیرن مین بمصداق و فی نادیکو المنکس، علانیہ نہ ہوتا ہو، اور مجرد دفع صوت کا تو کیا پوچھنا؟ ”لوگوئی خروسان شالہ چنگ“ کے معاملہ کے بغیر تو ہمارے علماء کا کوئی مناظرہ مناظرہ ہی نہیں، کوئی اسوقت جا کر اس کی عبادت گاہ کو دیکھے، تو بھنگر خانوں اور خرابات کے ہنگامے اسکے شر و غل کے آگے مات ہیں، پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جدل سانی کا خاتمہ ہو، ماجدل بالید و الحراب پر ہوتا ہو، اور بسا اوقات نوبت مقدموں اور فوجداریوں تک پہنچتی ہے، یہ ساری باتیں آجکل کے مسلمانوں کے مذہب میں جائز ہیں، بلکہ از قبیل اعمال متبرکہ و شرعیہ علماء اسلام نہ ان کا دفع صوت ممنوع ہو نہ گالی گلوچ اور سر پھٹول۔ لیکن مسجد میں اصلاح ملت و بلاد و حفظ حقوق ملک و قوم کے لیے جمع ہونا جائز نہیں، کیونکہ مسجد میں پکار کر بات بھی نہ کرنی چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے روک دیا تھا! انا لله وانا الیہ راجعون، کیا اس سے بھی بڑھ کر ”غیبی ناس جہال“ استفتون فیفتون براہم فیصلون ویصلون، ”رواہ البخاری عن ابن عمر“ کا مصداق کوئی عمد جمل اور عرصہ نہ ہو سکتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بھی انتظار ہو؟ فَقَدْ جَاءَ اَشْرَاطُهَا، فَاَنذَرْنَا قَوْمًا لَّهُمْ اَذْجَاءَ تَعْمُرُ ذَکُلْہُمْ؟

(۲۱)

بعض اخبارات نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہو کہ ”لوگوں نے مقتولین حادثہ دہلی کے لیے نماز جنازہ غائب پڑھی جو ہمارے مذہب میں جائز نہیں“ سوا کسی تحقیق بھی ضروری ہو، لیکن یہ تحریر بلا قصد و بہت طوفاں ہو چکی۔ اس لیے اس بحث کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کہ مستقلاً شائع ہو جائیگا۔

(۲۲)

لکھنؤ کے بعض اخبارات میں اس معاملہ پر اسے زنی کی گئی ہے اور لکھا ہو کہ جناب مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی علی بھی اس سے متفق ہیں۔ یعنی عدم جواز دخول ہندو فی المسجد سے، لیکن اس بارے میں انکا جو خط شائع کیا ہے اس میں جواز عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہیں۔ صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ میں چاہیے کہ احکام شرع کا اتباع کریں، اور اپنے اجتماعات وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ کریں جو شریعت کے

خلاف ہو، تو یہ حق ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہیں، تعجب ہی کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے خط کو عدم جواز کے ثبوت میں کیوں پیش کیا،؟ میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملہ کو ناجائز بتلا دیں جس کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے اور علی الخصوص فقہاء حنفیہ کا مسلک تو میں ممدوح و مسلم ہے، بلکہ یقین ہے کہ انشاء اللہ اسکا مسلک بھی یہی ہوگا، اور اختلاف طریق وصول الیٰ میں ہو سکتا ہے مگر حق میں نہیں، اور تقدّر و رجال و افراد میں ہے۔ حقیقت میں نہیں ہو سکتا، معذرا مولانا کہ اصل کار نصوص و بصائر سے ہے، اور وہ جب موجود ہیں تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہیں۔

(۲۳)

خاتمہ سخن میں ایک معاملہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرہ نظر و فکر حدود ہیں۔ ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، ہر گروہ علم و عمل میں ساری مصیبتیں اسی اعتدال و تجاوز عن الحد و سے پیش آتی ہیں۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے۔ لیکن اسکے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر اخبار نویس قضا و افتاد کا کام بھی شروع کر دے، اس کام کو صرف ان لوگوں کے لیے چھوڑ دینا چاہیے جن کا یہ کام ہے، اور جو اسکی صلاحیت رکھتے ہیں، ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض روشن خیالی، اور سیاست دانی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اللہ نے اپنے بعض بندوں کو توفیق دی اور انھوں نے تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال کی صدا دعوت بلند کی۔ نتیجہ نکلا کہ حالت پلٹ گئی۔ اور شریعت و قرآن کے ذکر و استحضار دین داری ہی مقبولیت و محبوبیت پیدا ہو گئی جیسی پہلے اعراض و انکار میں تھی، اور وہی تحریریں عوام و خواص میں مقبول ہونے لگیں جو ذہبی رنگ میں لکھی گئی ہوں۔ لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے اعراض و غفلت تھی۔ اب ادعاء و تکلم تکلم بغیر علم ہے پہلے کوئی شریعت کا نام بھی نہیں لیتا تھا، اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے بالکل بے بہرہ ہو اپنے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگوں کو مشرک مانتی تھی

بین تہذیب و تعلیم کی برادری سے خارج نہ کر دیں جائیں اب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے چاہتا ہو کہ ہر تحریر میں
 ان کی ایک دو آیتیں کسی نہ کسی طرح ضرور ہی کھپا دے، اگرچہ لفظاً نصیحت، معنی تحریف اور استہزاء
 سے مربوط ہی کیوں نہ ہو، اور یہ فتنہ پہلے فتنہ سے بھی اشد و اضر ہے تلک فتنۃ الدنیا وھذہ فتنۃ
 الدین۔ پہلا فتنہ عمل تھا جبکہ نتیجہ فسق ہے۔ اور یہ فتنہ علم و احکام ہے جسکا نتیجہ تحریف شریعت، اور
 تھم اُمیون لا یعلمون الا انما فی کاحاکم و امر شریعت و ملت بنجانا ہے۔ آج مسلمانوں کا کوئی اخبار کوئی
 مجلس، کوئی کام ایسا نہیں، جو اس فتنہ کا تماشا گاہ نہ ہو، علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال ہو کہ انکا ہر نمبر
 دلی نہ کوئی نئی شال ضرور اپنے ساتھ لانا ہو کوئی صحافی ایک لمبا چوڑا مضون شائع کرتے ہیں کہ احیاء ملت بذریعہ
 احیاء شریعت کرنی چاہئے اسکی صورت یہ ہے کہ علماء اسلام فرائض و واجبات شریعت میں چند نئی دفعات
 کا اضافہ کر دیں اور آپس میں پیچ کر کے فتویٰ دیدیں کہ نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور مَدَدہ
 و الحمد للہ کانفرنس کی شرکت بھی مترغاض ہے۔ اور زکوٰۃ کی طرح انجمنوں کی فیس ممبری بھی ہر مسلمان
 کو دینی چاہیے، کوئی صاحب دنیا بھر کی بدعتوں اور بدعی محافل کا سر و سامان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ
 کہ سیاسی مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ یہ وقت بدعت و منہ کے جھگڑے کا نہیں ہے
 انکی تحقیق میں مسلمانوں کی پولیٹیکل ترقی بغیر بدعات و فسوق کے اہتمام کے ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک صاحب
 تمام اخباروں میں اعلانات شائع کرتے ہیں کہ اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدیں، اور مسلمانوں کی
 گڑھی ہوئی صدیا اعیاد و موسام بھی قوم کی ترقی کے لیے کافی نہیں۔ اسلئے ایک نئی عید کا اہتمام شروع
 کر دینا چاہیے۔ دوسرے صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ مساجد میں ”مخلوط“ مجالس جائز نہیں، اور ہندوؤں
 کو مسجد کے مجموعہ میں بلانا تو اشد و اکبر معصیت ہو گی غیور ذلک من اعجاب کل ذی رای براہ
 و الاعتصام بالبدعت و الاحداث فی الدین۔ تو اس دینی انار کی اور مذہبی طوائف الملوک
 سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی۔ شاید تبدیل حال و قیام امر کے لیے یہ درمیان کی بد نظمی اور

بہر حال ضروری ہو اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اعلیٰ سکون و امن نمودار ہو۔ بہر حال حالات کی
 طرف سے تو بجز افزایش درود و اندوہ کے اور کوئی صدامین اٹھتی، الایہ کہ ہر حال میں اعتماد اللہ
 کے فضل و کرم اور بالآخر وعدہ نصرتہ و یاوریت شریعت و حفظ دھیانہ ملے مرحوم پر ہے۔ واللہ
 ناصر دینہ و رافع اعلام سنت رسولہ و حبیب اللہ و نعم الوکیل لہذا آخر ما
 تیسری من تسوید هذا الجالہ مع توزع الخاطر و تشتت البال من تراکم الهموم و کثرة
 البلبال و کان الفراغ من تسویدها ضحیٰ نہا را السبت است بقیت من سراج المہجبت^{۳۳}
 حین کنت منفیاً من البلد و مجوساً فی سجنی وانا الفقیر الی اللہ احمد کان اللہ لہ
 و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

— ۳:۰۰:۴ —

تصحیح : ساریت بابت ماہی سئلہ کے صفحہ ۲۰۲ مطروہ میں ولو کان مسجد الحرام کے بعد یہ عبارت
 بڑھالین : ” یعنی ذمی کا مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔ اگرچہ ضعیبی ہو۔ اور خفیہ کے نزدیک مسلمان کی اجازت بھی ضروری
 نہیں اگرچہ مسجد حرام ہو۔ ہدایہ میں ہو دو کلاباس بان یدخل اهل الذمۃ المسجد الحرام“

اُمم قدیم کے علوم و فنون

از جناب مولوی محمد سعید صاحب نصاریٰ رفیق دارالمصنفین

بیسویں صدی کا تمدن انسان جب زمانہ قدیم کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے، تو اسکو اپنے اسلاف کی تمدنی سطح حد درجہ پیٹ نظر آتی ہے، آج تہذیب و تمدن نے جو ترقی حاصل کی ہے، اسکو دیکھ کر گون کہہ سکتا ہے دنیا کے قدیم بھی کسی زمانہ میں ہمارے تمدن کا آئینہ نہ تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، علوم و فنون، غرض عالم کی ہر چیز نے تدریجاً ترقی کی ہے، اس بنا پر آج ہم جن بزرگوں کے خیالات کو تو تہمت اور خرافات کے لقب سے یاد کرتے ہیں وہ دراصل اس سلسلہ کی ابتدائی گڑیاں ہیں، جبکہ بغیر تمدن کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی،

تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں انسان کے جو مذہبی اور تمدنی خیالات تھے، ان پر زمانہ مابعد میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے، اور ہوتا جاتا ہے، ہر قوم اپنے اسلاف کے خیالات میراث میں لے لیتی ہے اور اپنے علوم و دانش خرافات سے ان پر اضافہ کرتی ہے، اسلئے آج ہمارے پاس علوم و فنون کا جو وسیع سرمایہ جو وہ آئینہ بزرگوں کے اعمال و افکار کا عکس ہے،

تہذیب و تمدن کی ابتدا مقرر سے ہوئی ہے، وہ ان مذہب اور دیگر اشیائے کائنات سے متعلق جو خیالات قائم تھے، انکو پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آتی ہے، لیکن جب یہی خیالات کلدان پہنچے، تو ان میں زیادہ پختگی پیدا ہوئی، یہاں تک کہ یونان جا کر مستقل علوم بن گئے، اور ان پر کستان میں کچھ گئیں، اور آج کہ عالم مادی کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے، علوم و فنون میں وہ تنوع پیدا ہو گیا ہے کہ اسکو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے،

دربارے تمدن کے اس جزر و مد اور علوم و فنون کے ان انقلابات کی ایک نہایت دلچسپ تاریخ ہے، جو نہایت ضخیم جلدوں میں مدون کیا جاسکتی ہے، تاہم چونکہ ہمارا مقصد اختصار ہی اسلئے ہے، صرف ان قوموں کو دینا چاہتے ہیں جو علوم و فنون میں یکجا نڈر و نگار تسلیم کی گئی ہیں، اور چونکہ مصر میں دو ہزار برس قبل مسیح سے تہذیب و تمدن کا پتہ چلتا ہے، اور مورخین نے اولیت کا تاج اسی کے سر پر رکھا ہے، اسلئے ہم بھی اسی کو مقدم کرتے ہیں،

مصر | عصر کے متعلق ہماری کتابوں میں عجیب و غریب خوش اعتقادیان پائی جاتی ہیں، چنانچہ ہمارے مورخین ایک مصری حکیم ہر س کا نام نہایت شاندار الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، کوئی اسکو اخوخ بتلاتا ہے، جسکا قورات میں ذکر آیا ہے، کوئی حضرت ادریس کتا ہے، اور کوئی تین ہزار سے وجود کا قائل ہے، اور تیسرے ہر س کی طرف بہت سی جلی کتابیں (جو نجوم، کیمیا، اور سحر وغیرہ پر ہیں) منسوب کرتا ہے، چنانچہ کتاب الفہرست ابن الفطلی، اور ابن ابی الصیبعہ وغیرہ اس تذکرہ سے بھری پڑی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر س کا کبھی وجود نہ تھا، ہر س (Hermes) یونانی لفظ ہے، اور ایک یونانی مہبود کا نام ہے، جسکو سکندر کے زمانہ سے مصریوں نے نخت (نہہ ملا) قرار دیا ہے، جو مصر میں خدا مانا جاتا تھا، اور اسکی طرف قدامے مصر تمام علوم کا اختراع منسوب کرتے تھے، چنانچہ اسکو (M. Steinschneider) اور (E. Blochet) وغیرہ نے نہایت تفصیل سے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بیان کیا ہے۔

ابیات | چونکہ مصر نہایت قدیم ملک ہے اور وہ یونان کو اپنا "پچہ" کتا ہے، اسلئے اسکے قدیم مذہبی خیالات بہت کم معلوم ہیں، تاہم جو کچھ کتبات اور مورخین یونان کی تحریر دن سے سنبھلے ہوئے ہیں اس سبب کچھ زمانہ قدیم کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ دنیا میں مصریوں سے زیادہ کوئی پابند مذہب اور متقی نہیں، انکی تصویروں کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خدا کے سامنے نماز ادا کر رہے ہیں، کتابوں کو پڑھ رہے ہیں تو نظر آئیگا کہ عبادت و خشک کے ذکر سے لبریز ہیں،

مصری بہت سے دیوتاؤں کے قائل تھے، جن میں رب الشمس سب سے بڑا تھا، اور وہ اسکو خالق، امن، علیم، اور ازلی سمجھتے تھے، انکی ایک بیوی اور ایک بیٹا مانتے تھے، اور انکو بھی اسی کی طرح خدا سمجھتے تھے، ان تینوں کے نام مختلف فرقوں میں علحدہ علحدہ ہیں، رب الشمس کا نام اوزیریس، تمرا کا اینیس، (یہ بیوی تھی) اور آفتاب کا ہوروس ہے، (یہ بیٹا ہے) ان تینوں کے علاوہ مصریوں کا ایک اور دیوتا بھی تھا، اور وہ رب اللیل ہے، جسکو یہ لوگ سیت کہتے تھے، ان دیوتاؤں کی تصویریں آدمی اور جانوروں کی طرح بناتے تھے، لیکن انکے سر جانوروں کے رکھتے تھے، یہ لوگ بعض جانوروں کو بھی مقدس مانتے تھے،

مردوں کی روح کو پوجتے تھے، انکا خیال تھا کہ مرتے وقت آدمی اپنی روح کو چھوٹھا بنا کر اسی لئے وہ قبروں کو نہایت وسیع بناتے تھے، اور ان میں کریان، سامان آرائش، کھانا، پانی اور تمام ضروریات زندگی ہتیا کرتے تھے، اور مردہ کی ایک تصویر پتھر یا لکڑی کی بنا کر رکھ دیتے تھے، انہیں جوحہ سے ان لوگوں کی قبریں مدت تک ”بیت القرن“ کے نام سے مشہور تھیں،

مصر کے گیارہویں شاہی خاندان کے زمانہ میں حشر و راح کا عقیدہ قائم ہوا، یعنی یہ کہ مردہ کی روح شام کو آفتاب کے پاس جاتی ہے، وہاں اسکا حساب کیا جاتا ہے، قلب شہادت دیتا ہے اور میزان حق میں اعمال تو لے جاتے ہیں، شریر روح کو عذاب دیا جاتا ہے، اور وہ صدیوں اسی حالت میں رہ کر فنا ہو جاتی ہے، پاک روح مدتوں اُٹتی پھرتی ہے، اور بعد میں ارباب (دیوتا) میں شامل کر جذب ہو جاتی ہے،

چونکہ روح بسا اوقات آرام چل کرنے کے لئے اپنے پرانے جسم میں آجاتی ہے اور اسکے لئے جسم کے صیح و سالم رہنے کی ضرورت ہے، اس بنا پر انھوں نے تحفہ کا طریقہ ایجاد کیا اور مویا بنائی جو تابوت میں رکھ دی جاتی تھی،

مردہ کے ساتھ مویا کے پاس ایک چھوٹی سی کتاب بھی رکھ دی جاتی تھی، جسکو کتاب الموتی کہتے تھے، اس میں مردہ کی زبان سے اپنے مذہب اور کیرکٹر کی نسبت چند خیالات درج ہوتے تھے، جو حسب ذیل ہیں، ”میں نے خیانت نہیں کی، نہ بیوہ کو ستایا، نہ گناہ کا مرتکب ہوا، نہ باطل کو پسند کیا، نہ غلام کی آقا سے شکایت کی، نہ عبادت گاہوں پر رزق بند کیا، نہ مردوں کی پٹیاں اور کھانا چرایا، نہ غلہ کم ٹولا، نہ پاک جانوروں کو شکار کیا، اور نہ پاک پھلیوں کو کپڑا، بھوکوں کو کھلایا پیاسوں کو پلایا، ننگوں کو پٹنایا، خداؤں کے لئے قربانی کی، مردوں کے لئے وضائم بنائے“ (۱) وضم اس لکڑی کو کہتے ہیں جسپر قصاب گوشت رکھ کر کاٹتا ہے،

فلکیات | آسمان کو یہ لوگ ایک مادی اور ٹھوس چیز سمجھتے تھے، انکے نزدیک آسمان میں گنڈیاں لگی ہوئی تھیں، جب وہ کھل جائیگی تو آسمان زمین پر گر پڑے گا،

برجون اور سیاروں کے نام سے واقف تھے، اور سیاروں میں حرکت کے قائل تھے، چنانچہ آفتاب کو ایلیس، چاند کو سیلین، زحل کو ستورس، مشتری کو زاریس، اور مریخ کو آرس کہتے تھے، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ قضائی نے مصر کا ایک قدیم کتبہ کتاب الخط میں نقل کیا ہے، اس میں ذیل برجون اور سیاروں کے نام آئے ہیں، سرطان، حمل، حوت، میزان، اسد، شمس، قمر، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد، قلب الاسد، جو زہرہ،

سیاروں کے مقامات اور انکی مختلف حرکتوں پر کچھ احکام مرتب کرتے تھے جو نہایت

معمولی اور ابتدائی درجے کے تھے، علامہ شہرستانی نے انکی نسبت لکھا ہے۔

واما الاحکام المنسوبة الى هذا الاتصال
ان تصالات پرائمنون نے جو احکام لگائے ہیں وہ
فخیر مبہون علیہا عند الجميع،
سبکے نزدیک بے دلیل ہیں

عمرانیات قدمائے مصر کی قبروں میں جو میکل، تصاویر اور سامان آرائش دیکھا گیا ہے، اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تمدن تھا، چنانچہ یہ لوگ حضرت مسیح سے ساڑھے تین ہزار برس قبل کاشتکاری
پارچہ بانی، قطریق معاون، (سونے چاندی کو پیٹ کر درست کرنا) نقش، تصویر اور تحریر جانتے تھے،
انکا ایک مذہب اور ایک منظم سلطنت تھی،

مصری دنیا کے سب سے پہلے صناع ہیں، چنانچہ تین ہزار برس قبل مسیح سے ان میں پتھری
تصویرون کا رواج ہے، جنکو وہ لوگ قبروں میں رکھتے تھے، ان میں بعض حد درجہ مجسمہ النقول میں
اور حقیقت یہ ہے کہ انکی اس صنعت نے خود شاہد فطرت کو بے نقاب کیا ہے، کیونکہ اس میں محاکاة
کی اعلیٰ سے اعلیٰ نظیر ملتی ہیں، ان میں بعض ایسی تصویریں بھی ہیں جو گوشت و خون میں لیکن انکے بشرے
جلال کے آثار نمایان ہیں،

مصریوں نے رنگ میں ایسا کمال دکھلایا کہ ضرب المثل ہو گئے ہیں، چنانچہ پانچ ہزار
برس گزرنے کے بعد بھی انکی تصویریں وہی رنگ و روغن باقی ہے، وہ سونے، چاندی، فلزات
اسلحہ، زیورات، شیشہ، خوف، اور بینار کا استعمال جانتے تھے، اور آون اور کنان کے سادے
اور کاما رکھڑے تیار کرتے تھے،

وہ عمارتیں بنانے میں خاص شہرت رکھتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ اہم قدیمہ میں سے
کوئی قوم بھی اس معاملہ میں انکی حریف نہیں ہے، فلک نیلگون کا پر زور ہاتھ بہت سی عظیم الشان

تومن کی یادگاروں کو نیت و نابود کر چکا ہے، لیکن قدمائے مصر کی عمارتوں کی ایک اینٹ بھی نہ ہلا سکا، ابوالمول، اہرام، مسلات، تمارشل، سفیات، انکی وہ قوی ہیکل یادگار بن ہیں، جنکی تخریب کے تجل سے دستِ زمانہ بھی کانپ اٹتا ہے،

مصری اپنے رہنے کے مکانات زیادہ مضبوط بنین بناتے تھے، بلکہ عبادت خانوں اور مقبروں میں استحکام کا خیال کرتے تھے، چونکہ دیوتا ہمیشہ پاک اور دائمی جگہ ڈھونڈتے ہیں، اسلئے یہ لوگ عبادت خانہ میں ہیکل (یہ خدا کا مکان ہوتا تھا) محل، باغ، کاہنوں اور انکے مریدوں کے مکانات اور سامان رکھنے کے لئے علاحدہ علاحدہ کمرے تیار کرتے تھے،

قبروں میں اسکا اور زیادہ اہتمام ہوتا تھا، اور وہ نہایت کشادہ اور استحکم بنائی جاتی تھیں، چنانچہ اہرام جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں، مصری بادشاہوں کی قبریں ہیں، اور ہرم اکبر کیوکس کا اور ہرم ثانی کیفرم کا بنوایا ہوا ہے، انکے علاوہ مصر زیریں میں اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے اہرام موجود ہیں جو شاہانِ مصر کی قبریں ہیں،

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اہرام کا بانی کون شخص تھا، وہ کس زمانہ میں بنے اور کس مقصد سے تعمیر ہوئے، بقدر مار میں ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ اہرام حضرت ادریس کے بنائے ہوئے ہیں، اور طوفانِ نوح سے بہت پہلے بنے ہیں، اور اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ طوفان میں عوام و فنون بربادی سے بچ جائیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل لغو ہے اور جیسا کہ علامہ حموی نے لکھا ہے اسکی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے، اہرام طوفان کے بہت بعد بنی ہیں، انکے بنانے والے مصر کے چوتھے خاندان کے بادشاہ تھے، اور وہ مقبرہ کی غرض سے بنائے گئے تھے، بائیان اہرام کے بعد مصر میں قبروں کا ایک دوسرا طریقہ رائج ہوا، اور وہ زمین اندر بنے لیکن

بعضوں نے پہاڑوں کو کاش کر قبرین بنائیں، چنانچہ یہ قبرستان جو مردوں کا ضمیر کہلاتا تھا آبادی بالکل قریب تھا، اور شہر سے زیادہ وسیع اور بار دلق تھا،

قدماے مصر حکم کرنے کے عادی نہ تھے، وہ نہ تجارت کرتے تھے، نہ سمندر کا سفر کرتے تھے، اور نہ ان میں ملاح ہوتے تھے، البتہ مصر کی چھبیسویں سلطنت نے قوت بحری کی طرف توجہ کی تھی،

علوم و فنون | طب، سحر، اخلاق، قصاید، رسائل، سفر نامے، تاریخ، ریاضی، طبیعی، ایکسپلیمات

نیرنجات، اور خراجی محرقہ اہل مصر کے خاص علوم ہیں، اور ان میں انکے یہاں بڑے بڑے

صاحب کمال پیدا ہوئے ہیں، چنانچہ انونوس نے علم ہیما ایجاد کیا، مابندروس (مینڈروس)

المتونی مشہق سلم شمر کی ایک قسم ایجاد کی جسکو قوسیدیا (کومیڈی) کہتے ہیں، اس میں انسان

اور حیوانات کے مشترک قبائح بیان کئے جاتے ہیں، ایک اور شاعر نے دوسری صنف ایجاد کی

جو طراغوزیا (ٹریجڈی) کہلاتی ہے، اس میں انسان اور فرشتوں کے مشترک فضائل اور مراثرے

ہوتے ہیں، ابونیوس بخار نے ریاضی میں ایسی معرکہ کی دو کتابیں لکھیں جو اقلیدس کا سنگ بنیاد

قرار پائیں، چنانچہ اقلیدس نے جاسیٹری میں جو کچھ لکھا ہے، وہ انہیں کتابوں کی تشریح تھے، میٹن،

اور اقلیم دوریا منی و انون کی تحقیقات جو افون نے علم الفلک کے متعلق رصدخانہ اسکندریہ میں

کی تھی، ۶۰۰ برس تک مسلم مانی گئی،

علم الحیوانات میں بیان کے علماء کا ایک مستقل نظریہ ہے جسکو وصفی نے اخبار مصر میں

لکھا ہے، اور وہ یہ ہے،

”انسان سے پہلے اس عالم کو نسا و میں حیوانات کی بہت سی قسمیں رہتی تھیں، جسکی عجیب

۱۰ ابن عربی صفحہ ۳۴، ۱۱ اخبار کونیا صفحہ ۴۴، ۱۲ طبقات الامم صفحہ ۴۴، ۱۳ اخبار الحکما صفحہ ۵۰،

۱۴ طبقات الامم صفحہ ۵۱،

وغرب صورتین ہوتی ہیں، جب انسان پیدا ہوا تو اس نے بہت سی انواع کو مار مار کر فنا کر دیا اور بعض کو جھگڑ میں بگڑا دیا۔“

یہ خیال اگرچہ آج آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے، اور علمائے طبقات الارض بہت سے جانوروں کے عجیب و غریب ڈھانچے اور انکی پھروں پر بنی ہوئی صورتیں زمین سے برآمد کر رہے ہیں۔ تاہم گزشتہ زمانہ میں اس قدر حیرت انگیز تھا کہ ابن صاعد کو سپر کسی طرح یقین نہیں آتا چنانچہ فرماتا ہوں:

فان کان ذلک حقا فما ابعد ہونی هذا الاری اگر یہ سچ ہے تو تب ہے کہ یہ ملک نظام حکمت اور من نظام الحکمت وقانون الفلستفہ (الم ص ۵۹) قانون غلطی سے کقدر و درجہ پر ہے ہیں،

فن تحریر میں اہل ہر کا کارنامہ وہ مشہور و معروف خط ہے جو میر و طبعی کہلاتا ہے، اولہ ہرلم اور دوسری قدیم عارتوں پر کندہ ہے، اسکی ساخت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے پرانا خط ہے، کیونکہ اس میں حروف کی بجائے خود اشیا کی صورتیں بنی ہوئی ہیں، اس خط کے بعد مصریوں نے دو خط اور بھی ایجاد کئے تھے جو پہلے خط سے کیس قدر مختلف تھے،

علوم و فنون کی ترقی کا مصریوں نے خاص اہتمام کیا تھا چنانچہ اسکندریہ میں فلسفہ اور طب کی تعلیم کے لئے انھوں نے ایک اکاڈمی قائم کی تھی، وزیر جمال الدین قاضی اسکی نسبت لکھتے ہیں:

والاسکندانیون ہولاذین ریسوا بالاسکندیۃ اسکندری حکماء وہ ہیں جنھوں نے دایلم اور بحالس دایلم و بحالس الدرس الطبی طبی قلم کی تین،

بَابُ التَّفَرُّطِ وَالْإِسْقَاتِ

تاریخ صحف سماوی

پروفیسر سید نواب علی ایم اے ہمارے ان ارباب قلم میں ہیں جو ہر سال قوم و ملک کے سامنے اپنی محنت کا نیا تحفہ پیش کرتے ہیں، ہمارے دوست نے اس سال جو تحفہ پیش کیا ہے اس کا نام تاریخ صحف سماوی ہے،

سر ولیم میور کی تصنیف لائف آف محمد کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پادری فڈرنے انکو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنیکی بہترین تدبیر یہ ہو کہ انکے پیغمبر کی زندگی کا سیدھا سادہ نقشہ انکے سامنے پیش کر دیا جائے، وہ خود دیکھ کر فیصلہ کرینگے کہ حق کیا ہے؟ سر ولیم میور نے اس حکم کی تعمیل کی اور آخر انکو معلوم ہو گیا کہ حق کیا ہے۔

بعینہ اسی طرح ہمارے مصنف نے قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں تورات اور انجیل کے درمیان موازنہ اور صحف آسمانی کی صحت کے اصول کی تشریح اور انکے حج و ترتیب و اشاعت کے سیدھے سادھے واقعات کا یکجا کر دینا ہی اس بات کے فیصلہ کے لئے کافی سمجھا ہو کہ حق کیا ہے؟

تاریخ صحف سماوی میں پروفیسر ممدوح نے اختصار کے ساتھ اول، دوم اور سوم تین ابواب کے تحت میں تورات، انجیل اور قرآن مجید کے حج و ترتیب و حفاظت کا تاریخی موازنہ کیا ہے، اور اسی کے ضمن میں لفظی و معنوی تحریف کی بحث اور بعض علمائے یورپ نے قرآن مجید پر جو ادبی و تاریخی اعتراضات کئے ہیں انکا جواب دیا ہے، ان مترضین کا امام فولڈیکلی جس نے قرآن مجید پر ایک نہایت جاہلانہ مضمون لکھا ہے، اور تعجب ہے کہ ہمارے مستشرقین منکب عربی و انکی

ہم نہایت شہرہ سننے میں اس مضمون کے فقروں کو وحی آسمانی کی طرح اپنی تحریروں میں سداً نقل کرتے ہیں۔
قرآن مجید کی تالیف جمع و ترتیب سے پہلے عربی زبان کے قدیم طریقہ تحریر پر بھی بحث کی ہے،
اور آثار قدیہ کی مدد سے حروف تہجی کی قدیم شکلیں معلوم ہوئی ہیں انکا بھی نقشہ دیدیا ہے اس بات کے
ثبوت میں کہ کلام مجید ابتدا سے محفوظ ہے، بڑودہ کے ایک کلام پاک کے ایک صفحہ کا عکس بھی شامل
کیا ہے، جسکی نسبت یہ مشور ہے کہ وہ حضرت امام علی رضا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے، امام موصوف
کی ولادت ۳۸۷ھ میں اور وفات ۳۹۳ھ میں ہوئی ہے، اس بنا پر اگر یہ نسبت صحیح ہے تو اس سے
زیادہ گران قیمت نعمت ہم مسلمانوں کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے غالباً ۳۹۳ھ میں جب میں بڑودہ گیا تھا
تو اس قرآن مجید کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، آخر میں امام موصوف کا نام لکھا ہے لیکن طرز تحریر
اور کاندکے ماہرین یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ کسی کاتب کا جمل ہے یا واقعی یہ اُس قدر پرانا ہے، خط
یقیناً گونی ہے۔

تورات اور انجیل کی جمع و تدوین کی جو تالیف مصنف نے لکھی ہے وہ تاثرات بہین مذاہب کے
علماء کی تحریروں سے ماخوذ ہے، طرز عبارت مناظرانہ بہین بلکہ مورخانہ ہے، اور اگر کہیں کہیں اس کے
خلاف کوئی نظر آتی ہے تو وہ فطرت انسانی کا عکس ہے، جسکو وہ بدلنے پر قادر نہیں،

ابتداء میں صحف یہودی نہرست دی ہے پھر بتایا ہے کہ ان میں سے کس قدر حصہ باقی ہے
اور کس قدر تلف ہو گیا، تورات کی تحریفوں کی تین مثالیں، قصہ داد و وزن ادیا، قصہ سلیمان و
بت پرستی، قصہ ہدوئہ و گوسالہ پرستی کی پیش کی ہے، بہین معلوم ہمارے دوست نے لوط اور اُنکی
بیٹیوں اور حضرت سلیمان کے بیٹے اور اسکی بہن کا قصہ کیونچھوڑ دیا، شاید ظلم کی سنجیدگی نے اس
حد تک نیچے اترنے کی اجازت نہ دی ہو، اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن واقعات کو لکھتے ہوئے
ایک انسان کا ظم کا پ اُٹھا ہے وہ خانہ الہی کے نقوش دہی کیونکر ہو سکتے ہیں؟

باب دوم میں عمدہ جدید، چارپون کی تعلیم، پال کا اختلاف، تیفہ کی کونسل، اناجیل کی فرست قدیم فرق مسیحی، انجیل کے قدیم نسخے، اختلافات اناجیل، اناجیل اربعہ اور ولادت مسیح کے بیان کا اختلاف، ان مباحث پر محققانہ باتیں لکھی ہیں، تیسرے باب میں قرآن مجید کی تاریخ نزول و جمع و تدوین ہے، اور سب سے آخری فصل میں فولڈ کی کے چند اعتراضات کا جواب دیا ہے،

معارف میں بھی ان چند اعتراضات کا جواب چپ چکا ہے، ابھی چند تاریخی اعتراضات اور باقی رہ گئے ہیں، جنکی طرف بھی ہمارے دوست کو متوجہ ہونا چاہیئے تھا، منجملہ اسکے وہ آیت ہے جس میں بنی اسرائیل کو فرعون کی مملکت کا جانشین بنانے کا ذکر ہے، لفظ "ہامان" کی تحقیق میں یسا حاکمان بن لی مرچا کے منی بھی اپنی جدید تحقیق کے مطابق بتانے لگے، ہمارے دوست کی تحقیق بحکم "ہامان" آمان کی تعریب ہے جو مصر کے بڑے دیوتا کا نام تھا، اہخت اھارون کے بیان میں محاورہ عرب سے بھی استدلال ضرور تھا،

اس کتاب کا سب سے اہم باب وہ ہے جس میں مصنف نے قرآن مجید اور تورات کے متحدہ قصہ کا باہم لفظی موازنہ کیا ہے، اور اسکے لئے انھوں نے احسن القصص یعنی حضرت یوسف کے قصہ کا انتخاب کیا ہے، وہ کام کر کے ایک کام میں قرآن مجید کی عربی عبارت اور دوسرے کا لہجہ تورات کی عبرانی عبارت بالقابل نقل کی ہے، اور جا بجا وجوہ تزیین کا اظہار کیا ہے،

ہمارے نزدیک تو قرآن مجید اور تورات کے موازنہ کا بہترین طریقہ یہی ہے، کوئی شخص کچھ اور نہ کرے صرف استقدر کرے کہ تورات و قرآن کے تمام متحدہ قصوں کو یکسر بالقابل ایک کام میں تورات کا ترجمہ لکھ دے اور دوسرے کام میں قرآن مجید کا ترجمہ دیدے، عربی و عبرانی عبارت کا لکھنا گو تو تین کیلئے مناسب ہے لیکن اردو ترجمہ دینا فائدہ مندی کے لئے ضروری ہے،

ہم مصنف کو اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، جدید تعلیم یافتہ کتے بھگتہ مرگے

جدید علمی سرمایہ میں بیدنی اور لائڈمبی کے سوا کسی اور چیز کا مسالہ نہیں، لیکن پروفیسر سید ذاب علی یہ کیا کر رہے ہیں کہ انہیں سچی معدنیات سے تریاق اور اکسیر کے اجزا نکال نکال کر پیش کر رہے ہیں، بادؔ اللہ فی علمہ،

خصاست ۶۲۵ صفحات، تقطیع متوسط کتابی، قیمت ۷ روپے نصف سے جامع مسجد بروہہ پتہ سے ملے گی،

اردو میں فلسفہ جدیدہ کا ایک مکمل اسکول سلسلہ برکے

اپنی زبان کو دوسری زبانوں سے متننی کو نیکی ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان زبانوں کے بہترین سرمایہ کو نہایت احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کیا جائے، یورپ میں فلسفہ کے متعدد اسکول ہیں، اور ہر اسکول میں چند نہایت اہم اور معرکہ آرا سلسلہ تصنیفات ہیں، دارالمصنفین کا نظام انجیال (پروگرام) یہ ہے کہ مستند اسکولوں کی اہم تصنیفات کو اردو میں بہ ترتیب منتقل کیا جائے، چنانچہ یہ سلسلہ برکے اسی تجل کا ثمرہ ہے، برکے کا سب سے پہلے اسلئے انتخاب کیا گیا کہ یہ نسبتاً سہل ہے اور مذہب سے تصادم نہیں ہوتا، ہمارے علاقے کرام اور طلباء مدارس عربیہ حکومت مذہب کیلئے فلسفہ جدیدہ کی واقفیت ضروری ہے، انکو اسکا مطالعہ ناگزیر ہے،

اس سلسلہ کو اردو زبان میں ان شاہراہی قلم نے منتقل کیا ہے جو دور حاضر میں ہماری قوم کے بہترین عالم فلسفہ ہیں، یعنی مولوی عبدالمجید صاحب بی، اے اور پروفیسر مولوی عبدالباقی ندوی، اس سلسلہ میں تین کتابیں داخل ہیں، ہر کلمے اور اسکا فلسفہ، ہمیں برکے کی دلچسپ سوانح حیات، تصنیفات، اور ہر تصنیف پر تقریظ اور اسکے خاص فلسفہ متصویریت کی تشریح ہے، مبادی علم انسانی اسکی اہم ترین تصنیف فیڈر کا سیس مطلب خیر ترجمہ، اور مکالمات، جہیں بصورت کمالہ آسان پیرایہ میں اپنے فلسفہ کی اس تشریح کی ہے، ہر حصہ عمدہ کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ چھپا ہے، ہر ایک کی قیمت ۷ روپے، مجموعہ کی قیمت ۱۷ روپے،

الحیاء

فریادِ کبر

یاد آ رہی ہے جھکوسنی کی گفتگو اب ہوں محو استغیثا باللہ و اصبر و آ
طاعتِ باری سے دل کو شاد رکھ ان وعد اللہ حق یاد رکھ
تیری دینی تربیت میں جو کہ سزا رہا میں غائباً منقادِ صد اعن سبیل اللہ میں
ہنگامہ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
کھلتا ہنسنے والا دوسرا شکوہ ہے توبہ اور شکر ہے کیونکہ آجانی ہے

رباعیاتِ وحید

ہمارے پرانے دوست مولوی عبد الوحید صاحب ایم۔ اے ال ٹی جن سے عارف کے
ابتدائی نثر و شناس ہونا پورے ڈیڑھ برس کے بعد یاد فرماتے ہیں،

کچھ بیل و گل سے گفتگو کی غم نے کچھ دیر دھرم میں جستجو کی ہم نے
جب اسکا پتہ کہیں نہ پایا خسر ملکی تصویر پر ردِ برد کی ہم نے

اسرافِ زبان کو گفتگو کہتے ہیں آشفہ سری کو جستجو کہتے ہیں
ذلت سمجھے ہوئے میں گناہی کو رسوائی کو لوگ آبرو کہتے ہیں
نرگس کو چین میں ہنسنے حیران کیا شبنم کو سرشام سے گریان دیکھا
جز نہرت و گریہ حاصل دیدہ نہیں آنکھوں کو کبھی کسی نے خندان دیکھا

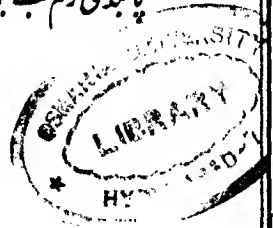
انسان بھی ہم ہوئے تو کیا خاک ہوے گو صاحب عقل و فہم و ادراک ہوئے
ظاہر ہوئے، مرنے پہ بھی غسل کیا جتنک ہوئے خاک ہم پاک ہوئے

سجد ہو کہ تنکدہ کہ میخانہ ہو پس سجدہ کہ زتار کہ پیانہ ہو
پابندی رسم ہے بہر حال و جید آزاد جو ہونا ہو تو دیوانہ ہو

مدت کے بعد مذہبی یہ ہدیہ سخن

باد قبول خاطر تو بسیدہ زمن

غزل جناب مرزا ثاقب تو بلال شاہ لکھنوی



ویر ہوئی کہ آسمان بر سر اختلاف ہے ایک مجھی پہ یہ عتاب سبکی خطا صاف ہے
جل کے بھی سینے ان کی الفت دل ہی رہی برسوں حوٹا اٹھا کیا پھر بھی یہ سینہ صاف ہے
راستی و فاسق کس سے مقابلہ پڑا شیوہ حسن مہر خان ہی تو گراں لاف ہے
وقت ہی امتحان کا کینچ سکو خدا کرے خیر براہون میں تو ہوں نتج تو خوش غلاف ہے
واہ ری ہمت کرم آتش عشق پہنک کر میں نے کہا خطا ہوئی دل نے کہا صاف ہے
خواہش امتیاز سے مل گئی غیب کو جگہ کیسی ہی تنہا بات ہو جس کو اختلاف ہے
مطلب شادی و الم کن میں نہان ازل سے تھا عالم حسن و عشق بھی جلوہ نون و کاف ہے
آمد و رفت میں چین جو حسرت و غم کے تپ کعبہ دل کے گرد و زیاں یک نیا طواف ہے
آپکا تانگنا ہنگام میں نہ کہ ابر و باد کا میرا مزار نہا جہاں اب وہ زمین صاف ہے
خوب تما نصہ نفس سُنئے جو میرے ہوا قید میں ہوں کہ مر گیا اس میں بھی اختلاف ہے
نہا تَب دلخیزن تجھے دوست کوئی ملو کیوں ایک دہی مینیں خفا سا را جہاں غلاف ہے

سیرۃ فاروقی

عہد خلافت راشدہ کا ایک اسوہ حسنہ

جناب مولوی سعید رحمہ اللہ صاحب تفتیح رضوی عماد پوری

عہد فاروقی میں جب فتح ہوا شام کا ملک	حامل رایت نصرت ہوئی جانباز سپاہ
اہل تبلیث کا قیلہ تھا جو بیت المقدس	شرک کو آکے دہان بھی نہ ملی جسے پناہ
جبک پڑی مصیبت اسلام سے سجدہ کھدیب	ہوا توحید کا خود خانہ قدوس گواد
جلوہ حق سے ہوئی ظلمت باطل کا نور	چہرہ ظلم ہوا عدل کی دہشت سے سیاہ
غیب سے دیکھے ہوئے صلح کے خواہاں آخر	شیر کے حملوں کی جب تاب لاسے روباہ

دی خبر حضرت فاروق کو صحابہ نے یہ	لایں تشریف بیان آپ بصد غلط تباہ
اٹلے بے سرو سامان وہ چلے جانبِ شام	کہ کمان جاتے ہیں یہ بھی نہ غنے اکثر آگاہ
چلتے چلتے جو قریب آگیا بیت المقدس	اونٹ منزل کا تھکا ماندانہ چل سکتا ساراہ
جسم اطہر میں ادھر ایک عبا پارہ نہ	اور اُدھر دھوم مچی آتا ہے مسلمانوں کا شلہ
لوگ پوشاک نئی لاسے بدلنے کے لئے	نہ چچی نظر دن میں وہ فقر تھا منظور گاہ
اتو وہ ذوق خود آرائی و خود بینی ہے	لذت نفس کے پیچھے ہیں مسلمان تباہ
کہو گے جتنے ملے اخلاق حمیدہ ہم میں	اب کمان صدق کمان عدل کمان غلام
کون تھے آئے تھے کس کام کو کیا اسکی خبر	کیا تھے کیا ہو گئے اسکو بھی نہیں جاننے آہ
خوگمان کی کہ نہیں بوجھی شفیق وہ باقی	اور اسپر بھی باقی ہیں ہم اِنَّا لِلّٰہ

غزل فارسی

شادم که دل آلاش پندار ندارد
 آئینه صافست که زنگار ندارد
 هر کس کشتا سنده رازست همانا
 بر لب سخن از سبزه و زنگار ندارد
 ای دایه بر آنکس که وجودش همه عشق است
 با هر کسے دل باز دو دلدار ندارد
 دم سردی ضبط است که دل سوخته تو
 در بحر قف آه شمر بار ندارد
 خاک قدمت ریخت خون تاب برین
 دل حسرت آرائش ستار ندارد
 بر بام بیا زانکه تماشا لی حنت
 ذوق نظر از روزن دیوار ندارد
 گیرم که تنی گشت سباده کش ده
 بیخوار تو اندیشه بسیار ندارد
 واعظ نتوان زد دم از افسانه لغت
 این آن بود افسانه که پیشا ر ندارد
 گلابنگ نالنا لحنی هم از این نمودست
 منصور تو با خود رس و دار ندارد
 کیفیت مهباسے سخن بُرد ز ہوشم
 سر مستم اندازہ و مقدار ندارد

نیر بود این گفته تو معجزہ نطق

در بر زم کس این شیوہ گفتار ندارد

ابو الحسنات ندوی نیر



مطبوعاتِ جدیدہ

گیتان جلی، سرابند رانا تھ ٹیگور یعنی ہندوستان کے وہ مایہ ناز شاعر جنکی شاعرانہ نفیست کو دنیا کا سب سے بڑا ادبی انعام دیکر یورپ نے غبی تسلیم کیا ہے، گیتان جلی انکی نظموں کا مجموعہ ہے، انکی اصلی زبان بنگالی ہے، جس سے خود مصنف نے انگریزی میں ترجمہ کیا، مولوی نیاز فتحپوری ندوی ملک کے شکر یہ کہ سختی جن کہ انھوں نے اردو میں ٹیگور کے خیالات منتقل کئے، اس میں شک نہیں کہ اصل زبان میں جقدر محاسن کلام ہوتے ہیں وہ غیر زبان کے ترجمہ میں نہیں آسکتے، لیکن عام طور پر جو خصوصیات کلام ہوتے ہیں وہ ترجمہ میں بھی نہیں چپ سکتے، طرز ادا کا حسن، خیالات کی رنگینی، تخیل کی وسعت، اور جذبات و افکار کی بولچوں، یہ ٹیگور کی شاعری کی معنوی خصوصیات ہیں جو ترجمہ میں بھی باقی ہیں، زبان صیاف اور سلیجی ہوئی اختیار کی گئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ٹیگور کی شاعری کی بنیاد ہی چونکہ نزاکت بیان اور لطافت خیال پر ہے، اسلئے اکثر نظموں کو بوز اور کبریات و مرآت پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے، ادب اردو میں یہ ترجمہ قابل قدر اضافہ ہے، امید ہے کہ شائقین ادب اس سے پوری دلچسپی لیں گے، لکھائی چھپائی صاف، عمدہ، صفحات ۱۱۱، تقطیع چھوٹی،

انسانی قربانیاں - عربی میں صفیاء البشریہ، ایک رسالہ ہے جسکا موضوع تمدنی و معاشرتی غلطیوں کی اصلاح ہے، شام کے عبائی فاضل اہل قلم "نذرہ نقولا"، کی یہ تالیف ہے، مولوی محمد حسین نحوی نے اسکو اردو میں منتقل کیا ہے، اگرچہ اصل بیان میں جو لطافت و لادیزی اور زور بیان ہے، وہ ترجمہ میں نہیں، تاہم موجودہ حالت میں بھی مترجم کی کوششیں قابل تحسین ہیں، اسکے اکثر مضامین عورتوں کی اصلاح حالت سے متعلق ہیں، اور گو مواف نے اصلاح معاشرت پر اپنی وطنی رسوم و رواج کے لحاظ سے بحث کی ہے، لیکن مشرقی دنیا میں معاشرت و تمدن کے امراض ہر جگہ کیساں ہیں

حیات مالک، امام مالک کے حالات اور انکی حدیث مطا
پر نقد اور فقہ مدینہ پر تبصرہ ۱۲
لغات جدیدہ، چار نثر اربعہ عربی الفاظ کی دکنشری ۱۲
دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر ۱۲
دوسری ریڈر ۱۲
نوحہ استاذ مولانا مرحوم کا اردو غم ۱۲
رسالہ اہل السنۃ و الجماعۃ، فرقہ اہل السنۃ و الجماعۃ
کے اصولی عقائد کی تحقیق ۱۸

مولانا عبد السلام، ندوی
انقلاب الائم، موسیٰ ربیان مصنف تمدن عرب کی اس
مشہور تصنیف کا چھپ اور بیچ ترجمہ حسین فومون کی ترقی و تزلزل
کے اسباب، یورپ کے تمدن کے زوال کی پیشین گوئی
اور دنیا کی تمام قوموں کے خصائص طبی کا تذکرہ ہے اور
جو انکی تمام تصنیفات کا خلاصہ اور خاطر جمع مقدمہ قیمت ۱۲
مولوی عبد الباقی صاحب ندوی
برکے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکے کے حالات
زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، زیر طبع
نباہ علی سلم انسانی، ادیت کی تردید میں برکے کی مشہور
کتاب پرنسپلس آف ہیومن نلیج کا نہایت قیمہ اور بجدہ
ترجمہ قیمت ۱۲ جہاں مجلد

مولوی عبد الماجد بانی، لے
مکالمات برکے، ادیت کی تردید میں برکے کے
مکالمات کا ترجمہ، زیر طبع
منشی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال
حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی تفسیر اور
عقلی تشریح قیمت ۱۲ جہاں
منشی محمد محمد صاحب ناظم تعلیمات بھوپال
انسان، علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل
سلیس عام فہم زبان میں قیمت ۱۲ جہاں
رموز فطرت، طبیات طبقات الارض، ہیئت اور جغرافیہ
طبی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیس
عبارت میں جہاں

بدیہہ گوئی، از جناب سیدناظر اسن صاحب ہوش بنگالی
ایڈیٹر ذخیلہ، اس رسالہ میں عربی، فارسی، اردو کے
جستہ گوشہ کے مخفی حالات اور وہ اشارہ ہیں جو
انہوں نے کسی خاص واقعہ پر فی البدیہہ کے اقطع چھوٹی
ضخامت قیمت ۱۲ جہاں

قیمت ۱۲ جہاں

مطبوعات دار المصنفین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمدہ لکھی اور چھپی ہوتی ہیں۔ تاجرون کو
کیشن مقبول دیا جاتا ہے، یعنی ۵ فیصدی

منیجنگ
دار المصنفین، اعظم گڑھ

<p>مولوی عبدالماجد دہلوی کے مکالمات برکے۔ ہدایت کی ترویج میں برکے کے مکالمات کا ترجمہ، زیر طبع منشی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی مہفیانہ اور مفتی شریعہ اہل سنت منشی محمد جمی صاحب کتاب تم تاریخ بھوپال انسان۔ علم غوام الاغصاء کے ابتدائی مسائل سلیس عام فہم زبان میں قیمت رموز فطرت لطیفات طبقات الارض، ہیئت اور جہز فہم طبسی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیس عہادت میں</p>	<p>حیات ملک امام مالک کے حالات اور ان کی حدیث مطا بر تقدیر فقہ مدینہ برتھو نجات جدیدہ، چاند نواز علی افغانی کاشغری دروس الادب، عربی کی پہلی دیکر دوسری ریڈر نوحہ استاد مولانا مرحوم کا اردو ترجمہ رسالہ اہل السنۃ والجماعہ، فرقہ اہل السنۃ و الجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق مولانا عبدالسلام، ندوی انقلاب الائم، عیسوی زبان صفت تمدن عرب کی اس شہرہ تصنیف کا کچھ اور فصیح ترجمہ میں نو مونس کی ترقی و ترقی کے اسباب، یورپ کے تمدن کے زوال کی پیشین گوئی اور دنیا کی تمام قوموں کے خصائص طبعی کا تذکرہ ہے اور جو اسکی تمام تصنیفات کا خلاصہ اور موطوعہ جامعہ مدنیہ مولوی عبدالباری صاحب ندوی برکے اور اس کا فلسفہ، شہرہ کلاس برکے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، زیر طبع نہاد علی سلم انسانی، ہدایت کی ترویج میں برکے کی شہرہ کتاب پرنسپلس کات ہیومن نلی کا نہایت فہمہ اور جدیدہ ترجمہ قیمت</p>
<p>بدیہہ گوئی، از جناب سیدناظر احسن صاحب ہوش بگراوی ایڈیٹر ذخیرہ، اس رسالہ میں عربی، فارسی، اردو کے جربہ گشترا کے مختصر حالات اور وہ اشعار و جہز ہیں جو انہوں نے کسی خاص واقعہ پر فی البدیہہ کے تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے۔ قیمت</p>	<p>مطبوعات دار المصنفین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمدہ لکھی اور چھپی ہوتی ہیں۔ تاجرون کو کیشن منقول دیا جاتا ہے، یعنی عیسہ فیصدی مینجمنٹ دار المصنفین ۱۰ عظیم کتب خانہ</p>

مطبوعات دار المصنفین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمدہ لکھی اور چھپی ہوتی ہیں۔ تاجرون کو
کیشن منقول دیا جاتا ہے، یعنی عیسہ فیصدی
مینجمنٹ
دار المصنفین ۱۰ عظیم کتب خانہ

دائرة المعارف

یعنی
رسالہ معارف کی گذشتہ جلدیں

جن میں سے ہر جلد ۲۷۶ صفحوں پر مشتمل ہے اور مذہبی

علمی، تاریخی، اصلاحی، تعلیمی، ادبی اور تنقیدی مباحث و تحقیقات

سے مالا مال ہے۔

فرمانش کے وقت مجلہ یا غیر مجلہ کی تفصیل کر دینی چاہیے

قیمت ہر جلد مجلد للعلم، غیر مجلد للعلم۔

مسعود علی، ندوی، منشیہ دار المصنفین

عظیم گڑھ

